Silver Jubilee Edition

MESSIAH

IBN-E-SINA UNIVERSITY

MUHAMMAD MEDICAL & DENTAL COLLEGE

A Magazine of Ibne Sina University, Mirpurkhas.
Recognised by the Higher Education Commission.
First ever University of Mirpurkhas Division.



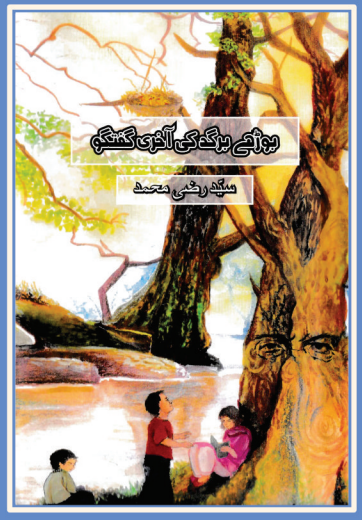

Dedicated to:
People of Mirpurkhas (who have ever lived here).

MUHAMMAD MEDICAL & DENTAL COLLEGE
MIRPURKHAS



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں قرآن کے دو معجزوں کی عظمت اور گہرائیوں کو سچائی کی جانب بلیغ ترین اشارے سمجھتا ہوں پہلا یہ کہ قرآن کا پہلا لفظ جب اترا تو وہ "اقرا" تھا یعنی بے شمار کرنے والے کاموں میں میرے پروردگار کے نزدیک پہلا اور اہم ترین کام پڑھنا تھا۔ اور دوسرے یہ اس پڑھنے کیلئے جو تواتر سے تلقین آئی ہے وہ کسی بات کو محض سن لینے یا یاد کرنے کے بجائے افلا تتفکرون یعنی فکر و تدبر کرنے اور سوچنے کی آئی ہیں۔ یعنی اپنے ذہن کو اور گہری تجزیاتی سوچ استعمال کر کے تجائج اخذ کرنے کی۔

اس ضمن میں میری کہانی ۱۹۷۲ء میں شروع ہوئی جب ڈاکٹر سید علی محمد اور ان کی بیگم کے سامنے یہ سوال آیا کہ اپنے بڑے بیٹے کو میر پور خاص میں ہی کسی اردو میڈیم اسکول میں داخل کر کے پڑھایا جائے یا کسی بڑے شہر میں انگریزی میڈیم اسکول میں داخل کر کے ہاسٹل میں رکھ کر اس کی جدائی برداشت کی جائے مجھے وہ مشکل وقت آج بھی یاد ہے جب ایک دن ناشتے کی ٹیبل پر ڈیڈی نے بڑے دکھ سے کہا کہ میر پور خاص ایک ایسا شہر ہے کہ یہاں میڈیکل کالج اور یونیورسٹی بھی ہونی چاہئے لیکن یہاں لڑکوں کی پڑھائی کیلئے ڈھنگ کا انگلش میڈیکل اسکول بھی نہیں ہے شاید ان کو بھی اندازہ نہیں ہوگا کہ کوئی ان کی منہ سے ایسے لفظ کہلوا رہا ہے جو آگے جا کر میر پور خاص اور ہزاروں بلکہ لاکھوں کی قسمت میں ایک حتمی کردار ادا کریں گے۔

غرض یہ کہ بارہ سال کے ایک لڑکے کو زندگی میں پہلی مرتبہ والدین اور چھوٹے بھائیوں سے جدا ہو کر پبلک اسکول حیدر آباد کے ہاسٹل میں مقیم ہو کر میٹرک اور انٹر کی تعلیم حاصل کرنی پڑی اور بے گھری کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا جو اب تک کسی نہ کسی صورت میں جاری ہے۔

یہ ڈیڈی (ڈاکٹر سید علی محمد) ہی کی خواہش تھی کہ ان کا بڑا بیٹا ڈاکٹر بنے اور ڈاؤ میڈیکل کالج کراچی اور پھر انگلینڈ میں تعلیم و تربیت حاصل کر کے ان کے آئیڈیل استاد پروفیسر رضوی کی طرح ایف آر سی ایس کر کے سرجن بنے اور رائل کالجز کا ایگزامنر بھی بنے انہوں نے براہ راست تو یہ نہیں کہا لیکن بچپن میں بارہا جس شوق سے انہوں نے سرجن رضوی کی داستانیں سنائیں ان سے جھلکتا تھا کہ وہ خود بھی اس راستے پر چلنا چاہتے تھے لیکن حالات کے جبر نے انہیں اس راستے سے محروم رکھا اور اب وہ یہ شوق اپنے بڑے بچے کے ذریعے سے پورا کرنا چاہتے ہیں۔

کونونٹ سے پبلک اسکول حیدر آباد جانا ایک ایسا تجربہ تھا جہاں مجھے بہتر اور زیادہ قابل طلباء کا سامنا کرنا پڑا ایک سال انتھک محنت کے بعد اس قابل ہوا کہ اپنے ساتھیوں کے مقابلے میں بہتر کارکردگی دکھا سکوں اور فرسٹ پوزیشن لا سکوں۔ یہی تجربہ پبلک اسکول سے ڈاؤ میڈیکل کالج اور پھر وہاں سے انگلینڈ جانے میں ہوا مگر اس کے ساتھ ساتھ میرے دل میں یہ عزم بھی پیدا ہوا کہ اگر مجھے موقع ملا تو میں اپنے طلباء اور مریضوں کو جغرافیائی اور معاشی ناہمواریوں کے باوجود ایسی تعلیم اور علاج مہیا کرونگا جن کا معیار کسی طرح کم نہیں ہوگا۔

اپنے ایف آر سی ایس اور سرجیکل ٹریننگز مکمل کر کے ڈیڈی کے حکم پر ستمبر ۱۹۹۶ء میں پاکستان واپس آ کر بقائی میڈیکل یونیورسٹی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر آف سرجری کی حیثیت سے کیریر شروع کیا اور پھر پروفیسر فرید الدین بقائی کی رہنمائی میں میر پور خاص میں زمین لے کر محمد میڈیکل کالج کا پروجیکٹ شروع کیا آغا خان یونیورسٹی کے بعد پرائیوٹ سیکٹر میں اس وقت کراچی میں بقائی میڈیکل یونیورسٹی، فاطمہ جناح ڈینٹل کالج (ڈاکٹر باقر عسکری کی زیر نگرانی) اور پشاور میں کبیر میڈیکل کالج کا آغاز ہوا تھا۔ بعد میں ہمدرد اور ضیا الدین یونیورسٹی بھی ان میں شامل ہو گئے ۱۹۹۸ء کے بیچ سے کئی کالج شامل ہوئے جن میں محمد میڈیکل کالج میر پور خاص، اسرا میڈیکل کالج، لیاقت علی خان اور سرسید میڈیکل کالج کراچی، یونیورسٹی آف لاہور اور ویمن میڈیکل کالج ایبٹ آباد شامل تھے ۲۰۰۰ء کے بعد ان کی تعداد میں اضافہ ہوا اس وقت

پاکستان کے کل ۱۸۴ میں سے ۱۱۸ میڈیکل اور ڈینٹل کالج پرائیوٹ سیکٹر میں ہیں جن میں ۷۵ پرائیوٹ میڈیکل اور ۴۳ پرائیوٹ ڈینٹل کالجز شامل ہیں۔ پاکستان میں سالانہ تقریباً ۲۰ ہزار میڈیکل اور ڈینٹل طلباء وطالبات داخل ہوتے ہیں اور اتنے ہی ڈاکٹرز نکلتے ہیں۔ ان میں تقریباً ۱۱ ہزار پرائیوٹ اور ۹ ہزار پبلک سیکٹر سے ہوتے ہیں۔ اسپتالوں میں تقریباً ساٹھ فیصد پرائیوٹ اور چالیس فیصد پبلک سیکٹر میں ہیں۔ پرائیوٹ سیکٹر میڈیکل اور ڈینٹل کالجز کی نمائندہ تنظیم پاکستان ایسوسی ایشن آف پرائیوٹ میڈیکل اینڈ ڈینٹل انسٹی ٹیوشن (پامی/PAMI) ہے۔ ۲۰۱۸ء میں محمد ڈینٹل کالج کا وجود عمل میں آیا اور ۲۰۲۲ء میں ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC) یونیورسٹیز اینڈ بورڈز ڈیپارٹمنٹ اور چارٹر، انسپکشن اینڈ ایویلیوشن کمیٹی (CIEC) کی منظوری اور پارلیمنٹ آف سندھ کے ایکٹ سے ابنِ سینا یونیورسٹی میر پور خاص کا قیام وجود میں آیا جو میر پور خاص ڈویژن کی پہلی یونیورسٹی ہے۔

۲۰۲۰ء میں پامی سندھ کی صدارت بھی میرے حصے میں آئی۔ ڈاکٹر سید علی محمد کے سارے خواب پروردگارِ عالم نے پورے کر دیئے تھے۔

تقریباً چالیس ایکڑ زمین، ہر فیکلٹی کی الگ بلڈنگ (جو الگ الگ بھی بہت سی یونیورسٹیوں سے بڑی ہیں)، چھ سو طلباء وطالبات کیلئے ہاسٹل کی سہولیات، فیکلٹی کی رہائش، تین ٹیچنگ ہاسٹلز جن میں سات سو سے زائد بیڈز، ۶۴ فل پروفیسرز جن میں آٹھ پی ایچ ڈیز بھی شامل ہیں یہ سب کسی بھی یونیورسٹی کیلئے باعث توقیر ہوسکتا ہے لیکن ہمارا افتخار اس بات پر ہے کہ ابنِ سینا یونیورسٹی اور اس کی فیکلٹیز، زیرِ انتظام ادارے اور طلبہ وطالبات میں کسی بھی قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر انسانیت کے اعلیٰ ترین اصولوں، سچائی، تحمل، برداشت، رحم اور انصاف پر مبنی کلچر ہے۔ یہاں طالبات کو بیٹیوں اور طلباء کو بیٹوں کی طرح سمجھا جاتا ہے۔

ایجوکیشن اور علاج معالجے کے اعلیٰ ترین اور جدید ترین اصولوں کو بروئے کار لایا جاتا ہے ساتھ ساتھ اپنی جغرافیائی اور کلچرل حقیقتوں کو بھی سامنے رکھا جاتا ہے۔ رائل کالجز کے ممتحن ہونے کے نتیجے میں مجھے اکثر میٹنگز اور امتحان لینے بیرونِ ملک جانا پڑتا ہے۔ ایک بار میں نے کہا کہ "بیشک میر پور خاص کیمبرج اور آکسفورڈ نہیں ہے مگر کیمبرج اور آکسفورڈز بھی میر پور خاص نہیں ہیں۔ ہماری اپنی حقیقیں اور طاقت ہیں جن کو ہم بروئے کار لا کر اپنے طلباء اور مریضوں کی بہتر تعلیم وتربیت اور خدمت وعلاج فراہم کرتے ہیں۔

محمد میڈیکل اینڈ ڈینٹل کالج اور ابنِ سینا یونیورسٹی کی ابتداء کو پچیس سال مکمل ہو چکے ہیں ہم ۲۶ سالانہ سمپوزیم اور ایڈمیشنز کر چکے ہیں۔ یہ موقع ہمارے میڈیکل کے ۲۰ ویں اور اکیسویں اور ڈینٹل کے پہلے بیچ کی کنووکیشن کا ہے۔ میں اس موقع پر ڈاکٹر سید علی محمد کے خواب کے پورا ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں۔ اس سارے عمل میں ہماری نبی اکرم ﷺ اور ان کے اہل بیت علیہم السلام کی مہربانیاں شاملِ حال ہیں۔ میں بقائی، سندھ اور لیاقت یونیورسٹیز کا بھی شکر گزار ہوں جن کے امتحانات پاس کر کے ہمارے طلباء وطالبات ڈاکٹرز بنے اور سرزمین میر پور خاص کے ہر اس شخص کا جس نے ہمارے کالجز اور ابن سینا یونیورسٹی کے قیام اور فروغ میں کردار ادا کیا اور راستے سے کانٹے ہٹائے۔

پروفیسر ڈاکٹر سید رضی محمد

چانسلر ابنِ سینا یونیورسٹی

صدر پامی (سندھ چیپٹر)

ایم بی بی ایس (ڈاؤ)، ایف آر سی ایس (ایڈنبرا)

ایف آر سی ایس (گلاسگو)، ڈپلومہ یورولوجی (یو سی ایل)

ماسٹر میڈیکل ایجوکیشن (ڈنڈی-UK)

INDEX

ARTICLE	NAME	PG#
PREFACE	Prof. Dr. Syed Razi Muhammad	01
The Islam And Medical Science	Muhammad Bilal	03
Qur'an As Reflected in Nahj-al-Balaghan	Syeda Barisha Zehra	05
Pious Love	Muhammad Qasim	06
A List Of Things You Don't Want Hear During Surgery	Qaiser Khan	07
Importance Of Hijab In Islam	Sana Sharif	07
Status Of Parents In Islam	Abid Aslam	08
The Power Of Love And Gratitude	Shahbaz Hussain	10
Concepts Of Civilization In Islam	Taimoor Malik	13
5 Things Of Adam Alaihis salam	Hafiz Muhammad Yousuf	15
Doctors (The Angles)	Muhammad Umar Noor	15
An Apple A Day, Keep A Doctor Away	Muhammad Taimur Ali	16
Famous Success Quotes	Sheikh Ahmad	17
Hope, Give Light	Arsalan Haider	18
Famous Quotes Hurts Me With Truth But Beaver Comfort Me With Life	Qaisar Khan	18
"What Is Confidence?"	Faiz Rasool	18
Reality of Life	Muzammil Javed	19
"Seven Foods That Flight Inflammation And Belly Fat"	Faiz Rasool	20
Positive Sayings	Dr. Haider Ali Pehlwani	21
9 Keys of Success	Saim Noman	21
Medical Facts About Human Body	Mahnoor Inam	22

INDEX

ARTICLE	NAME	PG#
What Will Matter	Zeenat Khan	22
“Quotes”	Shahbaz Hussain	23
Husband And Wife Dialogue	Hafiz Muhammad Yousuf	23
Voice Of Quran	Batool Zahra	24
Invisible Ink (For Secret Message)	Batool Zahra	24
Tumors Of The Human Society	Prof. Dr. G. R. Bhurgri	25
Friends & Friendship	Khalid Nawaz	25
Morals vs Ethics	Muhammad Qasim	26
Corruption In Pakistan	Prof. G. R. Bhurgri	28
Importance Of Extracurricular Activities	Zohaib Khawaja	29
“Don’t Disturb!!!!! I am Trying To Use My Zero Meter Brain.....	Shehnaz Zulfiqar	30
‘Sins’ And ‘Marcy Of ALLAH’	Hafiz Muhammad Yousuf	32
Two Hears	Aamir Riaz	32
My Mother	Ramla Fatima	32
Alone	Saira Hameed	32
Life Goes On, Life Goes On	Hafiz Muhammad Yousuf	33
Friend	Aisha Riaz	33
Funny Poems	Hira Bhambhro	33
Nothingness Enfolds Me	Hafiz Muhammad Yousuf	34
Pharmacology	Sundas Mehak	34
Experience Of Life	Hafiz Muhammad Yousuf	34
Depression “Poem”	Syeda Masooma	35
“Mom”	Hafiz Muhammad Yousuf	35

INDEX

ARTICLE	NAME	PG#
“How Can I Forgive You”	Anamta Rehman	35
My World Pakistan	Waleed Yousuf	36
Death	Hafiz Muhammad Yousuf	36
“ME”	Anamta Rehman	36
Student Life	Muzammil Javed	37
I Tried So Hard	Mohsin Maqsood	37
My Mask	Muhammad Irfan Jutt	37
“Cyclic Beauty Of Time”	Hafiz Muhammad Yousuf	38
The Last Lesson Of The Day	Qaiser Khan	39
A Doctor’s Prayer	Zainab Tariq	39
Father	Muhammad Irfan Jutt	40
Goodbye Dear MMC	Muhammad Shahzad Akram	40
Resurrection	Syed Aun Muhammad	40
Position Holders		42
Co-Curricular Activities		65
Photo Gallary		129

THE FIRST EVER UNIVERSITY OF MIRPURKHAS DIVISION

PREFACE

Syed Razi Muhammad
Chancellor Ibn-e-Sina University

This is special edition of Messiah is being taken out on this silver jubilee (25 years) of Muhammad Colleges and First Year of Ibn-e-Sina University.

Muhammad Medical College is not merely a teaching and training site of Medical subjects. It is an institution where 17-18 years old girls and boys come from all over Pakistan and spend 5 of their most impressionable character & personality building years. 90% of them stay in the hostels within the 40 acres campus of Muhammad Medical College. These students return back to their parents as mature men and women at the age of 22-23 years as doctors, most of them getting married soon. Hence the roles they face (Doctors, spouses, parents, responsible members of the society) are what we have to prepare them for. We take it as our responsibility to develop them as unbiased, deep thinking, confident, broad minded and God conscious people, who understand their responsibilities and others' rights. We make them mentally, psychologically and through our various sports grounds (separate for boys and girls), physically healthy too.

One of the greatest skills and rewards in life is developing relationships and building families. We inculcate these skills in our students and teach them how to develop new pious relationships. We teach them the importance of autonomy and consent. We train them so they are not scared to allow their children (and others depending upon them) to live their lives, guiding them, yet not forcing them. We teach them leadership and make them the role models for their families and patients. We teach them good values, altruism and empathy. We make them deep and critical thinkers and lifelong learners. We make them good citizens, good sons & daughters and good parents.

Our students understand the importance and value of science in their lives. Science is not merely a cognitive and technical procedure. It affects one's attitude and changes the personality. "Best evidence practice" is probably something that nearly everyone verbally agrees with. But it's not seen in many people's attitudes. Our students learn the value of empiricism and Best Evidence Practice.

Unfortunately we live in an era when lot of people living with in and outside Pakistan harbour a fire of hatred. There's a group of people who look at the negative sides only. Who can't accept the progress made by gls, women, a member of the minority group and so on. These are the people who just need someone raising an alarm against a member of one of the marginalised groups,

and their rage will surface. Before you know, a large group will be moving to kill, to bum and to destroy. everyone living in Pakistan can identify such people from those around them. They get angry if you talk about stopping the people from taking law in their hands, if you talk of missing people, if you talk of minorities' rights or if you talk of women's rights. If a girl wins an international recognition and prize, they start seeing conspiracy. They reserve all benefits of doubt for their people and deny the marginalised people any such privilege. Even if you don't live in Pakistan, you can see them on Facebook. Our students are trained not to be such narrow minded bigots. They will not sit on the fence either. They will actively work to keep themselves free of hatred, biases and bigotry, and will resist these cowardly acts at every level. "The darkest places in hell are reserved for those who maintain their neutrality in times of moral crisis."Dante Alighieri.

This edition of Mesiah is dedicated to the ex Chairperson of Muhammad Foundation Trust and my mother Mrs. Razia Ali Muhammad. She bravely fought against cancer for 5 long years and in the duration, got a daughter and a granddaughter married. No person has influenced me (or my brothers & sister) more than her. God promised (فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ) "You talk about me and I will talk about you". My parents lived the lives of God consciousness and now I regularly hear large number of people praising them on daily basis. Ammi always taught us how to live and love in happy, sad and difficult times. During her final years, she taught us how to leave this world with dignity and grace. She really taught me the meaning of true patience and endurance in those final days. Part of me has gone with her and part of her will live with me. I hope that her husband, parents and sisters will look after her better than we could. I am sure her Creator will certainly look after her. The world is not worth living without her. My eyes will never be seeing anything like her, my ears will never hear any voice like hers and my hands and lips will not touch anything so divine. But Insha Allah my soul will unite with her one day which is hopefully, not too far.

ایک مشفق گود میرا ابھی مقدر ہے رضی
زیست کے سفاک لمحوں سے جدا ہونے کے بعد

Thank you ammi for being my mother. You made me the richest and most fortunate person in the world. Thank you God for personifying love in the form of my ammi. (Please recite once Sura e Fateha and 3 times Sura e Ikhlas for her and my father's eesal e sawab.

THE ISLAM AND MEDICAL SCIENCE

Ever since the dawn of human life on this planet, man has always sought to understand nature, his own place in the scheme of creation and the purpose of life itself. In this quest for truth, spanning many centuries and diverse civilizations, organized religion has shaped human life and determined to a large extent, the course of history. While some religions have been based on books, claimed by their adherents to be divinely inspired, others have relied solely on human experience

The Qur'an is not a book of science but a book of 'signs', i.e. ayats. There are more than six thousand 'signs' in the Qur'an of which more than a thousand deal with science. We all know that many a times Science takes a 'U Turn'.

"Knowledge exists potentially in the human soul like the seed in the soil by learning the potential becomes actual"

Here are some proofs of the attitude of the religion of Islam towards education, Islam encourages and urges its followers to learn, read, write and do research learning and scientific thinking

1.The first verses revealed in the Holy Quran say (what means):

"Read in the name of the Lord, who created man from congealed blood."

This means that the first revealed word was "read". This reflects the importance of reading and learning according to Islam.

2. The Holy Quran is scientific in its approach and thus it gives Muslims an example of scientific objecting and the scientific approach. The Holy Quran often gives gives.

LIMITED EFFECT OF SCIENCE:

GIVES PROOFS TO ITS STATEMENTS.

Scientific findings and research do not always affect human life satisfactorily. For example, scientific research has shown that alcohol has a destructive influence on the brain, the digestive system, the heart and the nervous system. Everybody who drinks alcohol knows that alcohol is destructive to physical and mental health. Nevertheless, this scientific knowledge has not decreased the number of alcoholics. On the contrary, the number of alcoholics is increasing tremendously despite the findings of Science!

Science works successfully when it comes to the treatment of matter, but when it comes to human behavior, Science cannot do much. It cannot overcome bad customs, but a true religion can easily do that. In pre-Islamic times, people used to love wine, but when Islam prohibited drinking alcohol, wine was poured out on streets the moment the prohibition was declared. If a person fully submits to Allah, he obeys Him completely

MEDICINE
HONEY HAS HEALING PROPERTIES

The bee assimilates juices of various kinds of flowers and fruit and forms within its body the honey, which it stores in its cells of wax. Only a couple of centuries ago man came to know that honey comes from the belly of the bee

Ever since the dawn of human life on this planet, man has always sought to understand nature, his ownplace inthe scheme of creation and the purpose of life itself. In this quest for Truth, spanning many centuries and diverse civilizations, organized religion has shaped human life and determined to a large extent, the course of history. While some religions have been based on books, claimed by their adherents to be divinely inspired, others have relied solely on human experience

The Qur'an is not a book of science but a book of 'signs', i.e. ayats. There are more than six thousand 'signs' in the Qur'an of which more than a thousand deal with science. We all know that many a times Science takes a 'U-turn'.

"Knowledge exists potentially in the human soul like the seed in the soil by learning the potential becomes actual"

Here are some proofs of the attitude of the religion of Islam towards education, Islam encourages and urges its followers to learn, encourages and urges its followers to learn read, write and do research learning and scientific thinking.

1. The first verses revealed in the Holy Quran say (what means):

"Read in the name of the Lord, who created man from congealed blood."

This means that the first revealed word was "read". This reflects the importance ofreading and learning according to Islam.

2. The Holy Quran is scientific in its approach and thus it gives Muslims an example of scientific objectivity and the scientific approach. The Holy Quran often gives proofs to its statements.

Limited Effect of Science:

Scientific findings and research do not always affect human life satisfactorily. For example, scientific research has shown that alcohol has a destructive influence on the brain, the digestive system, the heart and the nervous system. Everybody who drinks alcohol knows that alcohol is destructive to physical and mental health. Nevertheless, this scientific knowledge has not decreased the number of alcoholics. On the contrary, the number of alcoholics is increasing tremendously despite the findings of Science!

Science works successfully when it comes to the treatment of matter, but when it comes to human behavior, Science cannot do much. It cannot overcome bad customs, but a true religion can easily do that. In pre-Islamic times, people used to love wine, but when Islam prohibited drinking alcohol, wine was poured out on streets the moment the prohibition was declared. If a person fully submits to Allah, he obeys Him completely.

The bee assimilates juices of various kinds of flowers and fruit and forms within its body the honey, which it stores in its cells of wax. Only a couple of centuries ago man came to know that honey comes from the belly of the bee. This fact was mentioned in the Qur'an 1,400 years ago in the following verse:

"There issues from within their bodies A drink of varying colours, wherein is healing for men." [AI-Qur'an 16:69)

We are now aware that honey has a healing property and also a mild antiseptic property. The Russians used honey to cover their wounds in World War II. The wound would retain moisture and would leave very little scar tissue. Due to the density of honey, no fungus or bacteria would grow in the wound.

OUR'AN AS REFLECTED IN NAHJ-AL-BALAGHAH

"The Qur"an as the True Light"

Syeda Bariha Zehra

One of the demonstrative manifestations of God is light.

God has likened himself to light saying. **"Allah is the light of the heavens and the earth"**

Sometimes the word of God is also described as "Light" for it is by means of light the man finds his way and is saved from wandering and getting lost. Since the most disastrous misguidance in the path of life is that which endanger the salvation of man, the real and true light is that which saves human beings from misguidance and clearly shows the true path of human perfection. In other words, it distinguishes the path of perfection and salvation from the path of degradation and deviation. God has described Qur'an as light, saymg,

"Certainly there has come to you a light from Allah and a manifest book".

As such by benefiting from it, you can distinguish the path of felicity and perdition. Hazrat Ali (A.S) thus says in sermon 189 while describing the Holy Qur'an, after describing Islam and Apostle (S);

"Then, Allah sent to him the book as a "L i g h t " w h o se fl a m e s c a n ' t b e extinguished, a "Lamp" whose gleam doesn't die, a "sea" whose depth can't be sounded".

In describing the Qur'an in this sermon by using an extremely beautiful similes, Hazrat Ali (A.S) want to acquaint the heart of Muslims with the greatness of Qur'an and draw their attention towards this magnificient divine asset which has been at their disposal. Initially Imam Ali (A.S) describes the Qur'an as a light whose flames can't die. Through a similitude of what is intelligible to what is perceptible, he says that the Qur'an is like the great source of electric energy that illuminates the high ways that are running in different direction in the darkeness of night through a network of powerful electric light. By installing traffic lights along crossroads, it distinguishes the way that leads to a specific destination from those other ways that end up in terrible abysses for those who want to arrive safely at their destination. The Qur'an also plays the same role in the religious or Islamic society with a difference, the flames emanating from this source of light and illuminating the path of salvation can never be extinguished as such the path of truth is always straight and illuminated and The Holy Qur'an and the glowing flames emanating from it continuously warn its followers to be careful and not deviate. In another part of sermon, he (A) says,

"The Qur'an is effulgence with which there is no darkeness"

This is because heavenly book has innate beacons which incessantly illuminate the path of guidance and felicity. It must be noted,however that is attaining salvation and felicity

in this world and hereafter, solving problems and establishing a progressive and at the same time Islamic religious society. God has endowed man with two means, viz; religion and intellect.

The Qur'an present the highways of human progress and perfection and an Islamic soiety is duty bound to pave the ground for the realization of the softly goal of The Qur'an by using the human intellect and scientific experience. Therefore, The Quran is not meant to address all the big and small problems in the life of man. It rather state the basic ways of achieving felicity and perfection and calls Muslims towards them.

PIOUS LOVE

"Pious feelings of a pious Muslim"

["ALLAH is the ONE, the heart is one and the heart belongs to the ONE" (Madda-Zhilluhum) (Who Says)

Muhammad Qasim

If you love me, don't confess your love to me through haraam (Unlawful) ways, this won't please me and will instead drive me away! Love games don't attract me. If you love me, have sabr (Patience) and I will knock on your door when the time is right.

Don't give me privileges which I don't deserve. Keep me away from you, and I will approach you. If you approach me, I will stay away from you. Don't love me, for I want you ignorant in love. I want to teach you love when the right time comes and when you will be mine, only when we are joined together under our Creator's satisfaction. Don't tell me what you feel, don't give me from your time, don't push me to lose you.

I am a man who does not want to see the one he loves committing sin sorto live a forbidden love behind her family's back. I don't want her to feel guilty and don't want her heart to suffer. Put me under limits that I won't cross, kill me inside you so I won't grow to kill you inside me. Preserve what is beautiful inside you. I want you innocent, chaste, pure. I want you my love, but with Allah's blessings and not satan's (evil) whisperings. And then, only then, I will face everything and will be ready to go through difficulties to get you.

Don't be easy because then, I may not value you. Don't love me now, so I won't hate you! My heart wants you and doesn't want to lose you. I don't want you to be just a passing fancy for me, I want you a wife, a lover, the mother of my children, I want you to be the one I will spend my whole life with. How could I be a faithful man to you when I try to break your chastity? How would I be faithful to you if I push you to betray your family? How could I trust a love which grew under Allah's wrath? To make you mine through niqah is Islam's way.

Till then wait patiently and do not dismay. To love you, means to protect you, To Love you is to bring you closer to Allah and his prophet (P.B.U.H.), and to preserve you, not to kill what is beautiful inside you.

I want you to be on such an esteem of character where **SYEDA FATIMA ZAHARA (R.A)** became pleased with you. I want our couple as one of the favorite couples

of **HAZARAT MUHAMMAD (S.A.W)**. This is only possible when we will follow the principals of **SHARIAT**.

"Vile women are for vile men, and vile men are for vile women; and good women are for good men, and good men are for good women. (AL-QURAN 24:26)

. Is this pious or not?
. Is this sensible or not?
. Is this atrue love or just afancy?
. Is SHARIAT attractive or not?

Its you to decide.....

A LIST OF THINGS YOU DON'T
WANT TO HEAR DURING SURGERY

Qaiser Khan

- Oops!!
- Has anyone seen my watch.
- Come back with that! bad dog.
- Wait a minute, this is his spleen, than what's that
- Damn there go the lights again.
- Every body stand back! I lost my contact lens!
- Fire fire! every one get out

IMPORTANCE OF HIJAB IN ISLAM

SANA SHARIF

Hijab is of the most important element of identity in the personality of Muslim women .Hijab is not a piece of cloth of your head. It is a way of life actually. If you think about it, hijab is the way u talk, the way u walk, the very way u carry yourself. Infact hijab is an attitude in itself. It's a whole way of life. Hijab literally m ean screen, certain, partition, or concealment. It mean to oneself from the view, Islam command a Muslim women to cover her completely so that she does no attract any attention. As Allah says in the holy Quran:

"O Prophet (PBUH)! Tell your wives and your daughters and the women of the believers to draw their cloak (veil) all over their bodies (i.e. screen themselves completely except the eyes or one eye to see the way) that will be better that they should be known (as free respectable women) so as not to be annoyed. And Allah is ever oft -forgiving, most merciful." [Al -Ahzab 33:59]

Muslim women are like diamond, even more important than diamond. Muslim women are the hidden precious pearls that Allah has created and hijab I veil is just to secure you from evil, it's not oppressing you, and it clearly shows that Muslim women have much more value and respect than the non - Muslim women.

It is well known that the Muslim women are a creature of modesty. As Allah's messenger (PBUH) said: "Allah is modest and covering. He loves modesty and privacy [Abu Daud,An

nassai, All bayhaqi, Ahmad]."Modesty is the quality love by Allah. Hijab of the Muslim women is indeed part of modesty .Modesty accompanies Eemaan (faith). That is why Allah's messenger (PBUH) said" Modesty is part of Eemaan and Eemaan is in paradise" Also "Eemaan and modesty are companions, ,when one goes away other one goes away." Look at the regard for modesty that our mother, Hazrat Aisha (R.A) possessed even in the presence of deceased, She said :"I used to enter the room where the messenger of Allah PBUH) and my father (Hazrat Abu Bakar (RA) were buried without having my garment on me saying its only my husband and father but when. Hazrat Umar bin Khattab (R.A) was later buried in the same place I did not enter the room except when I had my garment on."

How evil those women who expose themselves, a Let us ponder over the following ayat," **But who so ever turn away from my reminder (i.e. neither believes in the Quran nor acts upon its teachings) verily for him is a life hardship we shall raise hi m u p blin d on th e d ay of resurrection.[Surah Taha 20:124).**

Displaying one self is unlawful, further it is the quality of the most evil woman. According to statement of Allah's messenger (PBUH):" **Of the people of hell there are two whom have (never seen, the one possessing whips like the tail of ox and the flog people with them. The second the women who would be naked in spite of their being dressed, who are seduced to wrong (to wrong path) and seduced others their hair is high like the hump of camel these women would not enter paradise, nor will they smell its fragrance although its fragrance can be sensed from such and such a distance."**

STATUS OF PARENTS IN ISLAM

ABID ASLAM

It is very important to be kind to your parents, talk to them in a polite and respectful manner and being there for them when they need you the most. Disobeying them may lead you to hell.

Allah said in the quran-e-paak

"Show gratitude to me and to thy parents." (31:14)

We have enjoined on man kindness to his of parents."(46: 15)

"We have enjoined on man and woman (to be good) to his/her parents; show gratitude to me and to thy parents; to me is (thy final) Goal. If they (parents) strive to make thee join in worship with Me things of which though has no knowledge, obey them not; yet bear them company in this life with justice (and consideration) and follow the way of those who turn to Me (in love)" (31:14 15).

"Be kind to your parents. Whether one or both them attain old age in thy life, say not to them a word of contempt, nor repel them, but address them in terms of honor. And out of kindness, lower to them the wing of humility and say: "My Lord! Bestow on them thy mercy even as they cherished me in childhood." (17:23-24)

"Treat with kindness your parents and kindred and orphans and those in need." (2:83) among the parents, the status of the mother is three times higher than that of the father.

Quran says

"In travail upon travail did his mother bear him, and in years twain was his weaning." The prophet greatly stressed mothers' rights by saying

"Heaven is beneath the feet of mothers." Prophet Mohamad(PBUH) said:

"Every time a dutiful child looks with affection and respect towards his/her parents, God writes the reward of an approved Hajj (Pilgrimage) on behalf of that person." A man came to the Prophet and said, 'O Messenger of God! Who among the people is the most worthy of my good companionship? The Prophet said: Your mother. The man said, 'Then who?' The Prophet said: Then your mother. The man further asked, 'Then who?' The Prophet said: Then your mother. The man asked again, 'Then who?' The Prophet said: Then your father. (Bukhari, Muslim). The Prophet said that the most heinous sins of the world are:

To associate partners with Allah. To disobey parents.

To give false evidence.

Also, Prophet Mohamad (PBUH) said: "God's pleasure is in the pleasure of the father, and God's displeasure is in the displeasure of the father."

"He who wishes to enter Paradise through its best door must please his parents." "It is a pity that some people may not attain Paradise, on account of not serving their old parents."

"If a person looks with love at his parents, God writes in his favor the reward equal to the performance of one Hajj."

[Someone asked, "will this promise be good if one looks at his parents one hundred times a day?" The Holy Prophet (PBUH) replied, "even if one does so a hundred thousand times a day, God gives the reward accordingly."] "

A man or woman is bound to be good to his or her parents, even though they may have injured him orher."

Hazrat Ali (A.S.) said or her that, "disobedience to parents is a major sin." He also stated that, "if a person looks at the face of his or her parents with wrathful eyes, despite the fact that injustice was done to him or her by the parents, his or her salah (prayer) will not be accepted by God."

Haroon, in order to go to jannat, one need to please his/her parents. You should not disobey them since it is a major sin and like I mentioned before, even if you look at your parents with "wrathful eyes" then your prayers will not be accepted by Allah [even though it was them who treated you unustly]. So you should do good to them, even though they mig ht n ow always do good to you .

"Your Lord has decreed that you shall not worship except Him, and your parents shall be honored. As long as one or both of them live, you shall never say to them, "Uff' (the slightest gesture of annoyance), nor shall you shout at them; you shall treat them amicably. And lower for them the wings of humility, and kindness, and say, "My Lord, have mercy on them, for they have raised me from infancy." (17:23-24)

Prophet Muhammad is reported to have said: "On the Day of Judgment, my person will not be seen by those who drank liquor, those who on hearing my name did not invoke the blessings of God on me, or those who were cursed and disowned by their parents."

However, you don't have to obey them if they associate anyone else with Allah and are unbelievers
But if they strive with you to associate with Me that which you have no knowledge, then obey them not; Yet bear them company in this life in a recognized manner. And follow the way of those who tum to me. In the end the return of you all is to me, and I will tell you the truth of all you did." (31: 15

THE POWER OF LOVE * AND GRATITUDE *

SHAHBAZ HUSSAIN

The average human body is 70% water, which means that how we treat ourselves and others greatly depends on how we treat
the water inside us. Because we exist throughout our lives mostly on water, Dr. Emoto's numerous color photographs prove him right. Dr. Emoto believed for many years, long before he undertook his massive photographic and scientific experiments, that frozen ice crystals will form differently depending on how we treat the crystals. The crystals will express themselves in different ways if we are either kind and loving to the water or mean and cruel to it. Dr. Emoto believes that water outside our bodies will respond the same way we treat others from inside our bodies. To prove his theory, he built a special, enormous freezer where he froze water and looked at crystals. He found that each one came back unique depending on how the crystal reacted to his words, actions, music and writings.

The observation was done in various ways:

1. Observe the crystal of frozen water
2. after showing letters to water
3. Showing pictures to water
4. Playing music to water
5. Praying to water

He always observed beautiful crystals after giving good words, playing good music, and showing, playing, or offering pure prayer to water. On the other hand, he observed disfigured crystals in the opposite situation. Moreover, he never observed identical crystals.

Water and Words

When he and his laboratory assistant told water positive words the water turned into beautiful crystals. Images of crustal after showing "thank you, truth, peace and eternal" are as under accordingly

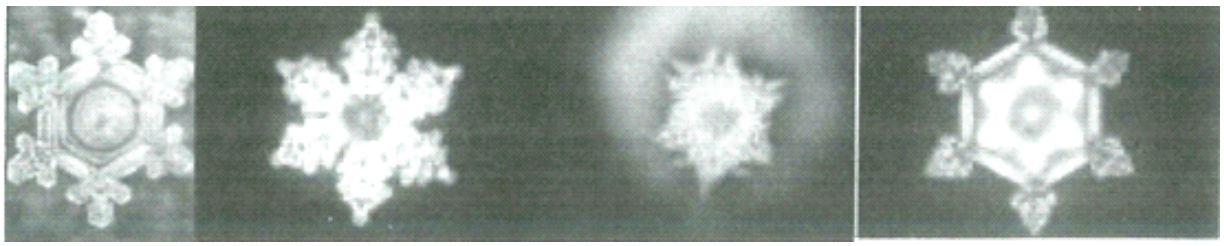

And the most amazing, when he and his told water "love and thanks," the water turned Assistant into beautiful crystals. How wonderful it will be if the water in our bodies becomes as beautiful as this one.

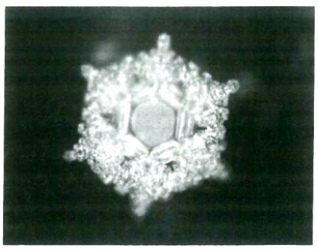

But water that was told "fool" produced uglywater. Images of crustal after showing "evil, u crystals similar to the heavy-metal exposed disgust me and fool" are as under accordingly

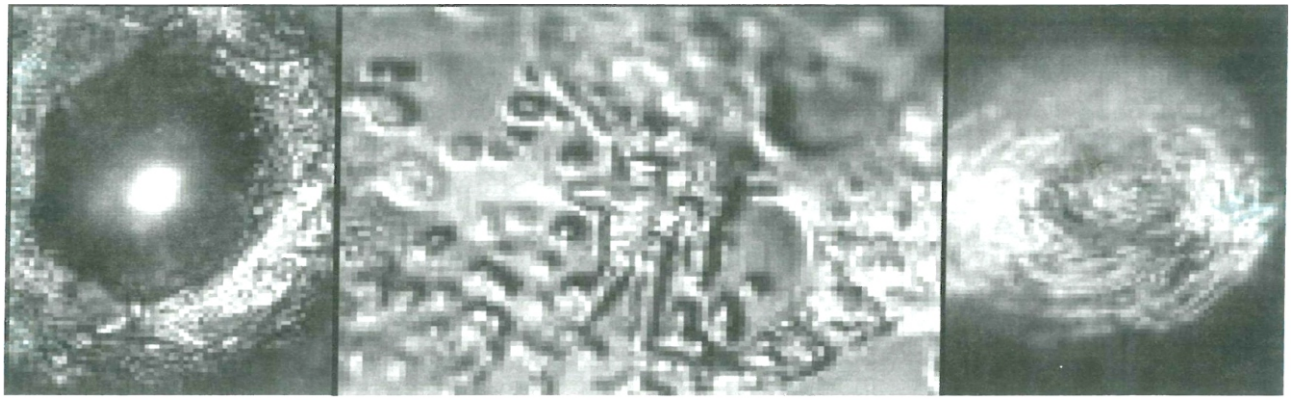

Dr. Emoto concludes that the manner we treat and communicate with others -"the vibration of good words" - has a positive effect on our world. He refers to it throughout his book as love and gratitude. When we treat water with love and gratitude, water reciprocates by giving back to us the most beautifully shaped crystals one has ever imagined.

Water and Picture

Picture of different sort do affect the water. When they showed the water a photo graph of an elephant, long trunk in middle of crystal appeared and when they showed a picture of heart, a cute heart appeared while showing the photo of Lotus the prettiness of crustal are vivid.

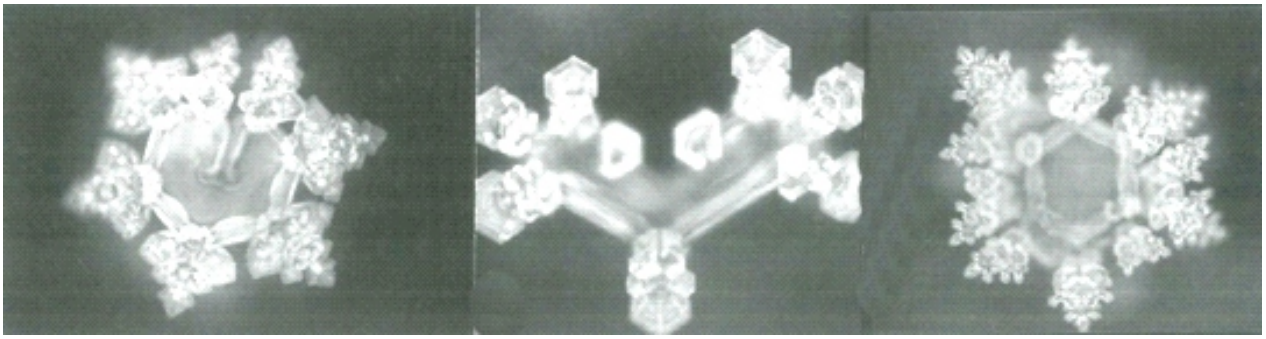

Water and Music

The song having the lyrics full of anger was played, the crystals has broken into pieces the

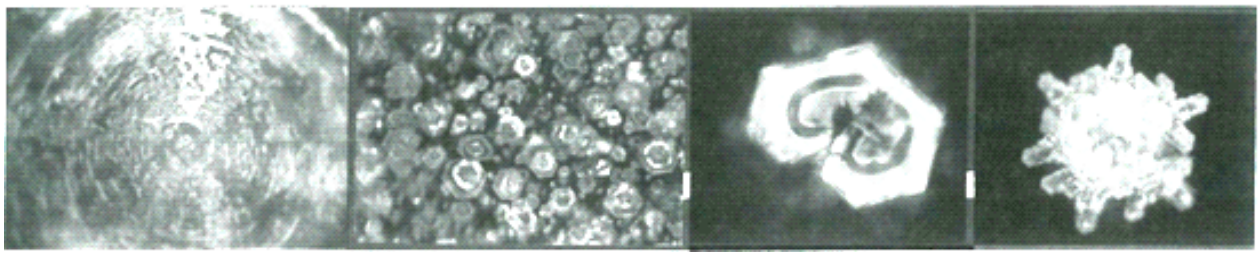

The water crystal photograph before experiment looks scary. They prayer by the lake for about one hour and the water becomes clearer right before their eyes the before and after prayer photographs are as under.

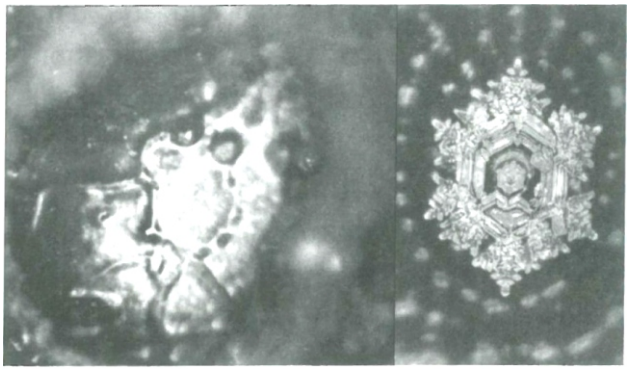

images for "heavy metal, fare well, Korean folk and Tibetian sutra" are as under accordingly.

Thus in short combination of non-resonating vibration can result in destructive energy, and nothing can be created out of it. When some vibration and the other, resonate /each other, it always creates beautiful design. Thus, most of the Earth is covered with beautiful nature. that is why scientists, philosophers, and religionists pursue for unknown facts. The more we abuse the earth and the more we pollute our oceans and streams, the more anger, hostilities and wars we bring on ourselves. The more love and gratitude we show our earth, our water and our fellow man, the more we will all live in peace and harmony, putting an end to senseless famine, killings, rapes and corruption. Water crystals are simply mirrors of our souls and conscience. Unless we treat the water within us with the respect and dignity it deserves, we will never be able to treat our earth and fellow man with the respect and dignity he or she deserves.

"Each one of us has the magical ability to change the world," Dr. Emoto writes. "We have all been granted the power of creation by God. If we use this power to the maximum, we will be able to change the world in but a moment." You can drink the purest water, but without a pure soul, the water will not taste good. Neither will the world unless we treat it wi th loved and gratitude.

CONCEPTS OF CIVILIZATION IN ISLAM

Taimoor Malik

Some of those who have written about the history of civilization define civilization as "a social system which helps man to increase his cultural output."

Civilization consists of four main elements: economical resources, political systems, moral traditions and science and arts. The development and progress of a civilization requires many factors such as geographical and economic factors, and psychological factors such as religion, language and education. The collapse of a civilization stems from factors which are the opposite of those which lead to its rise and development; the most important of these destructive factors include moral and intellectual decadence, lawlessness and breakdown of social systems, the spread of oppression and poverty, the spread of pessimism and apathy and the lack of competent and sincere leaders.

The story of civilization began when man first appeared, and it is a long chain which one civilized nation passes on to those who come after it. Civilization is not unique to any one land or race, rather it stems from the factors we have mentioned above. There is hardly any nation that has not written some of the pages of the history of civilization, but the thing that distinguishes one civilization from another is the strength of the foundation on which it is built, the great influence that it may have, and the benefits that humanity may enjoy as a result of its rise. The more universal a civilization is in its message, the more humanetly it is in its inclination, the more moral it is in its direction and the more realistic it is in its principles, the more lasting will be its impact on history, the longer it will endure and the more it will deserve to be honored.

Our civilization is a link in the chain of human civilizations; some civilizations came before it and others will follow. There were factors that contributed to the rise of our civilization, and there are reasons for its decline, but this is not the topic under discussion here. Rather, before we examine the wonders of this civilization, we should discuss the serious role that it played in the history of human progress and how much it contributed to the fields of belief, science, ethics, rule, art and literature, and how it had a lasting impact on humanity of all peoples and in all places.

The most important thing that attracts the attention of the one who studies our civilization is that it is distinguished by the following features:

1. It is based on a foundation of absolute oneness in belief. It was the first civilization that proclaimed the message of One God who has no partner or associate in His rule and dominion; He is the Only One who is worshipped and He is the Only One Who is Sought.

Allah Almighty Says what means: {It is you we worship and you we ask for help.} [Quran 1: 5]

He is the One Who honors and humiliates, who gives and withholds , and there is nothing

in the heavens or on earth that is not subject to His dominion and held in His grasp.

This sublime understanding of the concept of oneness has a great effect in raising the level of mankind and of liberating the masses from the oppression of kings, nobles, powerful men and the clergy; in reforming the relationship between rulers and subjects; in guiding people to Allah Alone, Who is the Creator of the universe and the Lord of the worlds. This belief also had a great effect on Islamic civilization which is virtually unique among all civilizations before or since in that it is free from all forms of idolatry and of idolatrous literature and philosophy in its beliefs, rule, art, poetry and literature. This is the reason why Islamic civilization refrained from translating the Iliad and the best of idolatrous ·Greek literature. It is also the reason why Islamic civilization fell short in some of the arts of sculpture and image-making, despite its prominence in the arts of inscription, engraving and architectural adornment. Islam, which declared war on idolatry and its manifestations, did not perm it any expressions or relics of idolatry from ancient times to exist in its civilization, such as statues of great men, righteous men, Prophets or conquerors. Statues are one of the most prominent features of ancient and modem civilizations, because none of them took belief in oneness to the extent that Islamic civilization did.

This belief in oneness has an impact on all the foundations and systems produced by our civilization. So there i unity in its message, unity in its legislation, unity in its general aims, unity in humanity in general, unity in the way of life and pattern of thinking. Researchers studying the Islamic arts have noticed a unity of style and taste in different kinds of art, so that a piece of Andalusian ivory, a piece of Egyptian textile, a piece of Syrian pottery and a piece of Iranian metalwork, despite the differences in their forms and ornamentation, all have the same style and character.

2. The second of the characteristics of our civilization is that it is human in its inclinations and objectives, universal in its ambition and message.

The Quran declared the oneness of mankind despite the differences in their races, places of origin and abodes.

Allah Says (what means): {O mankind, indeed We have created you from male and female and made you peoples and tribes that you may know one another. Indeed, the most noble of you in the sight of Allah is the most righteous of you. Indeed, Allah is Knowing and Acquainted.} [Quran 49: 13].

When the Quran declared this universal oneness of mankind with regard to truth, goodness and dignity, it made its civilization the factor that brought together all the brilliant minds of all nations and peoples over whom the banner of Islam flew. Hence, whilst every civilization may be able to boast of its brilliant sons of one nationality, only Islamic civilization can boast of the brilliant minds from all nations and peoples who built it. For Abu Haneefah, Maalik, Ash-Shaafi' i, Ahmad, Al - Khaleel Sibawayh, Al-Kind-i, Al Ghazaali, Al-Faraabi, Ibn Rushd and their like were all of different origins but they were among the brilliant minds through whom Islamic civilization gave to humanity the marvelous intellectual products of sound

human thought.

3. The third of the characteristics of our civilization is the way in which it gave prominence to moral principles in all its systems and fields of activity, and never abandoned these principles or used them as means of benefitting a state, a group or an individual. In ruling, in science, in legislation, in war, in peace, in economy, in the family; it paid attention to these moral principles in legislation and in implementation of laws. In this field it reached a high level that has never been attained by any civilization before or The Islamic civilization left behind a legacy in that field which deserves to be admired for it alone, among all civilizations, guaranteed the happiness of man in the purest sense, not contaminated with any misery.

5 THINGS OF ADAM ALAIHIS SALAM

Hafiz Muhammad Yousuf

Muhammad ibn al-Duri said, of Iblis
The damnation of lblis was due to five things:

- He did not acknowledge his sin
- He did not regret it
- He did not blame himself
- He did not resolve to repent and
- He lost hope in the mercy of Allah.

The salvation of Adam was due to five things:

- He acknowledged his sin
- He regretted it
- He blamed himself
- He hastened to repent and
- He did not lose hope in the mercy of Allah.

(Hafiz ibn e hajr's book "preparation for the day of Judgment)

M. VMAR NOOR

DOCTORS THE ANGLES

The human life on the earth is full of pleasures and sorrows, ups and downs, strength and weakness and health and illness like day and night these happenings are inherent in everyone's life cycle. But it is silver lining that there are noble people who work all their lives to mitigate the sufferings of the others. Among them, the profession of doctors is perhaps most respected for service to the society.

A doctor dedicates his life to the service of the patients. He or she relieves the sufferings and



pain of mankind. He cures them from disease and illness. He strives to make the life of others better and healthier.

The doctor works to prevent spread of the epidemics. dangerous diseases grab the humanity. It is the doctor

who finds the cure. Sometimes it may take years of painstaking work and research to find the cure, but ultimately the success is achieved.

As a result we find that the fields of medicine and surgery have advanced beyond imagination. A damaged organ can be transplanted, in today's medically advanced world.

Besides allopathic systems of medicines, there are doctors who practice Ayurvedic, Unani and Homeopathic system of medicine Innovative practices of treatment, like the Chinese acupuncture and acupressure, yoga, Nature cure etc. have also gained popularity in The country.

The doctors practicing traditional systems are locally available and often called 'barefoot doctors'. There is a revived interest in these systems of treatment and many allopathic doctors combine their treatment with traditional methods like yoga, nature cure and Ayurveda. The whole purpose is to serve the mankind and remove the pain and sufferings of patients. In this respect, the society is indebted to the profession of doctors.

A doctor's life is hard. Often, he has to visit the patient at off hours foregoing his rest, sleep and even food. Sometimes the doctor has to work throughout the day and night attending to serious patients or victims of war, epidemic o r major accident. He has to always treat his patients with a smile and cheer. He motivates and encourages sick person. He is a source of hope and strength. Even in distress, his duty is first towards his patient. Always remembering the famous Hippocratic oath, he pledges his life in alleviating the sufferings of the patients.

Muhammad Taimur Ali

" An Apple a day, Keep the Doctor Away"

It's one of the most recognizable expressions around:

"An apple a day keeps the doctor away."

L et 's consider some of the apple 's components and their effect on our health:

Pectin -- Pectin is a form of soluble fiber than lowers both blood pressure and glucose levels. It can also lower the levels of LDL, or "bad" cholesterol in the body. Pectin, like other forms of fiber, helps maintain the health of the digestive system. Apples are an excellent source of pectin.

Boron -- A nutrient found in abundance in apples, boron supports strong bones and a healthy brain.

Quercetin -- A flavonoid, this nutrient shows promise for reducing the risk of various cancers, including cancers in the lungs and breast. It may also reduce free radical damage. Free radicals develop when atoms in the body's cells have unpaired electrons, which can lead to damage to different parts of the cell ,includein g DNA. Quercetin may neutralize free radical damage, which has been implicated in a variety of age-related health problems, including Alzheimer's disease.

Vitamin C - Vitamin C boosts immunity,

which helps to maintain overall health. Phytonutrients -- Apples are rich in a variety of phytonutrients, including vitamins A and E and beta carotene. These compounds fight damage from free radicals and can have a profound affect on health, including reducing the risk of heart disease, diabetes and asthma.

Some Other Points:

Apples also act as a toothbrush, cleaning teeth and killing bacteria in the mouth, which may reduce the risk of tooth decay.

An apple a day can reduce the risk of diabetes, high blood pressure and many types of cancer. They're also low in calorie density, one of the trademarks of a healthy food. When a food is low in calorie density you can eat good size portions of the food for relatively few Calories.

FAMOUS SUCCESS QUOTES

Shaikh Ahmad Ali

1. "If you don't build your dream, someone else will hire you to help them build theirs."
2. "The first step toward success is taken when you refuse to be a captive of the environment in which you first find yourself."
3. "When I dare to be powerful -to use my strength in the service of my vision, then it becomes less and less important whether I am afraid."
4. "I have not failed. I'vejust found 10,000 ways that won't work."
5. "If you don't value your time, neither will others. Stop giving away your time and talents. Value what you know & start charging for It."
6. "A successful man is one who can lay a firm foundation with the bricks others have thrown at him."
8. "No one can make you feel inferior without your consent."
9. "The difference between a successful person and others is not a lack of strength, not a lack of knowledge, but rather a lack of will.
10. "Success is about creating benefit for all and enjoying the process. If you focus on this & adopt this definition, success is yours."
11. Most things that we thinks are impossible in life, is because we have never tried them, so go for every dream and opportunity before making ajudgment.
12. The man who chases two rabbits, Catches none.

* HOPE ' GIVE LIGHT *

Arsalan Haider

Four candles were talking to each other.
1st: I am 'PEACE', no one needs me and it went off.....
2nd: I am 'FAITH', nobody believes in me and it went off.....
3rd: I am 'LOVE', nobody cares for me and it went off.....
4th: I am light the other three because I am 'HOPE'
and I last forever.....
"Life is tough but let never lose hope"

FAVORITE QUOTES HURTS ME WI TH TRUTH BUT BEAVER COMFORT ME WITH LIFE

Qaisar Khan

1. Failure is st step to successes
2. Where there is life there is hope.
3. Life is a series of sorrows
4. Book and friend should be few but good.
5. Justice hurried is justice buried.
6. Better is safe than sorry.
7. Lean walk before you run.
8. There is no rise rose without a thorn.
9. Laugh and the world laughs with You, weep and you will weep alone

" WHAT IS CONFIDANCE ?"

Faiz Rasool

'What is confidence?
10 boys decided to propose a girl... 9 boys came with roses..
1 boy came with "MOLVI"
This is confidence ;-)

* RELATIVE LIFE *

Muhammad Muzammil Javed

Life is the name of purpose, struggle, love, dedication and a number of feelings and emotions. Life shows its true colors with time. It depends upon you that how you look towards life and what is your strategy of leading an ideal life.

Life takes a number of turns during its whole span. Life may not be kind to you all the times. There are tough times which really test your courage and your capabilities of facing unfavorable situations. How well you tackle these adverse conditions prove your credibility. People who just close their eyes to avoid facing the hardships of life are coward. They do not have courage and stamina to stand firm in front of life's demon. Remember that nothing can be done without trying without striving hard to get yourself out of the trouble, without facing the situations. Such incidents in life improve your approach towards destiny. These incidents may entirely change one's life (in some cases). These make your thinking a bit more rational. If there were no such thrills in life, it would be quite boring and monotonous. These incidents make you strong nerved person. In other words, life tests you all the time.

Life is different from a teacher because teacher teaches a lesson and takes the exam but life takes exam first and then teaches a lesson."

When you are in love, life changes its meanings, priorities and requirements. Life seems to be confined within the kingdom of your loved one's heart. Life is a gift of God and to love and being loved is the best feeling in life which has no parallel. Everyone wishes to live a blissful life with his/her life partner. Life can be blissful only if you know each other, understand well and stand for each other through bad times.

Do not waste your life. Life should have some purpose. Identify your aim, head towards your destiny and spend your entire life in achieving your goals. This is what we call life. It is a wise saying that time waits for no one. Once it is spent, it is gone. We've got to be wise in choosing our priorities so as not to waste any of our precious time. Keep on trying to get your goals and don't lose hope. It is said by Paulo Coelho:

"When you want something, the entire universe conspires in helping you to achieve it."

Life is worthless without hope. Hope is the key element in life which never lets you down and keeps your morals high. Always be optimistic and have faith in God. Everything happens for a reason. Sometimes a slight inconvenience makes us to think that we are unfortunate, life is cruel etc but this is not the reality. Spread optimism instead of pessimism. It will light up your life positively. Remember that:

"The darkest hour of night comes just before the dawn."

The inspiration of life is to serve mankind.

Spread happiness and you will be blessed!!

✻ "SEVEN FOODS THAT FIGHT INFLAMMATION FIND BELLY FAT" ✻

Faiz Rasool

When eaten on a regular basis, foods with anti-inflammatory properties can help reduce inflammation in the body, helping to prevent the long-term health consequences associated with it -but only if you also eliminate the foods that cause inflammation.

When inflammation is under control, not only will you have more energy and feel better overall, but you'll also find that weight loss and reduction of belly fat both become easier! Try adding anti-inflammatory foods into your meal plan on a daily basis. The more often you eat these foods, the less inflammation that will be present in your body. The following foods and nutrients can fight inflammation:

1. Fruits and vegetables

All fruits and vegetables, due to their rich nutrient and fiber content, help to combat chronic inflammation, so make sure to include adequate amounts of these foods daily. Some types of fresh fruits, however, are even more potent than others.

Some terrific anti-inflammatory fruits and vegetables to include in your meal plan include apples, berries, broccoli, mushrooms, papaya, pineapple, and spinach.

2. Green Tea This mild beverage is great for helping shrink your waist line as well as for decreasing inflammation. The flavonoids in this tea have natural anti-inflammatory properties. And the compound EGCG in green tea has been shown to help reduce body fat.

3. Monounsaturated fats

These heart-healthy fats help raise your healthy HDL cholesterol levels and reduce overall inflammation. Great sources include olive oil, almonds, and avocado.

4. Omega-3 fatty acids

Research has shown that a diet with a high percentage of omega-3 fatty acids and a low percentage of omega-6 fatty acids has been linked with decreased inflammation. Food sources of omega-3s include walnuts, flaxseed and fish.

5.Spices

Certain spices, including garlic, turmeric, cinnamon, ginger, and chili peppers, have potent inflammation-reducing capabilities, so try adding them to meals as often as possible.

6. Water

Staying hydrated is essential to flushing inflammation-causing toxins out of your body. Aim for 64 ounces of water per day. Remember: Add an additional 8 ounces of water for every 30 minutes of exercise as well.

7. Whole grains Rich in fiber, whole grains help control the insulin response in your body. The high vitamin B content of whole grains also helps reduce the Inflammatory hormone homo cystine in the body.

POSITIVE SAYINGS

Hyder Ali Pehilwani

•Speak fine lines to yourself every morning:

1) I am the best
2) I can do it
3) Allah is always with me
4) l am a winner
5) Today is my day

•I have learned to give, not because I have too much, but because I have known the feeling of not having.

If you love a flower, don't pick it up, because if you pick it up it dies and it ceases to be
what you love. So if you love a flower, let it be. Love is not about possession. Love is about appreciation.

•When nails grow long, we cut nails, not fingers . S i m i l a r l y w h e n misunderstandings grow up cut your ego, not your relationship.

•The problem with the world is that the intelligent people are full of doubt while the stupid are full of confidence.

•Winners are not those who never fail, but those who never quit!

•Two things to remember in life:

"Take care of your thoughts when you are alone."

"Take care of your words when you are with people."

"I don't live wither with my past or my future. I'm interested only in the present. If you can concentrate always on the present, you'll be happy man. Life will be a party for you, a grand festival, because life is the moment we are living now."

9 KEYS OF SUCCESS

Saim Nouman

1. Believe while others are Doubting.
2. Plan while others are Playing.
3. Study while others are Sleeping.
4. Decide while others are Delaying.
5. Begin while others are Procrastinating
6. Smile while others are Frowing.
7. Comment while others are Criticizing.
8. Persist while others are Quitting.
9. Work while others are Wishing.

MEDICAL FACTS ABOUT HUMAN BODY

Mahnoor Inam

1) In one square inch of our hand we have 9 feet blood vessels, 600 pair sensors, 9000 nerve endings, 36 heat sensors, and 75 pressure sensors.
2) Its believed that the main purpose of Eyebrows is to keep sweat out of eyes.
3) When you sneeze all your body functions stops even heart
4) Nail and corneas of eyes are the only 2 tissues in the body that don't receive oxygen from blood
5) The sense of taste is the weakest of 5 Senses
6) At birth everyone is colour blind
7) For every pound of fat gained, you add 7 miles of new blood vessels
8) Humans lips have a reddish colour because of great concentration of tiny capillaries just below the skin
9) The colder the room you sleep in, the bitter chance are that you will have a bad dream.
10) Your body gives of enough heat in 30 minutes to bring half a gallon of water to boil

WHAT WILL MATTER.....?

Zeenat Khan

I .Ready or not, it will all come to an end .there will be no more sunrise, no minutes, hours or days. All the things you collected whether treasured are forgotten, will pass to someone else. Your wealth, power, fame and temporal power, will shrivel to irrelevance.

It will not matter what you owned or what you were owed. Your grudges, resentments frustrations and jealousies will finally Disappear. So too your hopes, ambitions, plans and to do lists will expire. The wins and losses that once seemed so important Will fade away, it won't matter where you came from or what side of the track you live on at the end.

2.It won't matter whether you were beautify! or brilliant. Even your gender and skin color will be irrelevant. So what will Matter? How will the value of your days be measured, what will matter is not what you bought, but what you built, not what you got

But what you gave. What will matter is not what you learnt but what you taught,what will matter is every act of integrity, compassion, courage or sacrifice that enriched, empowered or encouraged others to emulate your example.

3.What will matter is not your competence but your character, what will matter is not how you knew but now many will feel a

Lasting loss when you are gone, what will matter is not your memories but the memories that lives in those who loved you, but
Will matter is how long you will remembered by whom and for what.....?

Living a life that matter does not happen by accident, it is not a matter of circumstances but a choice....
Choose to live a life that matters.

QUOTES

Shahbaz Hussain

•Three grand essentials to happiness in this life are something to do something to love, and something to hope for.

•Sunday clears away the rust of the whole Week

•Our real blessings often appear to us in the shape of pains , losses and disappointments; but let us have patience and we soon shall see them in their proper figures.

•It is only imperfection that complains of what is imperfect. The more perfect ware the more gentle and quiet we become towards the defects of others.

Every situation has changed me as a person.

•A book may be compared to your neighbor: if it be good, it cannot last too long; if bad, you cannot get rid of it too early.

•We always love those who admire us; we do not always love those whom we admire.

HUSBAND AND WIFE DIALOGUE ---

Hafiz Muhammad Yousuf

The husband: did you pray' Asr prayer?
The wife: No!
The husband: Why?
The wife: I just arrived from work and I am a bit tired, I will go to sleep.
The husband: Ok, Go pray' Asr and Maghrib before the At han for Isha prayer starts.
The next day, as usual, the husband went on a business trip which would last for days.
He left the house.
After few hours he arrived at his destination.
The wife waited for his call as usual.
He didn't call or inbox her. She phoned him but no reply!
She became irritated and worried about him.
She called again and again but no reply!
After few hours he called her.
The wife: are you ok, honey?
The husband: yes, I am ok,Alhamdulillah.
The wife: when did you arrive?
The husband: four hours now.
The wife (surprised): FOUR hours!!! but you didn't call !!!
The husband: I arrived a bit tired and I went to sleep.
The wife: You could have called me. It

wouldn't have taken more than few minutes. Didn't you hear the phone ringing?

The husband: Yes, I did.

The wife: why didn't you answer the Phone? Didn't you care?

The husband (silent): But yesterday you also didn't care when you heard the Adhan a call from ALLAH?

Living a life that matter does not happen by accident, it is not a matter of circumstances but a choice....

Choose to live a life that matters.

VOICE OF QURAN

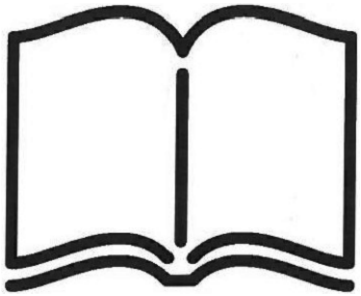

Batool Zahra

1. I am the book in elegant prints to know my name here are some hints,
2. Rich in love and nicely bound, In hearts of Muslim, i am found.
3. High on a shaft I am kept, Teacher I am the best.
4. With respect, i do get lots of kisses, My Main point is what they always miss
5. In a melodious voice they recite me, Neglecting the message inside me.
6. Amiracle I am that can change the world, Every one has to understand my word.
7. I am your savior, I am your guide, But who's there to follow and abide
8. Right from wrong is my fame, Holly Quran is my name

INVISIBLE INK (FOR SECRET MESSAGE)

Batool Zahra

First dissolve a lemon in water and dip cotton swab into it. Then use the swab to write on ordinary white paper. When it dries the writing will be invisible. When u want to read the message, heat the paper by holding it near a candle. You will see the words appear on the page in black colour.

how it happen; it happens because juice of lemon contain carbon compound.

TUMORS OF THE HUMAN SOCIETY

Prof. Dr. GR Bhurgri (Dpt. Of Pharmacology)

Terrorism is the most fetal emerging tumor of the human society .it has affected every part of the world, comprising majority of the world comprising majority of countries, which are dictating this world. Publicly, strategically and economically .suicide attacks are the most lethal weapon of the terrorists against which no preventive measure has been adopted yet Actually we are not to treat this tumor in the right way. Application of power and more power is not right methodology. We need to understand the root causes of terrorism, in other word to eliminate tumor necrosis Factors.

INJUSTICE, ECONOMIC, & SOCIAL INEQUALITY STRESS, AGGRESSION, POVERTY, IGNORANCE & CRUELTY, are the tumor necrosis factor and the root causes of terrorism.

We need to abolish these factors if we want to eliminate terrorism from this sphere. Where our world become free from these evils growth of this tumor will automatically be suppressed. But if we go on investing it with power, result will be disastrous.

Friends & Friendship

Khalid Nawaz

You can always tell areal friend: when you've made a fool of yourself, he doesn't feel you've done a permanent job. (Laurence J. Peter)

A lot of people go through life with only a few friends. It seems that some have less than that. They have no one on whom they can call in good times or bad. There is no one with whom to bounce ideas around, or to talk about deep and troubling subjects. They have no one to call in times of need or difficulty. They are at the mercy of life, standing alone. Others seem to have a multitude of friends. Wherever they go, people know them, and like to be around them. Should trouble strike, their biggest hesitation might be over which

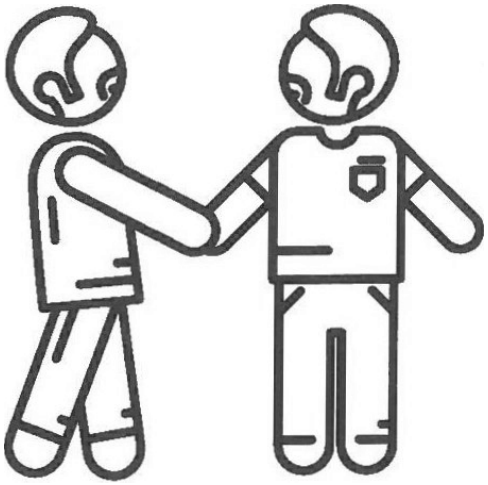

friend to call. They know exactly the person with whom to discuss the topics of inquiry and debate. Life is full of entertaining and invigorating relationships because it is full of friends.

There ought to be a course in school on friendship. Of course, some people are perfectly happy to operate with fewer friends. They might rather have a few deep and loyal friends, than many superficial ones. Others thrive best when friends are every where and

FRIENDS AND FRIENDSHIP BY KHALID NAWAZ

numerous. It is not so much the number of friends that is important as is the possession of friends, period.

Friendship is a blessing, and a friend is the channel through whom great emotional, Spiritual, and sometimes even physical world blessings flow. Friends can cheer us when we're sorrowful or depressed. Friends can challenge us when we allow ourselves to get beyond our reasonable boundaries. Friends can motivate us when we're ready to give in, and they can provide for us when life falls apart. They are there when all is well, and we want someone with whom to share life's pleasant and memorable moments. We often just want them around to have a good time, to laugh, to act silly, to enjoy some mutually liked activity. In how many ways have friends enriched our lives and made us feel loved, accepted, respected and cared for? Probably, too many to list, and the list grows daily. It is safe to say that when God created the world and all the majestic things in it, when he streaked the heavens with radiant color and the earth with grand mountains and awe inspiring canyons, when he painted the plains with waving grasses and erected noble forests of towering trees, he outdid it all by creating friends. Why not take a moment or two and thank someone today for being a friend to You?

May God bless you with all the friends you need, and may he turn you into a blessing by using you as a friend to others.

MORALS VS ETHICS

Rana M. Qasim

We often hear people speak of morals, ethics and values. But what do all these words mean. Morals vs ethics is an interesting debate that can put a person deep into thought. It is impossible to say which is the better school thought, but there is a fine difference that helps one decide for them se1ves. Philosophers have often tried to lay down distinct line inthe morals vs. ethics debate, but this is still an area of thought that produces conflicting views in the minds of many people. The conflict arises as a result of different schools of thought, and very few people manage to understand the subtlety that goes into differentiating morals and ethics from one another.

To many people, morals and ethics seem like one and the same thing. To them it simply means a system of principles that can be applied in order to tell, right from wrong. But as one delves further into this subject of of philosophy, the fine differences between morals and ethics start becoming clearer. It is the context in which one applies these values and principles, that the real difference between morals and ethics becomes apparent.

Difference Between Morals and Ethics:

The main difference that must be considered in this situation is that ethics are about the behavior about a collection of people, whereas morals are highly individualistic and personal in nature. Morals arise more as a set of rules passed down by society that we must conform to, in order to be accepted by the civilized strata of society. For instance, we are

taught not to lie, steal, murder and commit acts of debauchery since our childhood. Following these principles would qualify a human being as moral, and if the individual does not follow these rules he is viewed as an immoral person.

The choice ultimately lies in the hands of the individual. If he chooses to be immoral he will be castigated by society and will have to suffer the consequences of his actions. There is no right or wrong; only the consequences of actions. And society is trained to punish and reprimand an immoral man, because that's the way it has always been.

Now, this is not relevant to this debate, so let us see what ethics really implies. Ethics can be said to be a set of principles and beliefs that you choose to live by. But nobody says that one set of ethics is better than the other. There is no right or wrong in ethics, because society itself is confused in this regard. Some large profitable companies employ unethical means like fraud, polluting the environment and paying low wages to their laborers. This is wrong but not illegal, because the company's ethics demands that the workers work as hard as possible, and the organization reduces costs as far as they can.

Ethics Are Collective:

Ethics are usually used to denote the behavior of a group that the individual belongs to. It can be an organization, a Government, a country, a political party or a group of mercenaries. The point is that they all live within a certain code of conduct that they are not allowed to breach.

Within that code of conduct, anything goes.

Jotting down differences between morals and ethics makes us think about which is superior, and the truth is that collective ethics override personal morals many times.

Countries go to war with each other and kill millions of innocent people because it is unethical (in the Government's view) for the people of that nation to stock weapons of mass destruction. The morals of the President of that country may discourage him from killing someone with his bare hands, but his ethics give him the power to bomb thousands of homes from above. This in spite of the fact that their country is the only one in the history of the world to have ever used these weapons of mass destruction on others twice.

Power of Ethics:

This brings us to the real cause of the debate. Morals can be breached, and an individual will be punished. Ethics can be stretched to accommodate more harmful doings, because ethics are ultimately created by those who have the power to wield it. What was unethical ten years ago, may be ethical today because it benefits the people in power. Morality is something that is nurtured since childhood and clearly states what is right and what is wrong. Ethics are much more accommodating. Morality vs. ethics always confuses us about the right thing to do and the right things to say, but we are inevitably always swayed by those in power.

Understanding the differences between both is not something that can be done without a deep study of history, politics and religion. Philosophers have come out with a lot of preaching about morals and ethics, but the truth is still something that is shrouded in Mystery.

CORRUPTION IN PAKISTAN

Prof. Dr. G R Bhurgri
(Dpt. Of Pharmacology)



Corruption has become synonymous with existing system and is pushing our nation to a dead end. Favoritism, nepotism, misappropriation of public fund, bad debts and misuse of power are on the rise. Corruption has gained roots in our society because of wrong decisions and weak policies of the successive governments. The agencies responsible for checking corruption have completely failed in their mission. Thus accountability seems non-existent. First of all we must define the corruption. Apparently, it would look like suspicious financial transaction alone. But that is too narrow view. Corruption today has become away of life and it encompasses the ideological, moral and ethical values of society. It has become a part of our culture. Think about eve1yone else who is engaging in corruption .If we don't do the same thing, will not it be to our loss? If a thousand people are engaging in corruption, the one who doesn't is only hurting himself. Corruption is a series of developed reactions to the same situation that has strengthened with time and repetition .

According to Novak,

"Built upon the desire to prevail are all other forms of corruption. Degrading others or their realities or property makes it easier to prevail. Gaining lying stifles the competing influence of others".

In this scenario, there IS no room for cooperation, fair play and justice. It is all about who is better ,powerful, influential and dominating than the others and also about how you use your advantages to subdue your opponent by talking away his or her assets.

While addressing to the constituent assembly of Pakistan, Quaid-e-Azam said, "One of the biggest curses from which India is suffering is bribery and corruption that really is a poison. We must put that down with an iron hand".

His words were not directed at any particular group. He foresaw corruption as a deadly virus, a poison which could sap the very foundation of a state and lay it open to all kinds of dangers.

According to Novak,

"Acquiring power is the purpose of corruption, since power is needed to prevail over other persons. When succeeding, power is acquired, and its desirability causes the behavior to be repeated".

The positive rewards are the acquisition of wealth, power and dominance. The act of corruption thus becomes so automatic in the human brain that it escapes the awareness of the perpetrator of corruption. Corruption in

Stable governments are essential to prevail justice and to uproot corruption. It is multi-faceted problem so it should be countered on all possible fronts with sincerity. We must reform ourselves. Only proper planning and strictly implemented policies with public support can put halt to this growing menace.

IMPORTANT OF EXTRACURRICULAR ACTIVITIES

Zohaib Khawaja

Many parents and students do not understand the importance of extra-curricular activities. Over the years I have had to persuade a number of parents to allow their children continue participating in extra-curricular activities, because they left that these Activities distracted their offspring from their academic work. This scenario tended to unfold either when a student was struggling academically or when the student wanted to focus totally on academics, to the exclusion of everything else. The felt that extra-curricular involvement was a waste of precious time and that it caused their children to get home too late in the evening.

Nothing could be further from the truth than this notion of wasting time. Academic subjects and extra-curricular activities complement each other and develop a well-rounded, socially skilled, and healthier student. There are so many possible extra-curricular activities that each student can choose one that appeals to him or her personally. Activities range from athletics, various sports, scouts, girl guides, debating, music and chess to paramilitary groups like the cadets. This list is not even exhaustive.

Some students choose more than one pursuit.

Extra-curricular activities help to develop the Whole student. We cannot just produce one dimensional students in our schools. Many students use their skills in extra-curricular to activities like athletics or sports and their academic ability to gain athletic or sports scholarships tovarious universities. Students who are involved in extra-curricular pursuits tend to improve their academic grades as well. This may be due to increased self-esteem, motivation and better time management. They become better organized in the classroom. They demonstrate a reduction of at-risk behavior and a heightened sense of belonging, resulting in better behavior.

They learn useful new skills from their chosen activity, and in integrating these activities into their everyday school lives, they learn time management, critical thinking, teamwork and social skills. They develop life-long relationships with their peers and learn how to lead others. These skills will be beneficial in later life and in the workplace. Extra-curricular activities also foster a sense , of commitment to a cause or purpose and they reduce selfish behavior. Students become more marketable in the workplace. Through the avenue of extra-curricular activities students find it much easier to gain

admission into universities. Modern universities are more interested in recruiting students who have something to offer besides academic qualifications.They seek out students who can make a contribution in other areas to the university and the society at large. Many universities and some schools make money and gain prestige through their extra curricular engagement in various arenas. Hopefully, more parents and students will see the importance of extra-curricular activities and diversify and deepen their interests and hobbies. Thewhole society will benefit.

"DON'T DISTURB !!!!! I AM TRYING TO USE MY ZERO METER BRAIN.....

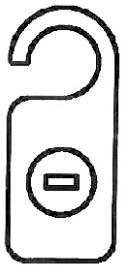

Shahnaz Zulfiqar

When I had the last issue of "MASEEHA" I wanted to have my name in the next issue. Then fortunately I became the member of Editorial board of "Maseeha" . Now I was bound to write something at any cost. Then I thought towrite something although it's avery difficult art. It's really tough for me who should find a pen and a paper from some deserted comer of a so called study table. But as a member of Editorial board, I was compelled to go for the toughest thing in my life something which I have never ever done, not even in my exams and that thing is "writing". I tried to activate my brain which was still zero meter. Well, somehow or the other it started. It took 2 glasses of strawberry shake to settle down. Then I started to think, what to write and what to write about?

It was breaking news for me that my mind was a masterpiece a brilliant mixture of broad and narrow visions. Many ideas came to my mind and on each of them I was not able to produce more than two lines.....

At first, I thought to write about Energy crises which we are facing at peak now a days. But, after 3 mins my zero meter activated and called me, it was saying:

"Ub to adat c ha mujh ko aisey jeenay mein"

Then after this call from my brain I stopped writing about it.

Then I thought of moving a bit deeper right the stomach of MMC students and guess what came to my mind?? Of course it was , **"GHAZI ADAA KI CANTEEN"** so I decided to dedicate my precious words to the imported branded curtain which separates **"GHAZI BHAI CANTEEN"** into two halves and the people beyond that branded curtain. But, that idea had to be dropped as that would lead me directly to the emergency ward of MMC Hospital....

Well, then I decided to dedicate my words to our "College Vacations" but I was unable to produce any line after this:

"Jhalak dikhla jaaa"

"Aik bar aa jaa aa ja"
"Aaaaaaaaaa jaaaa"
"Teray dedaar ko taras rahe akhiyaan"
"Aik bar aaa jaa aa jaa"
"Aaaaaaaaaaaaa jaaaa"

Then I decided to write about the most common oh sorry the 2nd most common issue (sadly I can't mention here the most common issue). Well, I was going to write about the 2nd most common issue of our girl's hostel where every 2nd person says:

"Window corrupt ho gae ha yar ."

And some says in sweet Punjabi style:

"**Neeeeeee koi rolla pay gaya e Bari (window) odd gae meray laptop di hunn thand pay gae aey"**

So, I thought as it's a very common issue what if **BILL GATES** opens a shop in Baldiya Mirpurkhas, wearing a shalwar, with a pan in his mouth and calling aloud: **"Baji aien, Microsoft Windows ki CD sirf 10 rupay mein, aieen aieen loot sale...!!"**

What if sir Asif head of department of community Medicine would also become Head of Accounts office and calling to the fee defaulters: "Mujhay mamun mat bnao. Thursday tak sab students nay fees submit krwani ha or her bacba krwaey ga mei Thursday ko pebly feevouchers check krun ga or jis k pas na hua voucher beta wo tu gaya phir. Mei phir keh raha hun mujy mamun mat Bnao".

Then I decided to write about the everyday new love story of MMC students and only these lines striked my mind which perfectly describes the emotional situation of those students:

Hum teray bin ub reh nahe skty
Teray bina kia wajood mera
Q k tum hi ho Ub tum hi ho
Meri zindage ub tum hi ho
Mera chain b, mera dard b
Meeri Ashiqui ub tum hi ho"

But our some fellows have shairana zauq also And they describe their sentiments as:

"Maktabe ishq ka dastoor nirala dekha
Usi ko saza mili jis ny sabaq yaad kia" :(

Oooppssss !!!!!

How can I forget the most ever green, the most dashing and most fast & furious personality of our college of course **"Mr.15"(Asad adda)** Although he is a nice person but besides it he is also a giant size **"kaanta"** for some innocent **ISHAQZADAY** of our college.Those Ishaqzaday make us remind of the **Gurukul University of Mohabatain** movie Those poor innocent **ISHAQZADAY** have alot of gillay and shikway from Mr.15. I think these lines are the best illustration of those ISHAQZADAY's feelings for our fast and furious Mr. 15:

"Teray bina zindage sy koe shikwa tu nahe Shikwa naheee....."

& so on....

Man, it's really tough for me to write and concentrate on a single point so, i used my zero meter brain according to my natural inclinations.

Uffffffffff...meri tauba i am not going to write Anything!!!!

Shehnaz Zulfiqar



POEMS

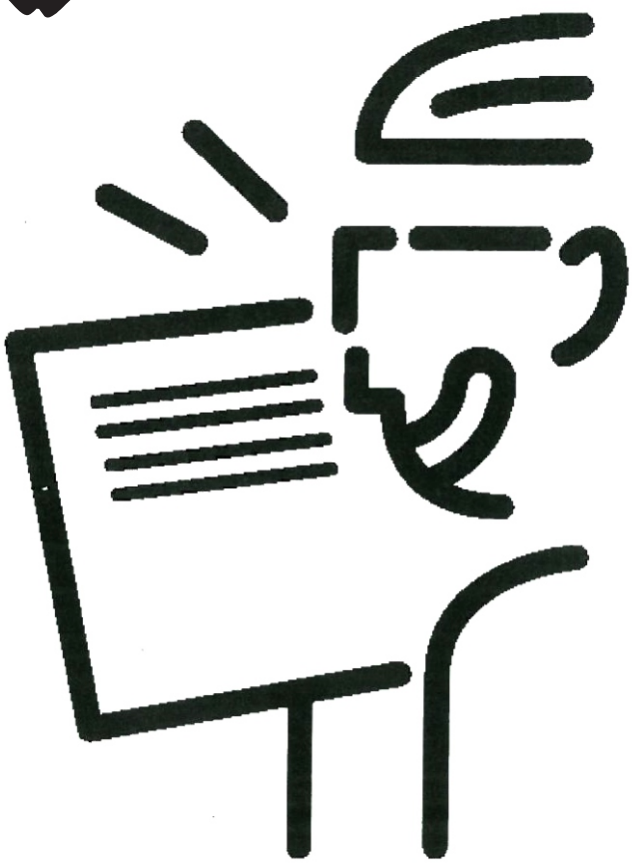

"Sins" and "Mercy of ALLAH"

Hafiz Muhammad Yousuf

My sins, if I think about them,
Are many.....
But the mercy of my Lord is much
Vaster ..... .
I do not hope for salvation in any good action
I may have done Rather in Allah's mercy is my hope
He is Allah my Lord who is my Creator And I am (in front of Him) a slave
Who obeys and submits Ifforgiveness is intended for me Then that is mercy
.....
And if it is other than it then what am I to do??????????

X

TWO HEARTS

Aamir Riaz

I have two hearts
Heart is pulsating with blood
And heart is pulsating with love
Heart is overflowing with tears
And heart is overflowing with perfume
Heart is sky
And heart is earth
Heart is coldness
And heart is warmth
Heart is wave
And heart is sand
Heart is a book
And heart is mirage
Heart is flowers
And heart is ashes
Heart is rocks
And heart is peace
Heart is tide
And heart is ebb
Heart is the wound of yesterday,
And heart is the wound of today,
I'll never touch the wounds once again
When hearts are angry
My heart is evergreen
Whoever owns my heart
Will own dreams and hopes
And keys of happiness
Forever and ever

X

My Mother

Ramla Fatima

She never care what she feels
When she hear the what I feel
She just bears and hides in her heart
All the weakness to make me laugh
She is an angel as she awakes all night
For my sleep, my dreams of height
She never demand, for all she gave
She gives me a soul, never let me fail
GOD! Give me strength to make her Smile
As my mother is precious than diamonds
Strength of my life

X

Alone

Saira Hameed

It is very dark and I am so alone
I have nowhere else to go
I feel so scared and blue
As the cold wind haunts my soul

This world full of brightness and laughter's
Then why I like wrecked ship on deserted shore

I gathered people around
me Just to be sure that I am secure

But my heart in depths of despair
I have nowhere else to go

Somebody please save my soul
Before it's too late because I am still alone

X

"LIFE GOES ON"

Hafiz Muhammad Yousuf.

No matter, how far apart,
Your lovely love has gone,
No matter, how your heart ache, With the agony of venomous words, Your beloved had once thrown, No matter, how each fiber of your existence, Long for a single soothing touch of your love,
Which has gone.....
No matter, How the cruel river of sorrows,
Let each moment of happiness be drown,
No matter this, No matter that,
Life goes on, Life goes on,
Life goes on, Life goes on.

X

FRIEND

Aisha Riaz

A bound of love
A medal of trust
A shoulder in sadness
A hand in darkness

A special relation to hold
An appreciator for encouragement

Something that never lost
Ajewel never be lost
as the magic called "FRIEND"

X

FUNNY POEMS

Hira Bhambhro

One fine morning in the middle of the night,
Two dead boys got up to fight,
Back to back they faced each other,
They drew out swords and shot each other.
A deaf policeman heard this noise,
And shot both of the 2 dead boys.
If you don't believe my lies are true,
Ask the blind man; he saw it too.

This Old Earth

Needs our help to stay fresh, clean and green
With a "pick it up, pitch it in and throw it in the can"
This old Earth needs a helping hand.

My Loving Mom

Mom is such a special word
The loveliest I've ever heard.
A toast to you, above all the rest
Mom I miss you a lot.
You were so special for me and
You are simply the best.

Embraces our life

Weary souls her inviting smile takes our breath
After months of loved ones clinging to guest rooms
Or come in make yourselves at home soon
Becoming sorry I need my space.

"Dignified Welcome"

A rainbow of doves and beaks
Rise up against gray comments
Warmth of spirit of flowing fourth

X

NOTHINGNESS ENFOLDS ME

Hafiz Muhammad Yousuf

Nothingness enfolds me,
In its rough screeching wings,
A hollow world of black fog it bring,
Where,
There all over the screams of silence rings
Aches and pain are the queens,
Fear and tears are the kings,
Nothingness enfolds me,
In its rough and screeching wings.

X

PHARMACOLOGY

Sundas Mehak

Take your pills ..
Cure the ills of your real self for every one's health.
The will of them your life defends.
The battle's won when you are fun.
As to tired you have conspired to let it go.
This life you know....
Wyeth-Ayerst pharmaceuticals see to soothe a soul's destiny...
To cure an ill..
Take your pills .....

X

EXPERIENCES OF LIFE

Hafiz Muhammad Yousuf

I feared being alone until
I learned to like myself.
I feared failure until
I realized that I only fail when I don't try.
I feared success until
I realized that I had to try in order to be happy with myself.
I feared people's opinions until
I learned that people would have opinions about me anyway.
I feared rejection until
I learned to have faith in myself I feared pain until
I learned that it's necessary for growth.
I feared the truth until
I saw the ugliness in lies.
I feared life until
I experience its beauty.
I feared death until
I realized that it's not an end, but a beginning .
I feared my destiny, until
I realized that I had the power to change my life.
I feared hate until I saw that it was nothing more than ignorance.
I feared love until it touched my heart, making the darkness fade into endless sunny

days .
I feared ridicule until
I learned how to laugh at myself.
I feared growing old until
I realized that I gained wisdom every day. I feared the future until I realized that life just kept getting better.
I feared the past until I realized that it could no longer hurt me.
I feared the dark until
I saw the beauty of the starlight.
I feared the light until
I learned that the truth would give me strength.
I feared change, until I saw that even the most beautiful butterfly
had to undergo a metamorphosis before it could fly .

X

Depression "POEM"

Syeda Masooma

Depression is the looks that lie
Depression is the tears I cry
Depression is the mistakes
I had one person makes
Depression is the sad song
Where no one sing along
Depression is where I have no friends
Depression is the cut that mends
Depression
Just a feeling that gets everyone sad
And may be to the point where you go mad
But depression is sad but true
Because it is my life without you.

X

"Mom"

Hafiz Muhammad Yousuf

Mom you are my guiding light, You held my hand in the darkest night. Chasing demons and rain clouds away, Showing me rainbows on dreary days.
Mom you gave me wings to fly, Supporting me always as years rolled by.
Never letting me feelIwas less than the rest, WhenIlost a race, or failed a test.
Mom you are my example for life,
You taught me how to be mother, and wife.
The lessons I learned sitting at your knee,
I am thankful for all your time spent with me.
Mom you are also my friend so dear, Ready to listen with a helpful ear. Offering advice, a hug and a smile, Reminding me of all in my life that's worthwhile.
Mom you are always close in my heart,
Even though we now live far apart.
Distance can't break what has grown strong with time,
And nurtured with love, both yours and mme.

X

"How Can I forgive you

Anamta Rehman

Drop by drop life is flowing
My thirst for life is thirst for love
My perception of love makes me feel....
Your besides me
In my heart
In my soul .....

But reality of you is an illusion
In deep desert of my intense desires Where
I am alone I am dying
With pain you incur to my soul. .....

Now life has gone with all its thirst; Being alone, without any cure Waiting for the day to be asked

Till then ...
I can't forget you.. I can't forgive you..
How can I forgive you???

X

My World Pakistan

Waleed Yousuf

I want to see you back again,
When you were at the highest eminence of the world,
Flowing, blowing, glowing charms all around,
Accompanied by cherish moments of the world,
Where the depth is beyond the immense height,
And peace manifested all over the world,
The complete harmony, serenity, stillness and calmness of life,
Reside for few decades ago ere in the world,
Now you cornered by evil activist and troubles,
I be your soldier and defend you my world,
Protect, defend and shield you until,
Return Brio and spiritedness, for you my World,
And IfI'd be asked to die where?
Replied, whom I care! That part of world,
WALEED, you made frustrated through last rhyme words,
The subject is mere Pakistan and all this is my world

X

Death

Hafiz Muhammad Yousuf

It is an obligation upon people to repent.
But leaving sins is even more of an obligation.
Patience in the midst of hardships is difficult to bear.
But loosing the opportunity for reward is more difficult to bear.
Time is indeed perplexing in the way It passes.
Yet people's heedlessness is even more perplexing.
Everything that is due to arrive is indeed close,
Yet death is closer than everything else.

X

"ME"

Ananta Rehman

In backyard of my thoughts ....
I am still a child..

Who wants to play all she missed Eat with dirty hands without fear
Sing with unintentional deeds.....

I am still a child...
Who wishes to run in burning sun Build homes in flying desert
Ride on sprinkles of colors.....

In backyard of my thoughts
I am a child who laughs, giggles, jumps
Who lives, feels loves.....

In backyard of my thoughts I am not a mature girl
I am still a child Who don't wana grow To be a child forever And ever. .....

X

Student Life

Muhammad Muzammal Javed

Midnight Tea,
Long chats,
Bunking classes,
Fighting for friends,
Last minute revisions,
Tension filled exams,
Tears for love,
Sitting idle in the class,
Watching pretty faces,
Irresistible Laughters ,
People call it Students
&
We call it life...

X

I Tried So Hard

M. Mohsin Maqsood

I tried so hard. I tried my best.
I gave you my all,
and now there's nothing left.

You stole my heart, then tore it in two. Now I'm falling apart,
and don't know what to do.

Divided by decisions, burned by the fire.
Confused by your words.
Tempted by desire.

I'm living in the present. My mind is on the past. Not knowing what I'll lose.
Not knowing what will last.

Blinded by fear. Drowning in doubt.
Struggling to be free. Looking for a way out

X

"My Mask"

M. Irfan Jutt

I was once sad and lonely,
Having nobody to comfort me,
So I wore a mask that always smiled;
To hide my feelings behind a lie.
Before long, I had many friends;
With my mask, I was one of them.

But deep inside,'I still felt empty, Like I was missing a part of me.
Nobody could hear my cries at night For I designed my mask to hide the lies. Nobody could see the pain I was feeling For I designed my mask to be laughing.
Behind all the smiles were the tears And behind all the comfort were the fears.
Everything you think you see, Wasn't everything there was-to me.
Day by day,
I was slowly dying. I couldn't go on,
There was something missing .. Until now I'm still searching
For the thing that'll stop my crying. For someone who'll erase my fears, For the person who'll wipe my tears. But till then I'll keep on smiling.
Hiding behind this mask I'm wearing.
Hoping one day I can smile, Till then, I'll be here...waiting.

X

"CYCLIC BEAUTY OF TIME"

Hafiz Muhammad Yousuf

JANUARY
Delightful display Snowdrops bow their pure white heads
To the sunls glory.
FEBRUARY
Fresh green buds appear Indicating spring will soon Energize us all.
MARCH
Lambs gambol in fields
Frisky with the joys of life
Bleating happily.
APRIL .
Bluebells stand so proud Beneath trees so sparsely dressed
Fresh green leaves unfold.
MAY
Much awaited sound Echoes heard amid dense trees
Cuckoo has arrived.
JUNE
Parks and gardens burst With sounds and vibrant colours
Perfect harmony.
JULY
Beaches become full Of families having fun In sand and big waves.
AUGUST
Ripe golden harvest Burning sun in azure skies Labours rewarded.
SEPTEMBER
Swallows congregate On telephone wires ready To,Jlligrate down south.
OCTOBER
Red and gold leaves fall, Crunchy as cornflakes beneath Feet on a crisp inom..
NOVEMBER
Frosty webs sparkle
In the early morning sun Brightly bejeweled
.DECEMBER
First few flakes of snow
Dust gardens like icing on
A chocolate cake.

Friends are far, friends are near,
Friends will be there to lend an ear,
They listen, laugh, and care,
But most of all, they're always there,
Through thick and thin, up and down,
Your true friends are always around,
For treats, hugs and real big smiles,
They'll travel to you from several miles,
They'll always be there to hold you tight,
Anytime, no matter if it's day or night,
You really know when your friends are sincere,
When they always show up to lend their ear.

X

THE LAST LESSON OF THE DAY.

Qaisar Khan

The last lesson of the day,
It is so boring,
When the teacher teaching in the class, Half of them are snoring.

The teacher such a dag, they think, So annoying pushy.
You look high spirited day the see, SNIF
Something's really fishy,
Boneless lumps were born, Expression face, blank glassy stares, Some even full of scorn.

The clock never ticks stop lazily, They want to pull their hair out,
Eventually when the time's up; HEAVEN
They hope about and shout.

A DOCTOR'S PRAYER

Zainab Tariq

ALLAH this is my prayer as a doctor each and every day...
Help me to always help someone in some meaningful way
Let me not wounds others already hurting with lackadaisical words today
Lace my tongue with mercy I earnestly pray
Guide me each moment so that my l therapeutic footsteps do not falter 1
Help me so that at least one person's pain I may with your healing power alter
Direct my mind to industriously take in every important detail
Assist me to stay optimistic and resolute even when I fail

Take control of these hands so they may do impressive works
Give me the patience of a saint to solve the things that do irk.
Aid me to remember that I am human but together we can accomplish much
Guide my hands to always provide the most gentle and compassionate touch

Remind me every day lest I forget the reason I became a physician
Help me remember there are more important things than my commission
Guide my lips when I speak to a patient regarding their condition
Let me rejoice with a grateful heart when I can say the word remission

ALLAH let me never forget the importance

of each of the duties I perform
Let me never become so prideful that I overlook the lives we can transform
ALLAH help me to remember how important a smile can be
To someone who feels hopeless and afraid and is looking to me

X

Father

M. Irfan Jutt

The smile of his lips, The innocent emotions, That ended in a kiss, The shine of his eyes,
The sincerity with a smile, The truthful feelings, That were just for life, The anger with love,
The fighting with words, And the feelings of annoyance,
That were always with him,
His pulling me out from grim situations,
And tackling every condition with Jove,
With all his love and all his anger,
Let me pray for him, Because he was my "Father"
{May his soul rest in peace}

X

Goodbye Dear MMC

M. Shahzad Akram

You have always been with us
Giving us strength and boldness
Making us thirsty for knowledge
For now I have to leave you
My eyes welling up with tears
A whimper is developing in my throat I would always remember the days
I spent with you
I want to pay respect to my teachers
For without their help we would be nobody
Your memories are stored in my heart and soul
You would always be there to guide us And show us the path that leads to success As this was done for our own good
For making us a symbol of great knowledge and strength
I think you for all the appreciations You have given us
Goodbye my dear MMC,
For you would be out of sight not out of mind.

X

RESURRECTION

Syed Aun Muhammad

The light was bright once, long ago, The moon was out, the stars shone too, The blessings, I could feel their warmth, The comfort that I once held dear.

A bright night's what I called that age,
Blissful, blissful ignorance,
Yet though I had most everything, And though I could be called a king, I'd betrayed Him and darkness came, Engulfed my very soul complete.

Thus seas I once commanded turned, The ships I sailed threw me off too, Lightning struck upon my hilt,
The hilt that I.had once held dear

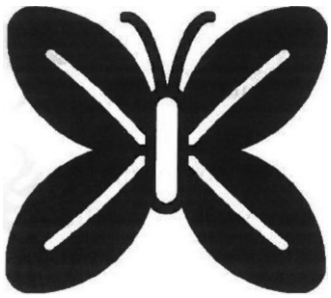

I held on, betrayed, the sinking ship, Spared
me not for alll'd done,
My eyes widened, it threw me out, Back
then all I did was shout,
I cried out as I ripped apart, My voyage
finally complete.

Stranded, I sat on a rock, With me some sad
sailors too,
Together, we lamented at, The devil boat we
once held dear.

I died that day, in my defeat, Painful, bitter
suffering,
If only I'd been fair to time, Valued what
was truly mine,
I wouldn't have become someone, Who in
his hatred was complete.

The light was dark then, long ago, The moon
was fake, the stars were too,
The promises were scattered lies, The
comfort that I once held dear.

I lay and gazed into the sky, Searching for
my betrayed friend,
The North Star shone down so kindly, He
smiled as he reminded me,
"You knew you'd have to be reborn, Ensure
your duty is complete."

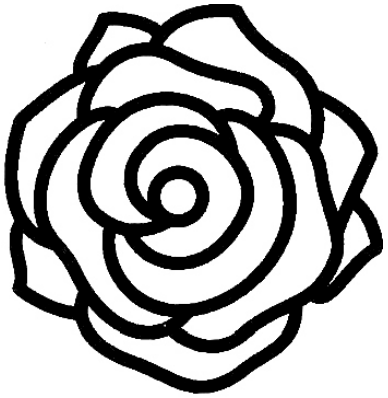

1ST BATCH OF MBBS 1999 TO 2003


Sunil Kumar


Sara Baloch


Sadaf Manzoor


Sadaf Zehra


Saba Gul

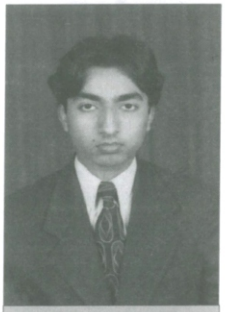
Noman Ali


Sahida Bibi

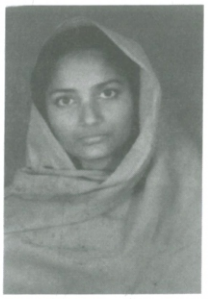
Naheed Naz


Mubashara Tehseen

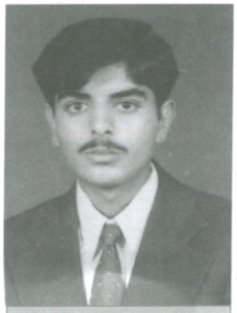
Muhammad Anwer


Mehwish Rizvi


Kamla Devi


Saifullah


Hina Iram


M. Hassan


Gul Maria


Shaheen


Asma Arshad


Zeenat Bano


Fozia Shafique

Position holder 2000

1st Year



M. Ismail
1st Position



Abida
2nd Position



Hema Core
3rd Position

Position holder 2001

1st Year



Shabina Jafar
1st Position



Shehla Hanif
2nd Position



Rizwana
3rd Position

2nd Year



M. Ismail
1st Position



Ishrat Bano
2nd Position



Abida
3rd Position

Position holder 2002

4th Year


Ishrat Bano
1st Position


Munaza Hameed
2nd Position


M. Ismail
3rd Position

3rd Year


Shabina Jaffar
1st Position


Sheela Vanti
2nd Position


Uzma Saeed
3rd Position

2nd Year


Masooma Baqar
1st Position


Parveen Khaliq
2nd Position


Arif Raza
3rd Position

1st Year


Aasia Imaml
1st Position


Hina Khan
2nd Position


Yasir Sindhi
3rd Position

POSITION HOLDERS OF 2003

Final Year


Munazza
1st Position


Hasan Butt
2nd Position


Ismail
3rd Position

4th Year


Shabina Jaffer
1st Position


Asfia Irfan
2nd Position


Zeenat Habibullah
3rd Position

3rd Year


Parveen
1st Position


Arif Raza
2nd Position


Nazish Rizvi
3rd Position

2nd Year


Aasia Batool
1st Position


Hina Khan
2nd Position


Abdur Rehman
3rd Position

1st Year


Sana
1st Position


Fahad-uz-Zain
2nd Position


Shirin
3rd Position

POSITION HOLDERS OF 2004

Final Year



Shabina Jaffer
1st Position



Asfia Irfan
2nd Position



Zeenat Habibullah
3rd Position

4th Year



Arif Raza
1st Position



Parveen
2nd Position



Masooma Baqar
3rd Position

3rd Year



Hina Khan
1st Position



Aasia Batool
2nd Position



Abdur Rehman
3rd Position

2nd Year



Sana
1st Position



Faizan Qaiser
2nd Position



Abdullah Leghari
3rd Position

1st Year



Anita
1st Position



Huma Shaukat
2nd Position



Marvi Laghari
3rd Position

Position holder 2005

Final Year


Arif Raza
1st Position


Parveen Khaliq
2nd Position


Erum Naz
3rd Position

4th Year


Hina Khan
1st Position


Aasia Batool
2nd Position


Abdul Rahim
3rd Position

3rd Year


Sana
1st Position


Sheerin Khan
2nd Position


Abdullah Laghari
3rd Position

2nd Year


Anita
1st Position


Marvi Laghari
2nd Position


Huma Shoukat
3rd Position

1st Year


Sawina
1st Position


Rizwan Jawaid
2nd Position


Sara
3rd Position

POSITION HOLDERS 2006

FINAL YEAR



Aasia Batool
1st Position



Hina Khan
2nd Position



Yasir Sindhi
3rd Position

FOURTH YEAR



Sana
1st Position

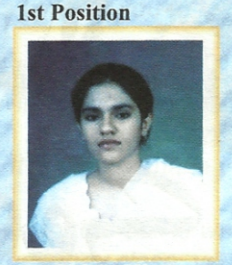

Shirin Khan
2nd Position



Faisal Irshad
3rd Position

THIRD YEAR



Huma Shaukat
1st Position



Marvi Laghari
2nd Position



Anita
3rd Position

SECOND YEAR



Maria
1st Position



Sawina
2nd Position



Ayesha
3rd Position

FIRST YEAR



Jaweria Mehmood
1st Position



Ahsan Khalid
2nd Position



Saba
3rd Position

Position holder 2007

Final Year



Sana
1st Position



Faisal Irshad
2nd Position



Allah Din
3rd Position

4th Year



Huma Shoukat
1st Position



Anita
2nd Position



Marvi Laghari
3rd Position

3rd Year



Ayesha Idress
1st Position



Sawina
2nd Position



Salman
3rd Position

2nd Year



Javaria Mehmood
1st Position



Mehwish Shafique
2nd Position



Humaira Shabbir
3rd Position

1st Year



Muzaffar
Shoaib Mal
1st Position



Shazia
Parveen
2nd Position



Sidra Khan
2nd Position



S.M. Ahmed
Raza
2nd Position



Abubakar Riaz
3rd Position

پوزیشن ھولڈرز 2008

Final Year


Mehtab Iqbal
1st


Anita Rathore
2nd


Huma Shoukat
3rd

Fourth Year


Sawina
1st


Maria
2nd


Ayesha Idrees
3rd

Third Year


Mehwish Shafiq
1st


Hassan Nadeem
2nd


Javerai Mahmood
3rd

Second Year


Rashad Shamsi
1st


Muzafar Shoaib
2nd


Abubakar Riaz
2nd


Hassan Shoaib
3rd

First Year


Fatima Hameed
1st


Muhammad Shahid
2nd


Amir Muhammad
(3rd)

پوزیشن ھولڈرز 2009

Final Year


Sara
1st


Amatullah-Al-Khair
2nd


Ayesha Idrees
2nd


Maria
3rd

Fourth Year

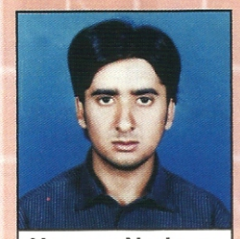
Hassan Nadeem
1st


Javerai Mahmood
2nd


Mehwish Shafiq
3rd


Rabia Hameed
3rd

Third Year


Abubakar Riaz
1st


Sidra Khan
2nd


Rashad Shamsi
3rd


M. Ahmed Raza
3rd

Second Year


Muhammad Shahid
1st


Fatima Hameed
2nd


Mehreen
3rd

First Year


Arasalan Khan
1st


Shahab Hanif
2nd


Nudrat Farooq
3rd


Sadia Ikhlaq Baloch
3rd


Tuaha Taseer
3rd

Position Holders 2010

Final Year



Hassan Nadeem
1st Position



Khatija Sundas
2nd Position



Javaria Mahmood
3rd Position

4th Year



S.M. Ahmed Raza
1st Position



Abubakar Riaz
2nd Position



Rashad Shamsi
3rd Position

3rd Year



Fatima Hameed
1st Position



Mehreen
2nd Position



Amir M. Khan
3rd Position

2nd Year



M. Shahab Hanif
1st Position



Fareeha Manzoor
2nd Position



Arsalan Khan
3rd Position

1st Year



Madiha Ilyas
1st Position



Sehrish
2nd Position



Madiha Imtiaz
3rd Position

Position Holders 2011

Final Year


Madiha Manzoor
1st Position


Sidra Khan
2nd Position


S.M. Ahmed Raza
3rd Position

4th Year


Saif-ur-Rab
1st Position


Syeda Tahira Sherazi
2nd Position


Fatima Hameed
3rd Position

3rd Year


Arsalan Khan
1st Position


Sadia Ikhlaq Baloch
2nd Position

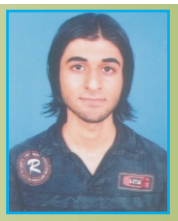
M. Shahab Hanif
3rd Position

2nd Year


Madiha Ilyas
1st


Serish Nawaz
1st


Anamta Rehman
2nd


Maryam Fatima
2nd


Azra Pervez
3rd


Javeria Manzoor
3rd

1st Year


Anam Channa
1st Position


Qurat Ul Ain
2nd Position


Samra Jabeen
3rd Position

Position Holders 2012

Final Year


Syeda Tahira Sherazi
1st Position


Farwa Khizar
2nd Position


Fatima Hameed
3rd Position

4th Year


Fareeha Manzoor
1st Position


Arsalan Khan
2nd Position


M. Shahab Hanif
3rd Position

3rd Year


Anamta Rehman
1st Position


Madiha Ilyas
2nd Position


Maryam Fatima
3rd Position

2nd Year


Anza Tariq
1st Position


Qurat Ul Ain
2nd Position


Shaista Arshad
3rd Position

1st Year


Hafiza Abeer Ilyas
1st Position


Hira Jabeen
1st Position


Sonia Ajmal
1st Position


Khalid Nawaz
2nd Position


M. Salman
3rd Position

Position Holders 2013

Final Year

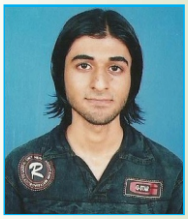
M. Shahab Hanif
1st Position


Fariha Arshad
2nd Position


Arsalan Khan
3rd Position

4th Year


Anamta Rehman
1st Position


Javeria Manzoor
2nd Position


Syeda Bariha Zehra
3rd Position

3rd Year


Qurat Ul Ain
1st Position


Anza Tariq
2nd Position


Shamin Naseem
3rd Position

2nd Year


M. Naeem Yousif
1st Position


Hafiza Abeer Ilyas
2nd Position


Khalid Nawaz
3rd Position


Alvena Butt
3rd Position

1st Year


Danial Aziz
1st Position


Hafiz M. Shoaib
1st Position


Muhammad Amir
2nd Position


Sehar Iqbal
3rd Position

Position Holders 2014

Final Year


Syeda Bariha Zehra
1st Position


Anamta Rehman
2nd Position


Saman Butt
3rd Position

4th Year


Azhar
1st Position


Qurat Ul Ain
2nd Position


Shaista Arshad
3rd Position

3rd Year


Anum Asif
1st Position


Hafiza Abeer Ilyas
2nd Position


Hira Jabeen
3rd Position


Tanzila Ashraf
3rd Position

2nd Year


Muhammad Amir
1st Position


Danial Aziz
2nd Position


Hira Zahid
3rd Position

1st Year


M. Shah Jahan
1st Position


Haroon Faiz
2nd Position


Faizan Abbasi
3rd Position

Position Holders 2015

Final Year



1st Position
Azhar Farooq



2nd Position
Anza Tariq



2nd Position
Shaista Arshad



3rd Position
Shamin Naseem

Fourth Year



1st Position
Tanzila Ashraf



2nd Position
Meher-Un-Nisa



3rd Position
Hira Jabeen

Third Year



1st Position
Muhammad Amir



2nd Position
Danial Aziz



3rd Position
Shusta Akber

Second Year



1st Position
Aiman Maqbool



2nd Position
Saima



3rd Position
Uzma Bibi



3rd Position
Muhammad Shah Jahan

First Year



1st Position
Huzayfah Iqbal



2nd Position
Ammara Khalil



3rd Position
Taimoor Afzal

Position Holders 2016

Final Year



1st Position
Meher-Un-Nisa



2nd Position
Hira Jabeen



3rd Position
Nazish

Fourth Year



1st Position
Samiya



2nd Position
Irum Sajjad



3rd Position
Danial Aziz

Third Year



1st Position
Syed M. Dawar Agha



2nd Position
Faizan Abbasi



3rd Position
M. Haroon Faiz

Second Year



1st Position
Ammara Khalil



2nd Position
Huzayfah Iqbal



3rd Position
Sehrish Khan

First Year



1st Position
Summiyya



2nd Position
Parisa



3rd Position
Munaza
Rasheed

Position Holders 2017

Final Year



1st Position
Muhammad Amir



2nd Position
Samiya



3rd Position
Hira Zahid

Fourth Year



1st Position
Ramsha Fatima



2nd Position
Mahnoor Inam



3rd Position
Quratul Ain

Third Year



1st Position
Ammara Khalil



2nd Position
Taimoor Afzal



3rd Position
Sehrish Khan

Second Year



1st Position
Parisa



2nd Position
Summiyya



3rd Position
Munaza Rasheed

First Year



1st Position
Hafiza Amna Abbasi



2nd Position
Muhammad Ali Khosa



3rd Position
Aisha Rasheed

Position Holders 2018

Final Year



1st Position
Mahnoor Inam



2nd Position
Muhammad Gulzaib Khan



3rd Position
Syed Muhammad Dawar Agha

Fourth Year



1st Position
Ammara Khalil



2nd Position
Huzayfah Iqbal



3rd Position
Sehrish Khan

Third Year



1st Position
Parisa



2nd Position
Summiyya



3rd Position
Munaza Rasheed

Second Year



1st Position
Hafiza Amna Abbasi



2nd Position
Nazish



3rd Position
Aisha Rasheed

First Year



1st Position
Muhammad Abuzar Shah



2nd Position
Mubarra Zain



3rd Position
Muhammad Hamza Sattar Rana

Position Holders 2019

Final Year



1st Position
Usama Anwar



2nd Position
Ammara Khalil



3rd Position
Huzayfah Iqbal

Fourth Year



1st Position
Hafiza Ushna Babar



2nd Position
Anwaar ul Haq



3rd Position
Anam Hassan

Third Year



1st Position
Hafiza Amina Jahangir



2nd Position
Hafiza Amna Abbasi



3rd Position
Muhammad Ali Khosa

Second Year



1st Position
Muhammad Hamza
Sattar Rana



2nd Position
Muhammad Abuzar Shah



3rd Position
Mubarra Zain

First Year

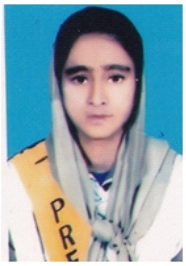

1st Position
Shazia



2nd Position
Iqra Aamir



3rd Position
Tooba

Position Holders 2020

Final Year



1st Position
Parisa



2nd Position
Summiyya



3rd Position
Muhammad Siyyam

Fourth Year



1st Position
Aisha Rasheed



2nd Position
Muhammad Ali Khosa



3rd Position
Sanam Akhtar

Third Year



1st Position
Muhammad Abuzar Shah



2nd Position
Hafiza Misbah Javaid



3rd Position
Nayab Memon

Second Year

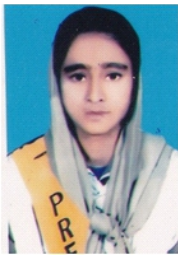

1st Position
Shazia



2nd Position
Tooba



3rd Position
Muhammad Haris

First Year



1st Position
Syed Zaki Uddin



2nd Position
Khair Muhammad



3rd Position
Muntaha

Position Holders 2021

Final Year



1st Position
Nazish



2nd Position
Faryal Gohar



3rd Position
Aisha Rasheed

Fourth Year



1st Position
M. Hamza Sattar Rana



2nd Position
Tatheer Zahra



3rd Position
Muhammad Abuzar Shah

Third Year

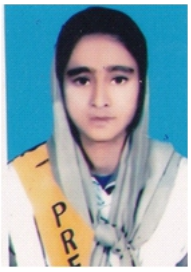

1st Position
Shazia



2nd Position
Yusra Naz



3rd Position
Pawan Kumar

Second Year



1st Position
Syed Zaki Uddin



2nu Position
Syeda Fazila Bibi



3rd Position
Sehar Fatima

First Year



1st Position
Anmol



2nd Position
Saima Khuda Bukhsh



3rd Position
Samina Shahzadi

Position Holders 2022

Final Year



1st Position
Mahrukh Fatima Durani



2nd Position
Muhammad Abuzar Shah



3rd Position
M. Hamza Sattar Rana

Fourth Year



1st Position
Aamna Javed



2nd Position
Muhammad Mahad



2nd Position
Hajira Liaquat

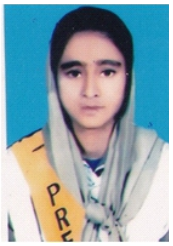

3rd Position
Shazia

Third Year



1st Position
Syeda Fazila Bibi



2nd Position
Adnan Khalil



3rd Position
Syed Zaki Uddin

Second Year



1st Position
Bibi Kalsoom



2nd Position
Anmol



3rd Position
Saima Khuda Bukhsh

First Year



1st Position
Anchal



2nd Position
Manahil Mahmood



3rd Position
Mahnoor

Extra Cumicular Activities

14TH AUGUST 2016




AWARD & FOREVER PARTY 2013


AWARD & FOREVER PARTY
2012


AWARD & FOREVER PARTY
2012

BASANT FESTIVAL 2012











B. L. S. PROGRAMME 2012



Memories of Chair Person Muhammad Foundation Trust



Memories of Chair Person Muhammad Foundation Trust



VISIT OF US CONSULATE GENERAL KARACHI



























CULTURE DAY 2012



CULTURE DAY 2014



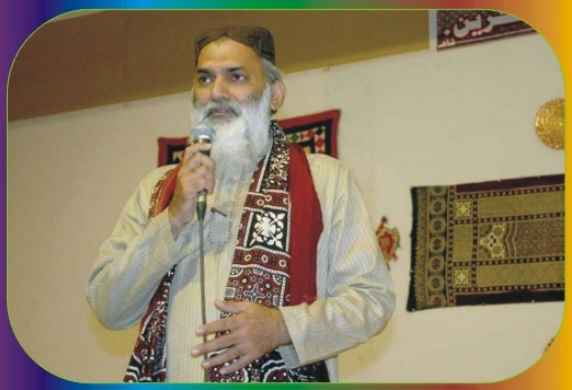







CULTURE DAY 2013



DAY ONE 2016


TO
GUEST OF HONOUR
& THEIR PARENTS


DAY
EMONY




DAY ON


NE CEREMONY







FAIRWELL PARTY 2012



FLOWER DAY 2013










GASTRO SEMINAR 2012



YOUM-E-HUSSAIN-2009



YOUM-E-HUSSAIN-2009



LUMHS VISIT 2013



Memories of Muhammad Foundation Trust



Memories of Muhammad Foundation Trust




MILAD 2008

MILAD 2009

















MILAD 2009


MILAD 2018

MILAD 2012



MILAD 2014



SEMINAR 2009



SPORTS DAY 2014

















SPORT WEEK 2012










SPORTS WEEK 2013



















SPORT WEEK 2009

















SPORTS WEEK 2016

















SPORTS WEEK 2012










STUDENTS PARTY 2014











SYMPOSIUM 2009


SYMPOSIUM 2009

SYMPOSIUM 2009



SYMPOSIUM 2009













SYMPOSIUM 2012



SYMPOSIUM 2014

















SYMPOSIUM 2016











SYMPOSIUM 2016

















SYMPOSIUM 2018



TRANING PROGRAM 2012



WORK SHOP 2009











YOUM-E-HUSSAIN 2014



SYMPOSIUM 2016,

















MUSHAIRA 2017

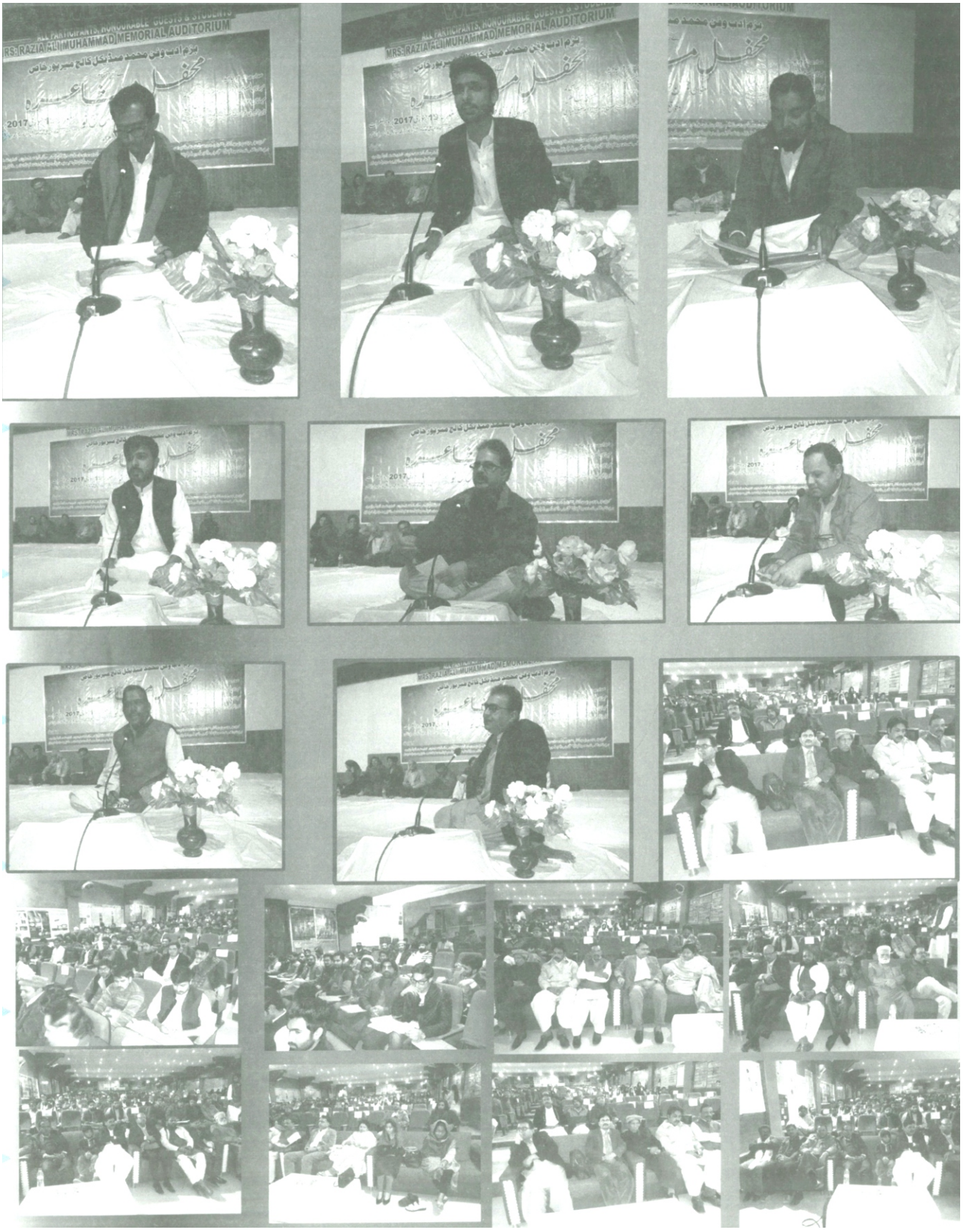

MUSHAIRA 2017

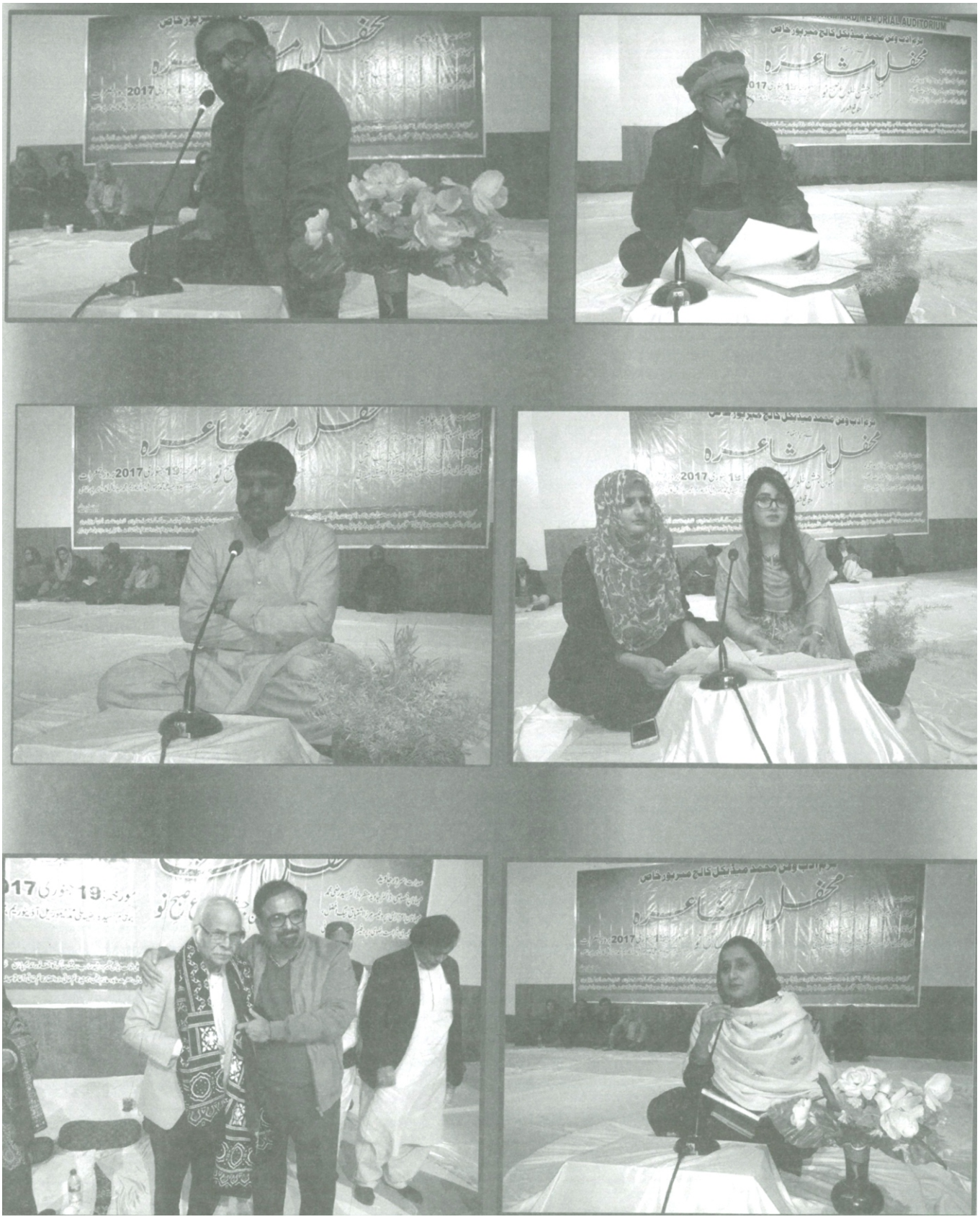

MUSICAL FUNCTIONS 2017



MUSICAL FUNCTIONS 2017



MEMORIES OF CHAIR PERSON MUHAMMAD FOUNDATION TRUST



MEMORIES OF CHAIR PERSON MUHAMMAD FOUNDATION TRUST



MEMORIES OF CHAIR PERSON MUHAMMAD FOUNDATION TRUST



MEMORIES OF CHAIR PERSON MUHAMMAD FOUNDATION TRUST



MEMORIES OF MUHAMMAD FOUNDATION TRUST



MEMORIES OF MUHAMMAD FOUNDATION TRUST

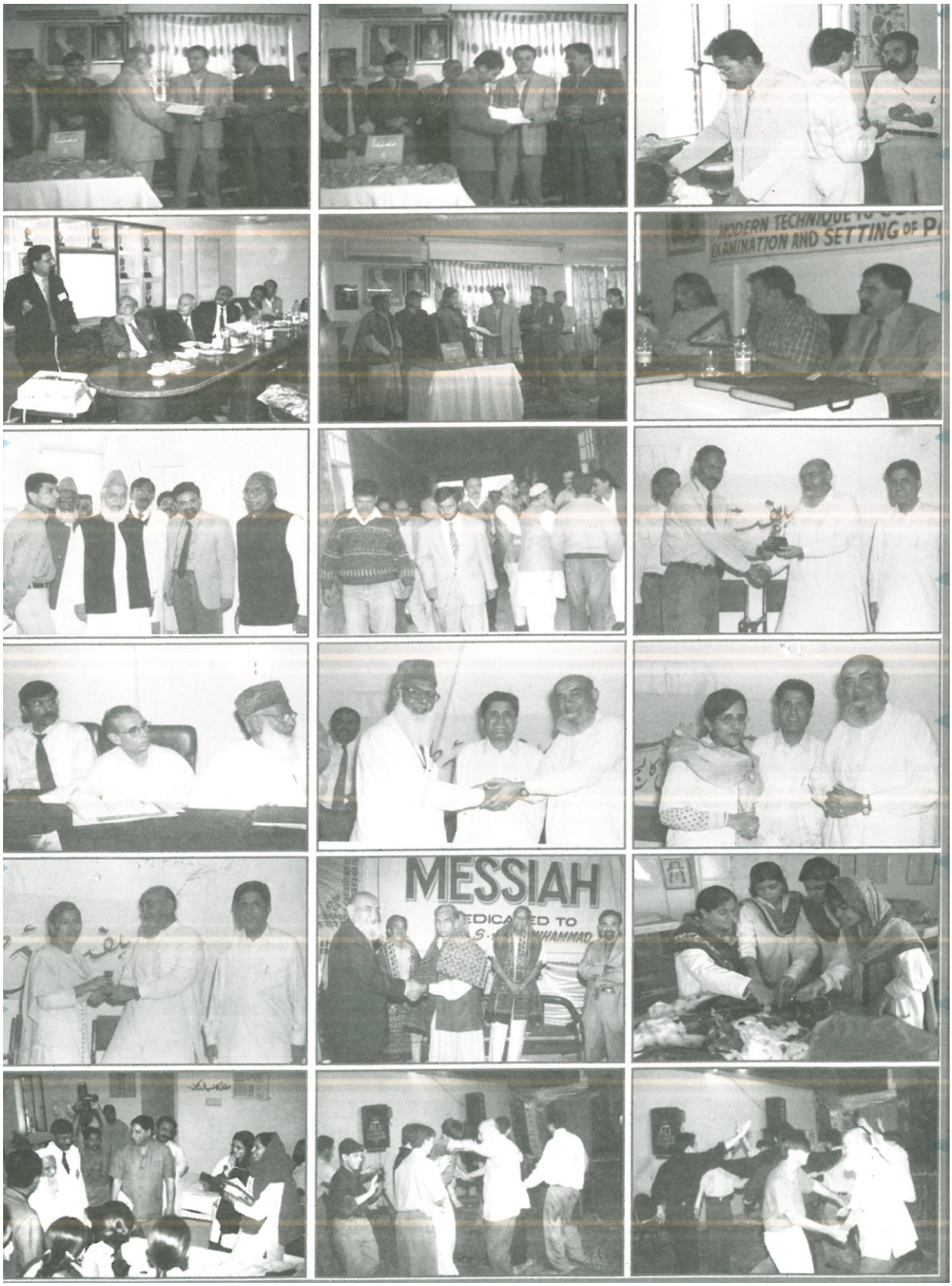

LUMHS VISIT



GROUP PHOTOS



CONVOCATIONS - 2017











CONVOCATIONS - 2020










CONVOCATIONS - 2022











PHOTO GALLARY


BAZM-E-ADAB STUN


Anuual Medical Symposium -2017
28th - 31st August
Undiagnosed Psychiatric Problems
in General Population










WELCOME
ALL PARTICIPANTS, HONOURABLE GUESTS & STUDENTS






SIMS-SIUT Convocation 2018
SIUT Free Care with Dignity and Compassion


SIMS-SIUT Convocation 2018
SIUT Free Care with Dignity and Compassion


ad, Lahore & Karachi, Pakist


PATIENT'S AWARE CLUB




WELCOME
ALL PARTICIPANTS, HONOURABLE GUESTS & STUDENTS
MEMORIAL AUDITORIUM

ڪيو پئي، پر ادبي دوستن جڏهن پُنهل سان روز ملڻ لاءِ ايندا هئا تہ پاڪيزيءَ ڏٺو تہ ڊاڪٽر جي علاج کان سواءِ پنهل پنهنجن دوستن کي ڏسندي ٺيڪ ٿي ويو آهي، جيڪڏهن پُنهل جا دوست نہ هجن ها تہ پنهل شايد.....

”پنهل مون کي معاف ڪر، مون توکي ڏاڍا ايذاءُ ڏنا.“

”نہ نہ پاڪيزي تو مون کي ڪجهہ بہ ڪونہ ڪيو آهي، بس هيءَ جيڪا غربت آهي تنهن اهڙا حال ڪيا آهن انهي ۽ تنهنجو ڏوهہ ڪونهي.....“

پاڪيزيءَ، جنهن پنهل جا ڪتاب ساڙڻ لاءِ گڏ ڪري رکيا هئا، انهن ڪتابن کي پاڪيزي پنهل جي غريباڻي لائبريريءَ ۾ سجائڻ لڳي ۽ پنهل کي ڏسندي چيائين، ”پنهل تنهنجي هنن ڪتابن تنهنجي زندگي بچائي آهي.“

”پاڪيزي منهنجي اِهائي تہ دنيا آهي ٻيو مون وٽ آهي بہ ڇا؟! هنن ڪتابن ئي مون کي سهارو ڏنو آهي. انهي ئي ادبي ڪتابن جي ڪري منهنجي سجاڻپ آهي هنن ئي ڪتابن جي ڪري منهنجا ادبي دوست مون کي پائين ٿا.

وارن ۾ تيل، نہ ئي سولو ڪو جسم تي ڪپڑو آهي، جڏ ڪا آئون تنهنجي گهر ۾ چري پرٽجي آئي آهيان“.....

”اِهي ساڳيا حال منهنجا به آهن نہ وارن ۾ تيل، نہ جسم ۾ ڪو سولو ڪپڑو پاتل آهي. نہ پيرن ۾ ڪا سولي جُتي آهي. وقت کان پهرين وارن ۾ چاندي اچي وئي آهي. جڏ ڪو ڏٻرو ۽ وقت کان پهرين جسم تي پوڙهاپ نظر اچي پئي. هاڻي تہ هت به ڪم ڪندي ڏکن ٿا، ڪٽي مزدوري ڪريان ٿو تہ اُهي قبول به ڪونہ ٿا ڪن. هاڻي جڏ تہ جسم ساٿو ڇڏي ويو آهي. ڪم ڪندي مونکي روز رات جو بخار ٿو اچي، پوءِ به جيڪي مزدوري ڪريان ٿو اها توکي آڻي هٽ ۾ ڏينڊو آهيان. آئون تہ پنهنجي لاءِ پينادول جي گوري به وٺي نٿو سگهان..... بخار وجي ويو وڏندو ڪٽي به ائين نہ ٿئي جو آئون صفا کٽ پيڙو ٿي وڃان“..... ”هاڻي تہ اولاد به گهر ۾ عزت ڪونہ ٿو ڪري، اُهي به مونکي سهن ڪونہ ٿا، تون ڪهڙو پيءُ آهين جو اسان جي ڪا خواهش پوري نٿو ڪرين.....”منهنجيون خواهشون ڪڏهن کان مري ويون آهن جن کي ڪيترائي سال گذري ويا آهن..... ڳالهائيندي هنن جو اندر اڏ ٿي ويو ۽ هُو ان رات ننڊ نہ ڪري سگهيو ۽ ٻئي ڏينهن پنهل ويچارو مجبور ٿي ڪراچي روانو ٿيو. ڪراچيءَ پهچي هُن هڪڙي ڏاڪي واري فيڪٽريءَ ۾ ڪم ڪيو.

ڪراچيءَ ۾ ڏاڪي واريءَ فيڪٽريءَ ۾ پندرنهن ڏينهن ڪم ڪيائين ۽ هُو رمضان واريءَ عيد تہ ٻہ گهر ڪونہ ويو هو. پنهنجي وڏي پٽ کي گهر موڪليو. فيڪٽريءَ جي اوڙاهہ گرميءَ ۾ جڏهن ڪم ڪيائين، تہ هن جي طبيعت ويتر خراب ٿي وئي. پنهل کي تيز بخار اچي ويو ۽ هُو ٽُلي فيڪٽريءَ ۾ صفا ڪري پيو. پوءِ مزدورن ڪجهہ پيسا گڏ ڪري پنهلکي وري واپس گهر روانو ڪيو. هُو گهر اچڻ لاءِ تيار ڪونہ هو.هُ جي دل نٿي چاهيو تہ گهر اچي مجبورن گهر اچي صفا کٽ جهلي ڪري پئي. نہ اُٺڻ جهڙو رهيو ۽ نہ ئي ويهڻ جهڙو رهيو. نہ ڪير علاج ڪرائڻ وارو هئو ۽ نہ ئي علاج جي لاءِ ڪي پيسا هئس. ياڳيريءَ ڏنو تہ پنهل هاڻي موڪلائي پيو پُنهل جا جاڻ ڪي آخري پل آهن. جيڪي هُو هاڻي گذاري پيو. پنهل اڄ وجي يا سياڻي وجي. ياڳيريءَ ڏنو تہ پنهل جي موڪلائيويو تہ آئون لِي ويندس، مڙس پوءِ به مڙس آهي زال جو ڪوٽ آهي اِهو جي ڪوٽ ڏهي پيو تہ آئون ڪيڏانهن ويندس. ياڳيريءَ ڪي جڏهن اهي خيال آيا تہ آئون ڪيئن به ڪري پنهل جو علاج ڪرائيندس.....

سرڪاري اسپتال ۾ ڊاڪٽر گُل محمد وٽ جڏهن علاج لاءِ ونيو ويس، تہ ڊاڪٽر گُل محمد پنهل ڪي ڏسندي ئي چيو تہ ”هن ڪي مدي جو بخار ٿي ويو آهي ۽ مدي جي بخار شديد حملو ڪيو اٿس ”بهرحال آئون علاج ڪريان ٿو. الله بهتر ڪندو.

نيڪ ٿي ويندو.“ ڊاڪٽر گل محمد پنهل جو ننڍپڻ جو دوست هو.....

پنهل کي جڏهن مدي جو بخار شديد وڏي ويو تہ هن سوچيو تہ هاڻي بچڻ مشڪل آهي، سو پنهنجي ادبي دوستن ڏانهن فون ڪري چيائين تہ ”دوستو اچي مون سان ڪچهريون ڪريو، آئون شايد نہ بچي سگهان. ”اسان سان ڪچهريون ڪريو دوستو“ هليا ويناسين، اوچتو اوچتو.....“

دوستن جڏهن اِهي خبرون ٻڌيون، تڏهن هن جا ادبي دوست سيئي پڇڻ آيا. ادبي دوستن دلاسا ۽ دلداريون ڏنيون تہ پنهل جي طبيعت ڪجهہ بهتر ٿيڻ لڳي، پنهل پنهنجن دوستن کان نڪي ڪجهہ گهريو ۽ نہ ئي علاج لاءِ چيو، بس هُن رڳو اهو چيو تہ، مونسان ڪچهريون ڪريو.....

پوءِ ڊاڪٽر گُل محمد ۽ ادبي دوستن خوب نيايو. پنهل کي اڪيلو ڪونہ ڇڏيائون. ڪاڏي پيتي ۽ دوائن تائين سڀ خرچ دوستن ڪيو. جڏهن ياڳيريءَ اِهو سڀ ڪجهہ پنهنجي اکين سان ڏٺو، پنهل سان دوستن جو ايڏو پيار ۽ اهڙين پيانڪ حالتن ۾ پنهل جي دوستن وفا ڪري ڏيکاري ۽ پوءِ آهستي آهستي پنهل جي طبيعت بهتر ٿيڻ لڳي، ڊاڪٽر تہ علاج

ٺيڪو ڪونہ ڪنيو آهي، جو ٻنهي زال مڙسن کي کارايان، بس مون کان ڌار ٿيو.....

هن کي پرائمري ماستري پنهنجي پيءُ ڀلوڙ مينهن وڪڻي ٽيهہ هزارن ۾ وٺي ڏني سا بہ مهينو کن هلي، سا بہ پنهل کان ڦرجي وئي، پوءِ تہ ڀٽائيءَ جي بيت وانگر.....

”ڪنهن پر روئان روئي نہ ڄاڻان“

جهڙو حال ٿي ويس، پوءِ تہ بيروزگاري راڪاس جيان ڪاهي پيس، وڻ ويڙهي جيان پنهل کي وڪوڙي وئي، اڏوهي وانگر ويس کائيندي. آخرڪار هيءُ چئن نياڻين ۽ ٻن پٽن جو پيءُ بڻجي ويو. نياڻيون اڄ ننڍيون، سڀاڻ وڏيون.... ٿينديون، ٿينديون. اچي لائق ٿيون، پنهل جا سور صدما ويتر وڌي ويا. نياڻين کي پرڻائڻ لاءِ هن وٽ گهر ۾ ڪجهہ بہ ڪونہ هو. هرڪو هن کي پيو چوي، تہ نياڻيون ايئن اُ ٿاري ڇڏ، پر ڀاڳيري چوي، ايئن ڪو ٿيندو منهنجيون نياڻيون، ٻڪرين جو ڌڻ ڪونهن، جو ائين ڪاهي ڏيئي ڇڏيان، آئون تہ پنهنجين نياڻين کي لاڏ ڪوڏ، سان ڏاج پوت ڏيئي پرڻائيندس. پنهل گهڻو ئي ڀاڳيريءَ کي سمجهايو پر ڀاڳيري ٿيندي آهي جو پنهل جي ٻڌي.

”توکان جي نياڻيون نٿيون پرڻائجن تہ آئون پاڻ مرچٽڦُيون چونڊي لابارا ڪري نياڻيون پڙڻائي ڇڏيندس، توکان تہ گهر ڪونہ ٿو هلي، سو تون ٿو نياڻيون پرڻائين، سڄو ڏينهن هنن مئن نڀاڳن ڪتابن ۾ جو منهن اٿئي. جڏهن ڪنهن جي گهر ۾ نياڻيون لائق ٿينديون آهن. انهن ماڻهن جو سک ڦٽي ويندو آهي. ننڊون حرام ٿي وينديون آهن. توکان تہ چڱي هئس تہ پاڙي واري چرئي کمون سان شادي ڪريان ها، جيڪو آهي چريو، پر زال کي پاري ويٺو، پاڙي وارن جوڳن ٻڪريون مينهون چاري پيٽ تہ پاري ويٺو، سو تون انهي مُئي ڪاري قلم مان هٿ بہ ڪونہ ٿو ڪڍين، سڄو ڏينهن ويٺولکين، خالي ڪاغذ ڪارا ڪيا اٿئي. ٻيو توکي مليو ڇا آهي.

”ڀاڳيري هيترا، جملا، هيترا لفظ، تون ڳالهائي وئي آهين، ايترو تہ ڪير سياستدان بہ ڪونہ ٿو ڳالهائي، ڪمال آهي اوهان زالن کي هيترا سارا لفظ دماغ ۾ الائجي ٿا ويهن؟!!“ پُنهل حيرت ۾ پئجي ويو تہ، ٻهراڙيءَ جون اڻپڙهيل زالون بہ، اسان قلمڪارن کان بہ ڳالهائڻ ۾ مٿي آهن. پُنهل هلڪي مُرڪ چپن تي آڻيندي ڀاڳيريءَ کي چيو تہ ”چڱو ٿيو جو تون اڻپڙهيل آهين، نہ تہ پڙهيل لکيل ڪا وڪيل زال هجين ها تہ! آئون هينئر ڦاسيءَ تي لٽڪيل هجان ها.....“

”آهين تہ تون ڦاسيءَ تي لٽڪائڻ جهڙو مڙس، پر منهنجو وَسَ نٿو پُ ڄي، نہ تہ هينئر ئي توکي ڦاسيءَ تي لٽڪائي ڇڏيان“.....

پنهل يک اهو ٻڌي ڄڻ جسم ۾ باهہ لڳي وئي ۽ چوڻ لڳس تہ مون بہ زندگيءَ جا 25 سال پورا سور کاڌا، ڌڪا کاڌا راتين جو ٻنيءَ تي لنڊيون لتاڙيون اٿم، لانچن تي سمنڊ جاڳي مڇيءَ جو ڪم ڪيو اٿم، شگر ملن ۾ ڪم ڪيو آهي، ڪراچيءَ جي روڊن تي ڌڪا کاڌا اٿم. ڪراچي جي ڌاڳي وارن ملن ۾ واُڙاهہ جهڙي گرميءَ ۾ ڪم ڪيو اٿم، مون بہ گهڻا ئي سور ڏٺا اٿم، ايتري قدر جو تنهفنجي ڪُرڪي، طعنن مهڻن مون کي ڪچي جو ٻيلو بہ ڏيکاري ڇڏيو، جتي رات ڏينهن گولين جا ٺڪاءَ هئا انهن ٻيلن ۾ رُڳو ڌاڙيل رهندا آهن. چڱو ٿيو جو آئون بچي آيس نہ تہ توکي منهنجي جسم جي هڏي بہ ڪونہ ملي ها.“

”هاڻي ٺهيو، ٺهيو، پنهنجي گهڻي واکاڻ نہ ڪر.....“

”سڀاڻي وڃ ڪراچيءَ ۽ هُتي مِلَ ۾ ڪم ڪر. ڪي ٻہ ٽي ڏوڪڙ موڪل تہ گهر جو گاڏو هلي، هتي تہ 24 ڪلاڪن کان وٺي 48 ڪلاڪن، ٻُکُون ڪاٽيون اٿم تنهنجي گهر ۾.....“

”اهي ڪوڏُن مون بہ ڪاٽيون آهن، رڳو تو نہ.“

”منهنجا حال ڏس

پنهل کي کا فوج پوليس جهلي نہ وجي. پوڙهو پيءُ به ڀُڄ سانجهي پيو واٽون نهاريندو هو. ڪڏهن ٿو پنهل گهر اچي. ماءُ پيءُ پنهل کي پلاند وڌا ته "ابا اهي ڪامريڊون ڇڏي ڏي، پنهنجيءَ پڙهائي جو سوچ سياڻي اهو علم ڪم ايندئي، نڪي ڪامريڊ اهي ڪامريڊ رڳو سڪٽا خواب ٿا ڏيکارين. نڪي کا حقيقت اٽئي. الله ٻڌ توکي هدايت ڏي.....

وري جو وقت جو ڦيٽو ڦرندي ڦيرو کاڌو ته، پُ نهل کان ڪامريڊن ائين منهن ڦيريو، جو پُڇا به ڪونہ ڪيائون پنهل جيئرو آهي ڪري مري ويو.....

ڪامريڊن کان پوءِ پنهل کي کهاڻيون لکڻ استيج ڊراما لکڻ ۽ شاعريءَ ڪرڻ جو شوق جاڳيو ته هٽي وڃي هنڊ ڪيائين. پوءِ پنهل استيج جو بادشاهه ٿي ويو. استيج تي خوب اداڪارين ڪيائين، مزاحيه اداڪاريءَ جو شهنشاهه ٿي اُپريو. مزاحيه اداڪاري جڏهن استيج تي ڪندو هو. تڏهن ماڻهن کي ڪلائي ڪلائي، ڪيرو ڪندو هو ماڻهن جي دلين جو راڻو ٿي ويو. پنهل جڏهن ڪو استيج ناٽڪ پيش ڪندو هو ته پنهل جي اداڪاريءَ کي ڏسڻ لاءِ ماڻهن جا حشام گڏ ٿي ويندا هئا.....

هر طرف واهه، واهه جي وائي هوندي هئي. پنهل جي استيج ناٽڪن لاءِ جڙ گيرتنيءَ هوندي هئي. جنهن ناٽڪ ۾ پنهل آهي، اهو ناٽڪ ڪامياب ويندو، هر ناٽڪ پنهل کان سواءِ اڌورو سمجهيو ويندو هو. هن پنهنجيءَ زندگيءَ ۾ 200 کان مٿي استيج ناٽڪن ۾ ڪم ڪيو. پنهل پاڻ ڊراما لکندو هو.....پنهل کي پنهنجي شهر ۽ علاقي جي ماڻهن استيج جي مايا ناز اداڪارن جو لقب ڏنو، تون يار انهن جي مقابلي جو اداڪار آهين.

پنهل ادب جي دنيا ۾ خوب نالو ڪمايو. سندس کهاڻيون، ڪالم، مضمون، شاعري سنڌ جي مختلف ادبي رسالن ، ميگزينن ۽ اخبارن جي زينت بڻيون. وري جو ريڊيو ايف ايم تي ڪم ڪيائين. سنڌ جي مٿي وارن سُ ڳهڻن سان ڪچهريءَ جا پروگرام ڪيائين ۽ ايف ايم ريڊيو جي وڏن وڏن ڪمپيئرن سان ڪمپيئرنگ ڪري داد حاصل ڪيائين. زندگيءَ جا چار سال ريڊيو ايف ايم تي جادو جڳايائين. ايتريقدر جو هُن پنهنجي علاقي ۾ هڪ نندڙو ايف ايم ريڊيو ٻه هلايو، پنهنجي ٻڌندڙن جو هڪ وڏو حلقو ناهيو، جيڪي اجا تائين ڪيس ياد ڪن ٿا.....

پاڪيزهيءَ سان جڏهن شادي ڪيائين تڏهن زندگيءَ جا سڀ رنگ وکري ويا. زندگيءَ جا سڀ مزا هوائن ۾ ائين گُم ٿي ويا، جڏ اهي ڏينهن زندگيءَ ۾ هئا ئي ڪونہ!! پوءِ زندگيءَ پنهنجو پاسو بدلايو. زندگيءَ جهلي لاها چاڙها شروع ٿيا هئا. جنهنجو هن ڪڏهن سوچيو ٻه نہ هو، ته اهڙا ڏينهن ٻه ايندا. زندگي جا سڀ رخ تبديل ٿيندا ويا. سڀ ڏينهن راتيون سال وقت سڀ جو سڀ موڙ ڪائيندا ائين گذري ويا خبر ئي ڪانہ پئي جڏ ڪو ڪن پل جو خواب هو جيڪو اک ڪلڻ سان جڏ ڪجهه ٻه نہ هجي.

پاڪيزهي سڄي پاڙي جو هڪ هئي. هرڪو پيو پنهل کي چوندو هو، چورا تنهنجا پاڳ ڪلي پيا، جو پاڙي جي هڪ اهڙي حسين حُور پري جهڙي چوڪري ملي اٽئي. چاچي ڪمال خان ٻه پنهنجي وڏي پاءُ مان رکندي، سياڻي خان کي پنهنجي نياڻي ڏيئي ڇڏي، ڪمال خان ٻين پائرن کوڙ منٽو ميڙون ڪيون، پلاند پٽڪا لاهي پيرن تي رکيا ته ادا پاڪيزهيءَ جو سڳ اسان کي ڏي؛ پر ڪمال خان تو ٿو ڪنهنجي ڳالهه ٻڌي، "اوهان سيئي منهنجا سڳا پائر آهيو، هڪڙي ابي اما جا آهيون، پر سياڳو خان منهنجو وڏو پاءُ آهي، جنهن هلي اچي مون کان پاڪيزهيءَ جو سڳ گهريو آهي. مون ٻه ڪٽي نياڻي وڏي پاءُ جي جهولي ۾ وڌي، اهڙو آئون ٻه چريو ڪونہ آهيان،جو پنهنجي وڏي پاءُ کي مانُ نہ ڏيان ۽ خالي موٽايان، اهو ڪڏهن نہ ٿيندو جو وڏي پاءُ کي ماڏيان. اهو ته ڪمال خان جي شان ۾ ئي ناهي.....

پنهل، پاڪيزهيءَ کي شادي ڪري گهر وٺي آيو، ته هفتو ڪن مس گذريو ته وڏي پاءُ چيس ته "مون

محمد قاسم ڪلوئي
ٽنڊو جان محمد

پُنهل

”او مئا، او مئا، هنن ڪتابن مان هٿ ڪڍ، هنن مُئن ڪتابن ۾ رکيو ڇا آهي؟“ پُنهَل جي زال ڏند ڪَرٽيندي ڪاوڙ ۾ چيو. پُنهل ويچاري ٿڌو ساهه ڀريندي زال کي چيو. ”منهنجا ادبي ڪتاب توکي ڇا ٿا ڪَنَنڪي هي وڙهن، نڪي هي ڳالهائين، نڪي هي توکي تنگ ڪن، هرون ڀرون پئي ڪاوڙ ڪرين ڀاڳيري.“ ڀاڳيريءَ اهي جملا پنهنجي مُڙس کان ٻڌا، ته ويتر ڀيڀر ٿي پئي، نرڙ تان پگهر اگهندي چيائين ”آئون چوانءِ ٿي ته هنن ڪتابن کي منهنجي گهر مان ڪڍ نه ته،آئون ساڙي رَکُڪري ڇڏيندس.“ ”ڇو ڀلا“ پنهل نماڻائي مان ڇان رڙ ڪندي چيو. ”ڇو ڀلا ڇو؟! تون ڪتابن جي ڪري ڪمائين ڪونه ٿو سڄو ڏينهن تنهنجو هنن مُردن ۾ منهن آهي. اَلائي ڪٿان اهي مُردا، بي جان بيڪار اچي گڏ ڪيا اٿئي گهر ۾“ ڀاڳيريءَ گهر جي اڱڻ تي ٻُهارو ڏيندي پنه کي اِهي جملا ڳالهايا.

پُنهل ٿڌو ساهه ڀريندي، شوڪارو هڻندي، ڀاڳيريءَ کي غُور سان ڏٺو.ڀاڳيريءَ ڪِچرو بالٽي ۾ وجهندي، باهه جي شولن جيان ڀڙڪا کائي ڪچري واريءَ بالٽيءَ کي گند جي ڍير تي زور سان اڇلائيندي، سِج لهڻ وقت جڏهن ڳاڙاڻ ٿيندي آهي، ائين منهن ڪري پنهل تي وري لفظن جا وار ڪيائين،لفظ به اهڙا، نڌڻُ جهڙا نه سهڻ جهڙا، هتي پنهل کي ڪنهن شاعر جون سٽون ياد اچي ويون، جيڪي بلڪل پنهنجي زال ڀاڳيريءَ تي ڄڻ شاعر لکيون هجن.

سُورَ جيڪي سهڻ جهڙا نه هئا، سهڻا پيا،
لفظ جيڪي ٻڌڻ جهڙا نه هئا، ٻڌڻا پيا.

”منهنجي مائٽن جي ڪهڙي ڦٽي هئي جو تو جهڙو بي نڪو، بيڪار ڙُس مونکي..... مونکي خبر هجي هانه تون اِهڙو ڪو صفا بيڪار نڪمو مڙس آهين ته آئون توسان شادي ڪونه ڪريان ها. منهنجو به نصيب ڦِٽو جو توسان لائون لٽم.....“

اِهي جملا، اِهي ڳالهيون، پنهل لاءِ روز جو معمول بڻجي چڪا هئا. گهر ۾ بُک بدحالي ڪيترن سالن کان ڏسندو اچي پيو. ڪڏهن به سک جو ساهه ڪونه کنيائين. ڄڻ هِنَ سُک ڄائي ڄم کان ڏٺائي ڪونه. پيءُ هارپو ڪندو هو. ۽ سندس ماءُ پيءُ سان گڏ سڄو ڏينهن ٻني ٻاري جو ڪم ڪندي هئي. پنهل کي پڙهڻ جو شوق بلڪل ڪونه هو، پر سندس پيءُ زوريءَ انٽر تائين پڙهايس. ٻه ٽي اکر پڙهي پيو. تڏهن لکڻ پڙهڻ جهڙو ٿيو. وري جو پنهول کي ريڊئي ٻڌڻ جو شوق جاڳيو ته ريڊيو سان هن جو ڄڻ عشق ٿي ويو. ننڍي هوندي هن کي ريڊيو وٺڻ جو شوق جاڳيو. پنهنجي پيءُ سان انگل آرا ڪري، ريڊيو ورتائين. پيءُ به پنهنجي ٻڪرين جي واڙي مان هڪڙي ڀلوڙ ٻڪري وڪڻي ريڊيو وٺي ڏنس. پوءِ سڄو ڏينهن ريڊيو ڪڇ ۾ وجهي پيو چوندو هو، هيءُ ريڊيو پاڪستان حيدرآباد آهي. وري پنهل کي ريڊيو ۾ ڳالهائڻ جو شوق جاڳيو ته، سندس پيءُ هڪڙي ننڍڙي لٺ ٺاهي ڏنس، جنهن جي مٿي مٽيءَ جو ڳوڙهو ٺاهيکيَ ڏنائين، پوءِ پيو سڄو ڏينهن لٺڙيءَ کي جهلي مائيڪ سمجهي، پيو چوندو هو، هيءُ ريڊيو پاڪستان حيدرآباد آهي. بس پوءِ نينهن جو ناتو ريڊيو سان ئي ڳنڍي ڇڏيائين.

ڇهين درجي ۾ پهتو ته، ڪامريڊن جي وَرَ چڙهي ويو. ڪامريڊن اهڙو ته ذهن ڀريس جو اجهو ٿي سنڌ فتح ٿئي. سنڌ ڄڻ پُراڻَ جي هُنَ پار هجي، بس ٻُڌي سنڌ کوي فتح ٿا ڪري وٺون. انقلاب کان وٺي سنڌ فتح ڪرڻ جا خواب ڪامريڊن اهڙا ته ڏيکاريا، جو نڪا ڏينهن جي خبر، نڪي رات جي خبر.... ڪيڏانهن وئي پڙهائي، ڪيڏانهن وئي تعليم بس انقلاب ٿا آڻيون، اِجهو ٿا سنڌ کي فتح ڪري پيرن هيٺيان لتاڙي، انقلابي ڳاڙهو جهنڊو ٿا کوڙيون.

هيءُ راتين جون راتيون ڪامريڊن جي پويان، ماءُ ويچاري راتيون جاڳي، انتظار ڪندي هئي. متان

ٽرئفڪ روان دوان هئي. هن سوزڪيءَ واري کي هٿ جو اشارو ڪري بيهڻ جو چيو ۽ سوزڪيءَ تي چڙهي اچي المنظر هوٽل وٽ لٿو. هوٽل وڃڻ بجائي هن ڄام شوري پل جو رستو اختيار ڪيو. هلندي هلندي وڃي وچ پل وٽ بيٺو، سج اُلهي چڪو هو. رات پنهنجا پر پکيڙڻ شروع ڪري چڪي هئي. پُل جو لائيٽون ٻري چڪيون هيون، درياءَ جا ٻيڙياتا پنهنجون ٻيڙيون درياءَ جي ڪناري تي ٻڌي گهر پنهنجن ٻچن ڏانهن وڃڻ جا سانباها ڪري رهيا هئا. دريا بہ سانوڻيءَ جي موسم ڪري پنهنجي عروج تي گجگوڙ ڪندو وهي رهيو هو، هونئن پل جا ٻہ ڪي ٽي دروازا کليل هوندا آهن، پر هن وقت تقريبن سڀئي دروازا کليل هئا جنهن مان پاڻي پنهنجي پوري جوڀن سان وهي رهيو هو. پل تي ٽرئفڪ جو هڪ عجيب گوڙ هو، هن پاڪيٽ ۾ پيل آخري سگريٽ دکايو، محب هڪ ڀيرو وري درياءَ بادشاهہ ڏانهن نهاريو، هن ڄام شورو پل جي ريلنگ تي چڙهي قدم وڌايا تہ هن کي فرح جا اهي لفظ ياد اچڻ لڳا، جيڪي هن ئي پل تي هلندي هلندي هن کي چيا هئا تہ ”محب خبر اٿئي تون مونکي ٻين کان الڳ ڇو لڳندو آهين.....؟“ مون مختصرن چيو هو:

”نہ“

”تنهنجي سچائي ۽ بهادري جي ڪري.....!“

مون لفظ بهادريءَ کي وري ورجائي ڄڻ وضاحت تي پڇيم ”بهادري.....!!!“

”ها، تون هن ناسور کاڌل سماج سان ٽڪر کائين پيو، تون هلندڙن گولين ۾ بہ ميدان نہ ڇڏيندو آهين، تون.... تون پنهنجي مقصد ڪاڻ پنهنجيون سڀ خوشيون قربان ڪري ڇڏيندو آهين، تون اسان جهڙين ڇوڪرين جو ڄڻ سهارو آهين، جيڪي هن سماج جي انڌين رسمن جي ور چڙهيو وڃن ٿيون، جن لاءِ ڪو آواز اٿارڻ لاءِ تيار ڪونهي، محب تون اسان جهڙين مظلوم نياڻين لاءِ ائين وڙهندو رهندين نہ..... اسان جي اميدن کي ائين وچ رستي ۾ رولي تہ ڪونہ ويندين نہ، مَنَ‌پهريان قدمتون کڻين ۽ تنهنجي پُٺيان قافلو ٺهي پئي.....“ محب جا قدم جتي هئا اتي بيهي رهيا، هيٺ رود تي لهي واپس قدم کڻڻ لڳو ۽ دل ۾ عهد ڪيو تہ ”مون کي زندگيءَ سان وڙهڻو آهي فرح جهڙين ڪومل ڇوڪرين لاءِ.....“ محب جي چهري تي سڪون جون ريکائون رقص ڪرڻ لڳيون، ڄڻ هُو جيڪا منزل وڃائي چڪو هو سا منزل هُن جي سامهون هئي.

”نہ.....!!“

”پوءِ.....!“

”چيم نہ ڪجھ ڪونھي، مرئي طبيعت خراب اٿم.....“

نورل، محب جي ٻانھن ڇڪي ۽ نبض جانچيائين، نرڙ تي ھٿ رکي ڏنائين ”بخار تہ نہ اٿئي.....“

”بخار کانسواءِ ٻي ڪا بيماري نہ ٿي سگھي چا.....“محب ڇڙي وراٽيو.

”کائين ٿو اصل..... ٻلا چاٽ کائون.....، نورل گاڏي واري کي چيو ”ہہ پليٽون چاٽ جون بمبار قسم جو ناھ.“

”نہ نہ.....آئون نہ کائيندس..“

”چو روزو رکيو اٿئي چا.....؟“

”دل نٿي چوي....“

”دل اٿئي يا جر فوٽو.....، ڪنھن وقت تي نھي ٿي تہ ڪنھن وقت ڦاٽي ٿي.....!“ محب ڪرسيءَ تان اٿي وڃڻ لڳو تہ نورل ہہ چاٽ جو آرڊر ڪئنسل ڪري، ساڻ ھلڻ لڳو.

”آخر ڳالھہ چا ٿي آھي....فرح ڪاوڙ جي ويئي آھي چا.....؟؟“

وھُورل ڏانھن ڏک پرين نگاھن سان نھاري، وري ڪنڌ ھيٺ ڪري ھلڻ لڳو ”ڪھڙي ڳالھہ تان ڪاوڙي آھي.....؟“

” يار، ھوءَ ہہ سماج جي ڪُ ڏين رسمن ۽ ڪوڙين انائن جي ور چڙھي ويئي.....“

”نہ نہ نہ..... ائين ممڪن ئي ڪونھي، ھوءَ ڏاڍي بھادر ۽ بردبار چوڪري آھي.....“

”نورل، ھوءَ اڳئي چوندي ھئي تہ اسان جھڙين نينگرين جي نصيب ۾ رڄ جي اڄ لکيل آھي، يار آئون ان کي نہ بچائي سگھيس.....“

”چوين چا پيو.....، ھوش ۾ تہ آھين.....!“

نورل، محب جي وات جي ويجھو وڃي شراب جي سنگھڻ جي ڪوشش ڪئي ”نورل، ھوءَ پرٽجي ويئي.....!!!“

”ھان.....! ڪيئن.....ڪٿي..... ڪنھن سان .....؟“

”بس، سماج جي انائن جي ور چڙھي ويئي ھڪ اٽپڙھيل جاگيردار جي ٻنڊڻ ۾ ٻڌجي ويئي ڪجھ ڪونہ ڪيائين.“

ھيءُ تنھنجا ھيڏا ليڪچر، تن جو ذرو بہ اثر ڪونہ پيس بس ڳگدامن جيان ڪسجي ويئي.“

”ڪجھ ڪرڻ جي پوزيشن ۾ ڪٿي ھئي، مرداڻي ۽ جاگيرداري سماج ۾ ھن جي حيثيت ئي چا ھئي؟“

”پوءِ ھاڻ تون چا ڪندين؟“

”نورل، دل ٽُٽي پئي اٿم، من اُداس آھي، دنيا سڄي ٻُسي ٻُ سي پئي لڳي، ڇڻ مونکان ڪنھن منھنجي پياري مان پياري شيءِ کسي ڇڏي ھجي، ڇڻ ھڪدم منھنجي جھولي خالي ٿي ويئي ھجي، ھڪ اھڙ پيڙا آھي جيڪا سھڻ جوڳي ئي نہ آھي.....“

علي رضا، بائيڪ اڇي، ھن جي سامھون بيھاري ۽ چيو:

”نورل، ڪيڏي مھل ھاسٽل مان نڪتين، آئون تہ ڳولي ڳولي آخر ٽڪجي ھتان چڪر ھڻي واپس ٿي ويس تہ اوھان تي نظر پئجي ويم، پنھنجي ڪم جي يادگيري اٿئي ڪي نہ.....!!“

نورل بہ وڏي رڙ ڪندي چيو:

”اڙي يار.....ھل ھل.....“

نورل عليءَ سان گڏ بائيڪ تي چڙھي روانو ٿي ويو، محب وري بہ رود تي اڪيلو ئي ٻينو ھو، ھُو مايوس ٿي چڪو ھو، ھاڻي ھن کي ائين ٿي لڳو تہ دنيا ۾ ڪجھ بہ نہ آھي رھيو، فرح چا ويئي پاڻ سان گڏ سڀ رونقون، خوشيون کڻي ھلي ويئي، ھلندي ھلندي ھيءُ ماروي ھاسٽل واري رستي تي پھچي ويو ھو. سامھون ھن کي ماروي ھاسٽل جي عمارت صاف نظر اڇي رھي ھئي. ماروي ھاسٽل جي عمار کي ڏسي، اکين ۾ لڙڪ تري آيس، منھن مٽائي، ماروي ھاسٽل وارو رود ڇڏي مخالف سمت ۾ نڪري ويو، ھُو ٻي رستي کان اڇي سپر ھاءِ وي تي پھچي ويو. سپر ھاءِ وي تي ائين ئي روز جيان

مير سجاد اختر ٽالپر
ٽنڊو جان محمد

ماڪ ڀنل رستا

سنڌ يونيورسٽيءَ جو اهوئي ڪشادو روڊ، اُهي يوڪلپس جا وڻ، اهي خاموش عمارتون..... محب لاءِ اهي جڳهيون ڪي اوپريون نه هيون، انهي روڊ تي هلندي، هن فرح سان زندگيءَ جا مسئلا ڊسڪس ڪيا هئا، زندگي جون پلاننگون جوڙيون هيون، ڪُڌين ريتن رسمن سان بغاوت جو بحث ڪيو هو، جنهن ۾ فرح هن کي حوصلو ڏيندي هئي. محب ترقي پسند لڏي سان سلهاڙيل هو ۽ فرح جو تعلق هڪ قبائلي ۽ جرڳائي سردارن سان هو. ٻئي هڪٻئي جي متضاد هئا پوءِ به هُ و ڄڻ هڪ ٻئي لاءِ لازم ملزوم هئا، اڄ صرف محب هو ۽ محب جي آڱرين ۾ ڦاٽل گگدام سگريٽ.....بس.....! محب کي جيل ڏکيا ڪونه لڳا، هن کي هٿ ڪڙيون ۽ پير ڪڙيون ڏکيون ڪونه لڳيون هُو انتهائي ڏکين حالتن ۾ به مردن جيان پنهنجي جستجو ۽ جدوجهدن ۾ هلندو رهيو هو، پر فرح جي وڇوڙي هن کي ڀڃي ڀوري ڇڏيو هو. هو چاهيندي به فرح جي يادن کان پنهنجو پاڻ کي آجو نه پئي ڪري سگهيو، هن کي اهو وقت به ياد هو جڏهن زولاجي ڊپارٽمينٽ ۾ ٻاهرين ملڪن جو هڪ وفد آيو هو ۽ باٽني ڊپارٽمينٽ جا سڀ ڇوڪرا ۽ ڇوڪريون به زولاجي ڊپارٽمينٽ جا سڀ ڇوڪرا ۽ ڇوڪريون به زولاجي ڊپارٽمينٽ ۾ آيون هيون، جنهن ۾ فرح به شامل هئي، جتي هن پنهنجو مقالو ’انساني ارتقا جو سائنسي نظريو‘ پڙهيو هو جنهن جي ٻاهرين ملڪ جي وفد ڏاڍي تعريف ڪئي هئي ۽ فرح پنهنجو مقالو ’وڻن ڪائنات جتي ماحولياتي اثر‘ پڙهيو هو جنن کي به تمام گهڻي پذيرائي سان نوازيو ويو. اسان ٻنهي کي تعريفي سَنَدَون مليون هيون ۽ اتان کان اسان ٻنهي ۾ ويجهڙائي ٿيڻ شروع ٿي هئي.....، محب هلندي هلندي ان چاٽ واري گاڏي وٽ پهتو، جتي فرح ۽ هيءُ هميشه چاٽ کائيندا هئا.

”سر، اڄ اوهان جي سِر جو سائين نه آيو آهي ڇا.....؟ گاڏي واري سوال اڇلايو.

محب ڪهڙو جواب ڏي ته هاڻي هوءَ ڳوٺان يونيورسٽيءَ ڪڏهن نه ايندي، محب گاڏي واري جي ڀر ۾ پيل ڪرسيءَ تي پنهنجو پاڻ کي ائين اڇلايو جڻ ڪوهين ميلن جو سفر طيءِ ڪري آيو هجي ۽ هاڻ سگهه ئي نه هُجيس. ”سر طبيعت ته ٺيڪ آهي نه.....!!!“

گاڏي واري پنهنجي پاڻيءَ جو گلاس ڀري محب کي ڏيندي چيو: ”سر لڳي ٿو اوهين ٿڪجي پيا آهيو.....؟..... بُک لڳي هوندؤ، چاٽ جي پليٽ ٺاهي وٺان.....“ محب ڪنڌ سان نهڪر ڪئي ۽ هٿن سان خالي گلاس کي ڦيرائيندو رهيو، ڄڻ ڪنهن گهري سوچ ۾ هُجي، گاڏي واري محب کي هڪ اَڇاتري نظر سان ڏٺو ڪلها اُچڪائي پنهنجي ڪم کي لڳي ويو.

محب کي اهو ڏينهن به ياد هو جڏهن نورل سان گڏ فرح جي جنم ڏينهن جي تحفي وٺڻ لاءِ، تلڪ چاڙهيءَ کان وٺي ريشم گهٽيءَ تائين هڪ هڪ دڪان تي رُليو هو ۽ ڪابه شيءِ پسند نه پئي آيس، سٺي مان سٺي شيءِ به هن کي فرح جي جنم ڏينهن لاءِ گهٽ ٿي لڳي، انهي رل رلان ۾ نورل سان به جهيڙو ٿي پيو هئس.

”پيارا ڪهڙا حال اٿئي.....؟“

نورل، محب جي پٺيءَ تي ڌڪ هڻندي چيو. محب ڪاوڙ ۽ بخيلائيءَ جي انداز سان نورل ڏانهن نهاريو، نورل محب جي اهڙي نهار ڏسي وراڻيو:

”وڙهندين ڇا.....؟“

محب ڪڇيو ڪونه.

نورل ٻي ڪرسي گهليندي چيو: ”ڇا ٿيو آهي جو ٻلي جهڙو منهن ڪيو ويٺو آهين.....؟

”ڪجهه ڪونهي.....“

”واهه.....! اسان جهڙوڪر رڍون چاريون آهن. سچ ٻڌاءِ ڇا ٿيو آهي.....، ڪنهن سان جهيڙو ٿيو آهي ڇا.....؟“

چوڻ وڻي رب جي رضا تي رهي ڪجهه سيبو ٽوپو ڪري پئي وقت ڪٽيندي هئي، پاڙي وارا ڏاڍي عزت ڪندا هئس.

زينان انٽر ۾ هئي ته سندس پيءُ گذاري ويو هو، سندس پيءُ کيس ڏاڍو پيار ڪندو هو. اجايا لاڏ ڪوڏ ڪٽي کيس ضدي پڻ ڪري ڇڏيائين شڪل جي موچاري ۽ رنگ جي اڇي هئي کيس ڪپڙو لٽو ۽ ڏاڍو نهندو هو، جيڪو ڏسندو هئس سو سڪينه کي اهوئي چوندو هو ته، "ڏيءَ ته چوڏينهن جو چند اٽيئي الله شل نصيب ۽ اهڙو سهڻو ڏئيس." زينان کي پنهنجي صورت ۾ سونهن تي فخر ٿيڻ لڳو. سندس مائٽيون ۽ اچڻ لڳيون هيون پر پٽس جي بيماريءَ سبب ماٽس ڪٽي ڳالهائي ئي ڪونه سگهي هئي. هاڻي ته اهڙا حالات ئي ڪونه هئا. هوءَ ملول رهڻ لڳي. پيءُ جي وفات سان سجو گهر جڙ پُري پيجي ويو. نيٺ سڪينه اوڙي پاڙي جي چئن چگن سان حال اوريو ته زينان کي ڪا نوڪري ملي. ترت ئي هڪ حيثيت واري جي چوڻ سان زينان کي ويجهي اسڪول ۾ نوڪري ملي ويئي، جتي ٻن سالن کان پوءِ فارينا کي به نوڪريءَ جو آرڊر مليو ۽ فيصل پڻ ماسيءَ جي گهر رهي ڪراچيءَ ۾ پڙهڻ لڳو. هاڻي سڪينه جو فڪر ڪجهه گهٽ ٿيو، بس هڪ ئي فڪر هئس ته نياڻين جي لاءِ سنا سڳ اچن ته پنهنجي فرض مان فارغ ٿيان، پر قدرت کي شايد ڪجهه ٻيو منظور هو چوندا آهن "هڪڙي بندي مَنَ ۾ ته بي ڪري الله" سو زينان هوڏ ۽ لاپرواهيءَ ڪري پاڻ لاءِ ڏڇو پيدا ڪري ڇڏيو.

هڪ ڏينهن شفق اصرار ڪري کيس گهر وڻي ويئي. سندس ماءُ کنهن شاديءَ ۾ ويل هئي. زينان، شفق جي ڪمري ۾ پلنگ تي ويهي ٽي وي ڏسڻ لڳي. اوچتو شفق جو پاءُ ڪمري ۾ داخل ٿيو، زينان شفق کي گهٽائي سڏ ڪيا، رڙيون ڪيون، پر اهو ٿيو جو نه ٿيڻ ڪپندو هو. شفق جي دوستيءَ ڪائنس حياتيءَ جي وڏي پونجي کسي ورتي. جڏهن شفق ظاهر ٿي تڏهن ڪائنس پيرين پئي معافيون ورتائين کيس قسم ڏنائين ته کنهن کي نه ٻڌائج نه ته تنهنجو ئي نقصان آهي، پر زينان جو ته هر حال ۾ نقصان ئي نقصان هو. بيواهه ماءُ ۽ پاءُ کي ڪهڙو منهن ڏيکاري پاڻ کان ننڍيءَ پيٽ سان ڇا اندر اوري روئي پٽي گهر پهتي. ماٽس نند پيئي هئي. سڄي رات روئيندي رهي. پنهنجو پاڻ کي ختم ڪرڻ جو سوچيائين، پر پوءِ نيٺ دل ٻڌي فارينا سان ڳالهه ڪيائين. هوءَ عمر کان ۾ وڌيڪ سمجهدار هئي کيس جاڻ هئي ته پاڙي جو هڪ شريف ڪمائو پر شڪل صورت ۾ پورو سارو چوڪرو عمران زينان پيٽ کي چاهي ٿو ۽ مائٽي ڪرڻ لاءِ نياپو ۽ ڏنو هئائين. سندس ماءُ ۽ هوءَ پاڻ سگ ي راضي ۽ هيون سو زينان کي ۽ سمجهائي راضي ڪجي ۽ هونئن ۽ زينان وٽ هاڻي کا پسند يا ناپسند جي ڳالهه ڪونه بچي هئي ۽ فارينا سجو شاديءَ جو ڪم همٿ ۽ بردباريءَ سان اُ ڪلايو جلدي زينان ۽ عمران جي شادي ٿي ويئي.

زينان جو فخر ۽ غرور ته متيءَ ۾ ملي ويو هو. سندس سمجهدار پيٽ هن جو گهر آباد ڪرائي ڇڏيو کيس ايترو ته سبق حاصل ٿيو جو سڄي حياتي عمران جي خدمت ڪندي گذاريائين. دل ۾ اها خلش ضرور پيدا ٿيندي هئس ته عمران کيس تمام گهڻو اعتبار ۽ پيار ٿو ڏئي تنهن کي انهيءَ حادثاتي واقعي کان آگاهي ڪريان، پر پيٽس کيس قسم ڏيئي روانو ڪيو هئس ته، لُڇي ۽ کڏهن اهو ذڪر زبان تي نه آڻجانءِ" هڪ سال اندر کيس پياري سهڻي نياڻي نويره پيدا ٿي. جڏهن نرس کيس چند جهڙي حسين نياڻي هنج ۾ ڏني تڏهن سندس سهڻي مُک کي چُمندي پڪو عهد ڪيائين ته نويره کي کڏهن به 'زينان' ٿيڻ نه ڏيندس.

ڦرڻ جو شوقين آهي نوڪري به نٿو ڪري ۽ ان جي ڪري ڪٿي مائيٽي به نٿي ٿيئيس. سندس ڀاءُ جي ڪري شفق جا ٻه سڱ ٽٽي ويا آهن ۽ اچي اڄ هوءَ 34 سالن جي ٿي آهي. زينان جي دل ۾ شفق لاءِ محبت ۽ احساس انتهائي وڌي ويو.

ساڳئي ئي اسڪول ۾ سندس ڀيڻ فارينا کي نوڪري ملي جا پڙهائيءَ ۾ هوشيار نوڪري ۾ پڻ وڏي ذميدار ثابت ٿي پرنسپل ۽ ٻيون ٽيچرز کيس ڀانئڻ لڳيون. ڪافي اسڪول جا اهم ڪم پرنسپل فارينا جي حوالي حوالي ڪيا. فارينا اسڪول ۾ شفق ۽ زينان جي گهڻي ساهيڙپ تي ڪجهه ٽيچرز جي ڀُڻ ڀُڻ ٻڌي کيس به ڏک ٿيڻ لڳو، پر هڪ رات جو دِل ٻڌي ڀيڻ کي چيائين ته، ”ادي شفق سٺي عورت ناهي سندس گهر جو ماحول صحيح ڪونهي، هُن جو ڀاءُ شرابي آهي ٻه دفعا اسڪول جي دروازي تي اچي چوڪيدار سان به بحث ۽ جهيڙو ڪري ٽوڙ ڦوڙ ڪري ويو آهي. سڀ ٽيچرز شفق کي پسند نٿيون ڪن. توهان ايترو ته هن جي ويجها ٿي ويا آهيو جو سڀ اوهان جي دوستيءَ تي هاڻي آڱريون پيا کڻن.“

اها زينا ئي ڪٿي جا ڪنهن جي صلاح مشوري کي هينئن سان هنڊائي، کيس چڱائيءَ ۾ چيل چار جملا طنز لڳڻ لڳا، سو هڪدم ڀيڻ کي دٻڙاٽ پٽيائين، ”تنهنجو ڇا؟ پنهنجي ڪم سان ڪم رک، ننڍي آهين ننڍي ٿي رهه، مون ته هتي ٻه سال ٿي چڪا آهن، مون کي شفق ۾ ڪوبه نقص ڏسڻ ۾ نٿو اچي. هوءَ الاهي قربائتي آهي. هيءُ سڀ اسان جي دوستيءَ تي سڙن ٿيون.“ فارينا کي ڏاڍو ڏک ٿيو سوچڻ لڳي ته اديءَ کي ته چڱائيءَ جو چوڻ به پيرن مان لاهي منهن تي هڻڻ آهي، پر ڇا ڪيان وري به رت آهي. ڀيڻ جو ٿي، سو آهستگيءَ سان چوڻ لڳي، ”ادي توهان کي خبر آهي پرنسپل هن کي ٽرانسفر ڪرائڻ جو سوچي رهي آهي. سندس هٿ سڄو ڏينهن موبائيل ۾ آهي، اٿي ويٺي صحيح نه اٿس ۽ ڪلاس ڪلاس جي ذميواري به پوري نه ٿي نڀائي. توهان جو هن سان ويجهو ٿيڻ پنهنجي بدناميءَ ۽ نقصان جو سبب نه بڻجي.“ زينان سندس ڳالهه پوري ٿيڻ کان اڳ دروازي کي زور سان ڌڪو ڏيندي ڪمري مان نڪري وئي فارينا کيس ڏسنديئي رهجي ويئي. هُن پڪو پهه ڪيو ته اڄ کان ڀيڻ کي ڪجهه به نه چوندي فارينا طبيعت ۾ سلجهيل سمجهدار ۽ ماءُ وانگر خوددار هئي. سندس مان سڪينه پنهنجي ٻارن زينان، فارينا ۽ فيصل کي مڙس جي ڪُمهليءَ وفات بعد ڏاڍي محنت سان پالي وڏو ڪيو هو. هوءَ باهمت هئي علي محمد جا مٿس دلين جا اپر هئا، پر جيئن ئي ٻه دفعا جلدي مدي جو تپ ٿيس ته بيماري مان چڱو ڀلو نه ٿي سگهيو، ويچارن وڏو وس ڪيو، پر امر الاهي اڳيان ڪنهن جي نه هلي راهه رباني وٺي هليو، سڪينه کي سڪي سڪي سڪيلڌو فيصل مليو هو جو اڃان ڏهن سالن جو هو ته يتيمي، جو بوجهه اچي پيس سڪينه کي مٽن عزيزن اوڙي پاڙي وارن ٻئي نڪاح لاءِ سمجهايو هو، عمر جي به اڌڙوٽ هئي، پر پڙ ڪڍي بيهي رهي ته، ”بچي شل فيصل منهنجو پٽ آهي اجهو ٿو جوان ٿئي، گهر جو ڀرجهلو ٿئي، مان پنهنجا ٻچا پاڻ پاليندیس، پر نڪاح نه ڪنديس.“ سندس پاڙو ڏاڍو ڀلو هو، چوندا آهن ته، پاڙو ابو امڙ آهي سو واقعي سڀ ساڻس وڏي همدردي به ڪندا هئا. کيس گهر پنهنجو هو. علي محمد وٽ ريزڪي دوڪان هو ته ٻه دوڪان مسواڙ تي هلندڙ هئس. کيس ڪابه تنگي نه هئي، پر گهر جي وڏي جي وڃڻ سان ڄڻ ڪُني اگهاڙي ٿي وئي، پر سڀني ساڻس ملهايو، معصوم ٻارن جو ساٿ هئس. پر هوءَ خرچائو ته هئي ڪونه، نه ئي هٿ ڦاڙ، مڙس جي بي وقتي موت سندس همٿ ٽوڙي ڇڏي هئي. پنهنجي سؤٽن جي صلاح سان دوڪان جو وکر وڪڻي اهو به خالي ڪري مسواڙ تي ڏئي ڇڏيائين. وکر مان مليل پئسا بئنڪ ۾ فڪس ڊپازٽ ۾ رکيائين. هاڻِ کيس بئنڪ مان ٽن دوڪانن جي مسواڙ مان ايتري آمدني ٿيندي هئي، جو گهر جو گذران ٿي ويندو هئس. کيس سڳا ڀائر ته هئا ڪونه ۽ فيصل ته خود ٻار هو، جو گهر سنڀالي سگهي، سو سؤٽن مڙيئي دلجاءِ ڏنس سندن

ڊاڪٽر پروين موسيٰ ميمڻ
حيدرآباد

زينان

زينان ڪڏهن جاڳندي ته چا، پرسُتي ۾ ڪونہ سوچيو هو ته ساڻس انهيءَ ريت دوکو ٿيندو ظاهري طرح ته انهي دوکي جو سبب ڪنهن ۾ پاسي کان سمجهه پر نہ پئي آيو شفق تي قائم ٿيل سندس اعتماد چيهون چيهون تي ويو هو، ڪيس خبر ئي نہ پئي ته ڪانس ڪهڙي خطا ٿي آهي جو اهڙي ويڌن ٿي اٿس. سندن ڪنن ۾ ننڍيءَ ڀيڻ فارينا جا چيل جملا ته، ”ادي خود کي سنيال سياڻي پچتائڻو نہ پويئي“ تيزاب جيان برڻ لڳا هئا. هوءَ پاڻ کي تمام خوبصورت ۽ خوب ڏاهي سمجهندي هئي ۽ ٻين کي اهو مجرائڻ ۾ چاهيندي هئي تنهن جو بانور لحظي ۾ پورا پورا ٿي ويو ڪيڏي نہ وڏي صدمي مان گذري رهي هئي. هاڻي اڳتي وڌڻ ايترو ته محال هو جيترو پوئتي هٽڻ ’پنهنجي ڪئي جو ويج نہ طبيب‘ سندس چيهه ئي چڄي ويا هئا. هوءَ هڪ اهڙي چوواٽي تي تنگيل هئي جتي پهچي سندس سڀ گس گهيڙ بند ٿي ويا هئا. شفق جي پاءُ ڪيس ڪٿي ۽ منهن ڏيکارڻ جي لائق نہ ڇڏيو هو. لڙڪن جو هڪ سيلاب هو جو نہ چاهيندي ۽ پئي وڏيو ۽ سندس وهاڻي کي پُسائيندو رهيو.

هوءَ انهيءَ ڏينهن کي پاراتو ڏيڻ لڳي جنهن ڏينهن شفق سندس ساهيڙي ٿي هئي. نئين نوڪري جو آردر خوشي سان ڪٽي جنهن اسڪول ۾ پهتي اهو هڪ صفا ننڍڙو اسڪول هو، جتي ٻار ڪهڻ ماسترياڻيون وڏيڪ هيون، سي پڻ ڪانئس عمر ۾ وڏيون هيون هو ته اجان انٽر ميڊيئيٽ ڪري آئي هئي. سندس عمر ئي ڪل اوٽيهه سال هئي ٻئي ڏينهن رجسٽر تي حاضري لڳائيندي زينان جي ملاقات شفق سان ٿي هئي. جا هن اسڪول ۾ ڪجهه سال اڳ آئي هئي.

هن سرڪاري اسڪول ۾ شاگردياڻون سڀ گهٽي ياڳي غريب ۽ وچولي گهرن جون هيون، پر ته ب صاف ستريون، پڙهڻ جو شوقين هيون. زينان کي اسڪول ۾ نوڪري ڪرڻ جو تجربو سنو لڳي رهيو هو. ٻارن کي دل سان پڙهائڻ لڳي، پاڻ ب سنو تيار ٿي ايندي هئي، صفائي پسند ته شروع کان هئي چوڪرين کي ب سني صاف ستري ئي اچڻ جو چوندي هئي ايئن زينان جي ڪلاس جا ٻار پڻ سندس وانگر جر ڪندا پيا هئا. رسيس ۾ سجو وقت شفق سان ڪچهري ۾ گذرندو هئو. سندس دل چاهيندي هئي ته استاف جي ٻين ٽيچرز سان پڻ ميل جول رکي، پر شفق جڏ ڪيس پنهنجي ملڪيت سمجهي ڇڏيو هو هوءَ ڪنهن کي ب سندس جي ويجهو اچڻ نہ ڏيندي هئي پاڻ زينان جي فري پيريد ۾ پڻ پنهنجو ڪلاس چوڪرين جي حوالي ڪري اچي ساڻس ويهندي هئي. سندس لاءِ ڪاڏي پيتي جون شيون گهرائي دوستي کي وڌيڪ مضبوط ڪرڻ جي ڪوشش ڪندي هئي. زينان کي ڪاڏي پيتي جي ته ڏري جي ب لالچ ڪان هئي، پر لحاظ ۾ ڪجهه چئي نہ سگهندي هئي ۽ هوءَ ظاهري طور قرب ب گهٽو ڏيکاريندي هئي زينان جيتري خوبصورت هئي اوترو ئي عقل ڪُڙيءَ ۾ هئس، اهو ڪونہ سمجهي سگهي ته آخر شفق سان سجو استاف ڪٽيل چو آهي؟ هوءَ چو ٻين سيني سان گڏ ويهڻ پسند نٿي ڪري فقط هن جي پڻيان چو آهي ڪڏهن ڪڏهن ڪيس محسوس ٿيندو هو ته استاف ٽيچرز ساڻس ويجهو اچڻ چاهين ٿيون پر شفق ڪيس مهلت ئي ڪانہ ڏيندي هئي جو ڪنهن سان ڪلي دعا سلام ئي ڪري صبح جو شفق ڪانئس اڳ حاضري رجسٽر وٺ سندس انتظار ڪندي هئي موڪل مهل پڻ هن کان پوءِ ويندي هئي. اهڙي ريت شفق ۽ سندس ساٿ مضبوط ٿيندو ويو. زينان پڻ شفق کان سواءِ هڪ پل گذارڻ پسند نہ ڪندي هئي ڳالهين ڳالهين ۾ ڪيس اها ب خبر پئي ته شفق جو والد وفات ڪري آهي. فقط هڪ بيمار ماءُ ۽ نوجوان ڀاءُ فيروز آهي جيڪو غير ذميوار ۽ گهمڻ

فضل الله چانڊيو ڪُنري

نظم / انب

منهنجا نالا ٻڌجئو يارو،
سنڌڙي چوسو لنگڙو پيارو.
سيرولي‌ءَ واڳڻ پالي،
آهي پتاشو نيلم نيارو.
دسيهري آ بيشڪ پائو،
پاءُ اسان جو هيءُ پلارو.
جون جولاءِ مهينا ٻيئي
رشوت طور ڏين مونکي ئي.
سيرولي جي خوشبو سونگهي،
صاحب سان پئي زوجه سرچي.
ڪالهه ڪان ڪاوڙ ۾ هئي جيڪا
سانئڻ سنڌڙي تي پئي سرچي.
منهنجي خاطر مائي ڪيو،
مجبور هو عملدار متارو.
منهنجا نالا ٻڌجئو يارو،
سنڌڙي چوسو لنگڙو پيارو.
مونکي ريڑهي تي ڏسندي ئي
واٽهڙو جي ڳگ ڪريو پئي.
مونکي گهر نه وڃي وڃڻ تي،
بيگم افسر خوب چڙيو پئي.
پاڻي وڪڻي انب وڃي آ،
داروغي سان زال وڙهيو پئي.
منهنجي پيٽي ملندي ٿي ٿو،
منڙو ڏاڍو افسر کارو.
سمنهنجا نالا ٻڌجئو يارو،
سنڌڙي چوسو لنگڙو پيارو.
دسيهري آ بيشڪ پائو،
پاءُ اسان جو هيءُ پلارو.

ڈاکٹرحبیب الرحمٰن 'حبیب'چوهاڑ
میرپورخاص

غزل

هڪ ته هستي لڳي ڏهڻ هاڻي،
ٻيو ته رستو ٿيو پهڻ هاڻي.
مون کي هن ڪرب مان رهائي ڏي،
ياد ايندو نه ڪر سڃڻ هاڻي.
درد ايڏا جو روح ٿو سڏڪي،
لونءِ لون ٿو لڳي ڪنبڻ هاڻي.
مون کي پيارو هو هڪڙو ماڻهو پر،
دل بغاوت لڳي ڪرڻ هاڻي.
حالِ دل ڪنهن سان اورجي سائين،
هاءِ اکڙين ڇڏيو وسڻ هاڻي.
ڪير ٻجندو برهه جي آتش کان،
ڏس ته ڪيڏو متو پنيڻ هاڻي.
رنگ ان تي 'حبيب' ئي چڙهندو،
وقت تو کي لڳو ڏسڻ هاڻي.

**

غزل

ڈاکٹرحبیب الرحمٰن 'حبیب'چوهاڑ

منزلون، منزلون، فاصلا، فاصلا،
زندگي، زندگي، پيچرا، پيچرا.
ياد ڪجهه کي اٿئي تو جي مونسان کيا،
پ پورا ڪيئي ڪيترا ڪيترا.
ها محبت آ تو سان محبت پرين،
سچ ڪولي چوان برملا برملا.
آزما آزما جيترو دل چويئي،
درد ڏي درد ڏي آزما آزما.
تنهنجو در هي گهٽي پاڳ ۾ آ لکي،
ڏس ته ڪاڏي وڃان دلربا دلربا
وقت جيڪي ڪيا سي ستم سي سنا،
تون ٻ ڪر او پرين جيترا جيترا.
اڄ وري موٽيو آهي دلبر سندم،
اڄ وري ٿي خوشي بي بها بي بها.
وقت متجي ويو لوڪ متجي ويو،
گهر جا ياتي ٿيا اوپرا اوپرا.
آ 'حبيب' سدا لب تي هي التجا،
پار ٻيڙي ٿئي او خدا او خدا.

**

اعجاز پاٹیپوٹو

غزل

تنهنجا ڳلڙا گلڙن واس،
سنهڙا چپڙا ڪنڊ جي چاس.
گهايل تنهنجي گهور ڪري ٿي،
نظرون ماري ڪن ٿيون ناس.
دل ئي دل ۾ دعائون گهرندي،
باسيم وينِي تو لاءِ باس.
دوري تنهنجي موت مثل آ،
ايندو وڃ تون منهنجي پاس
ڏينهن ڏکن جا کوڙ ڪٽيا ٿم،
ڪر ڪو هاڻي روح کي راس.
تنهنجو هي اعجاز آ تو ۾،
ڪيڏي لڳائي وينو آس.

غزل

تنهنجو هٿ جي هٿ ۾ ناهي،
ساري سنڌڙي ست ۾ ناهي،
آئون وفا جا ليکا ٿپندس
دوکو دلبو رت ۾ ناهي.
جيڏي ڦلڙي نهندي آهي،
ايڏي سونهن نٿ ۾ ناهي.
کولي پنڙو چرکان چاکان،
ڳالهه اهڙي کا خط ۾ ناهي
جا تي خوشيون ماءُ ملهائي
ياءُ برادر پٽ ۾ ناهي.
پوڙها حافظ هوندا هئا،
هاڻي ٻڌائي جت ۾ ناهي.
سنڌڙي تنهنجا ياڳان ٿيندا،
تنهنجو دُشمن ست ۾ ناهي.
آزادي جون ڳالهيون ڳائي،
'اعجاز' ٻلا جا مت ۾ ناهي.

ڊاڪٽر رضي محمد 'رضي'
ترجمو: اسد 'جمال' پلي*
عمرڪوٽ

غزل

'ڪمڪ' طلب هئي هيءَ دل، حلقئه گمان ۾ هئي،
جهڪيو جو سر تہ پوءِ، معبود جي امان ۾ هئي.

نجات بنجي اُها ڳالهه، اوچتو ڪٿان ٿي عيان،
نہ منهنجي قلم ۾ جيڪا، نہ ئي بيان ۾ هئي.

خدا کان، مون کان سوا ٻيو، نہ ڪجهه هئو موجود،
هڪ هستي وجود جي احساس سان درميان ۾ هئي.

عدم سان ناهي تعلق جو، هن وجود جي مِٽي،
نمودِ ذات کان پهرئين ئي داستان ۾ هئي.

جلاوطن جو ٿيس، حلقئه اطاعت مان،
سندم سنيال تڏهن پي، حلقئه امان ۾ هئي.

خوشي جا، پير پٽين واري کي، هئي صحرا ۾،
نہ هئي سا ڏينڌ ڪناري، نہ سائبان ۾ هئي.

هئا زير پا، محمد صہ جي، لعل گوهر و تاج
سندئي حبيب جي عظمت، عجيب شان ۾ هئي.

انهي کي خوفِ عذاب و ثواب، گهٽ هئو 'رضي'،
رضائي رب ۾ مگن دل، عجب ڏيان ۾هئي.

غزل

جهڪيس جڏهن بہ، هادي ذيشان جي طرف،
ناڪاميون ڦري ٿيون، امڪان جي طرف.

سمجهڻ ڪان اڳ ۾، دعويٰ اُلفت فضول آ،
سُ ڄاڻي رسول صہ، پوءِ اچو ان شان جي طرف

ڪيئن ٿا وڌي سگهن هي، سند ئي جهڙا ٿا صفا
آل نبي صہ طرف يا قرآن جي طرف

چوڪس ٿيو آ، حڪم الاهي تي جبرئيل
نيٽن مان لڙڪ لڙيا، دامان جي طرف

جيسين نہ علم و عقل ۽ انصاف آهِ گڏ،
سوچي ٿو ڪيئن، نبي صہ جي نيشان جي طرف.

پهرين دل و دماغ آ، ڏيکاري راهِ حق،
پوءِ هو هليو، اوهان صہ جي عنوان جي طرف.

بيعت هو چا ڪندا، جي هلندا هئا هر گهڙي،
آگر جهلي، نانا صہ جي، قرآن جي طرف.

مونجهارا زندگي جا 'رضي'، جڏهن ٿا اچن،
ان دم ئي اک ڪجي ٿي، فرمان جي طرف.

(اردوءَ جي معروف شاعر محترم ڊاڪٽر رضي محمد 'رضي' جي تازي شاعري جي مجموعي "بوڑھے برگد کی آخری گفتگو" جي ٻن غزلن جو سنڌي ترجمو)

جڏهن هڪ مان چار ضلعا ٿي ويا تہ ميرپورخاص کي عليحده ڊويزن جي حيثيت ڏني ويئي. ان کان پهرين هي پراڻو ٽرپارکر (چارئي ضلعا) حيدرآباد ڊويزن ۾ شامل هئو. ميرپورخاص جو شهر ڊويزن جو هيڊ ڪوارٽر آهي ۽ سانگهڙ کي هن ڊويزن مان ڪڍي شهيد بي نظيرآباد ڊويزن ۾ شامل ڪيو ويو آهي.

هن ڊويزن ۾ ڪالیج، ڊگري ڪاليج ۽ اورينٽل ڪاليج سطح جا ڪيترائي تعليمي ادارا قائم ڪيا آهن. هن شهر ميرپورخاص ۾ 1998ع کان محمد ميڊيڪل ڪاليج قائم آهي. جنهن سان گڏ پوءِ ڊينٽل ڪاليج پڻ قائم ڪيو ويو. محمد ميڊيڪل ڪاليج کي هاڻي ميرپورخاص ڊويزن جي پهرين جنرل يونيورسٽي و درجو پڻ ڏنو ويو آهي. هن يونيورسٽي جو نالو ابن سينا يونيورسٹي رکيو ويو آهي. هن يونيورسٹي جو پهريون چانسلر ڊاڪٽر رضي محمد صاحب آهي ۽ پهريون وائس چانسر ڊاڪٹر شمس العارفين صاحب جڏهن تہ پهرين رجسٹرار راقم المحروف آهي.

ڊاڪٽر اسدجمال پلي -

ميرپورخاص شهر جو تعارف

ميرپورخاص شهر جو وجود اسان کي ڪلهوڙن جي سنڌ تي حڪمراني دوران پراڻ درياه جي اوپر ۾ ملي ٿو. هيءُ علائقو هن وقت "پراڻي ميرپور" سڏجي ٿو. جتي مخدوم عبدالرحيم گرهوڙي جي مدرسي جا آثار هن وقت به موجود آهن ۽ هنن آثارن کان اولهه طرف ۽ موجوده شهر جي اتر ۾ ڪاهو جي ڏڙي جا ڪنڊر آهن جن کي هاڻي آبادي ڦهائيندي وڃي ٿي.

1. هن ئي مدرسي ۾ ميرالله يار خان ٽالپر پڙهيو هئو جنهن "ٽنڊي الهيار" جو شهر تعمير ڪرايو.

ونگي جي سرڪار ميرعليمراد خان ٽالپر موجوده شهر جي مختيارڪار واري آفيس جي جاءِ تي 1806 ۾ قلعو تعمير ڪرايو. هِن قلعي ۾ ماٽڪاٽي ميرن جا ديرا رهندا هئا. اهڙي طرح هيءُ شهر ماٽڪاٽي سرڪار جي گاديءَ جو هنڌ مقرر ٿيو ميرعلي مراد خان ٽالپر ڪانپوءِ 1837ع ۾ هن شهر جو والي ۽ سرڪار ميرشيرمحمد خان ٽالپر ٿيو جنهن کي انگريزن 'شيرسنڌ' ڪي،سي،آءِ، ستاره هند ۽ سرجا خطاب ڏنا.

ميرشيرمحمد انگريزن سان 20 مارچ 1943ع تي 'دٻي واري جنگ وڏي بهادري سان وڙهيو ۽ پنهنجن جي غداري سبب جنگ هارائي پنجاب طرف نڪري ويو.

ميرشيرمحمد جي وفات 24 آگسٽ 1876ع تي ٿي ۽ ڪين ميرپورخاص کان اتر اولهه طرف ڇٽوڙي جي آبائي قبرستان ۾ دفن ڪيو ويو. سنڌ ۾ سچ ڳالهائڻ جي حوالي سان شهرت ماڻيندڙ ڪردار "گامون سچار" جيڪو ذات جو لنجواڻي هئو ۽ ماٽڪاٽي درجار جو شخص هئو اُهو به هن ئي قبرستان ۾ آرامي آهي.

انگريزن جي دؤر ۾ 1900ع ڌاري جهڙائو واه بئراج مان واهيو ويو جنهن سبب هن علائقي ۾ نمايان ترقي ٿي.

انتظاميه طور 1843 کان 1847ع ميرپورخاص کي حيدرآباد ڪليڪٽريٽ سان ملائي ڪيو. هن دؤر ۾ منيءِ ڏيپلو ۽ نگرپارڪر 1844ع کان 1858ع تائين ڪچ پيج جي پوليٽيڪل ايجنٽ جي نگراني ۾ هئا. 1860 ۾ ٿرپارڪر عمرڪوٽ ۽ سانگهڙ کي ملائي "ايسٽرن سنڌ فرنٽيئر" قرار ڏئي عمرڪوٽ کي هيڊ ڪوارٽر مقرر ڪيو ويو ۽ 1881ع ۾ هن پوري علائقي کي ضلع جو درجو مليو. 1894ع ميرپورخاص کي حيدرآباد کان الڳ ڪيو ويو ۽ عمرڪوٽ ضلعي هيڊ ڪوارٽر رهيو 1906ع ۾ ضلعي هيڊڪوارٽر ميرپورخاص کي ناهيو ويو 1900ع ڌاري ميرپورخاص کان باڙمير تائين ريلوي لائين هلائي وئي. بعد ۾ 1926 ۾ ميرپورخاص ريلوي اسٽيشن تعمير ڪري جاڙميرتائين هن کي براڊ گيج لائين ۾ تبديل ڪيو ويو.

1906ع کان 1990ع تائين ميرپورخاص ضلعي ٿرپارڪر جو صدر مقام رهيو جڏهن ته 1953ع ۾ سانگهڙ کي الڳ ضلع جو درجو ڏنو ويو.

1990ع ۾ عمرڪوٽ کي عليحده ضلع جي حيثيت ڏني ويئي. هن وقت پراڻو ٿرپارڪر ڇڻ ضلعن سانگهڙ، منيءِ، عمرڪوٽ ۽ ميرپورخاص ضلعن تي مشتمل آهي.

پراڻ جي بنهي ڪنڊين تي وڻن جي گهاتاڻ هئڻ ڪري تمام گهڻي ساوڪ هوندي هئي، پر برسات جي مند ۾ جڏهن پُراڻ پرجي ويندي هئي انهي دلڪش منظر جو لطيف سائين اِجهو هن طرح ذڪر ٿو ڪري!

"اَڇي اَڇ اڪُتيُون، ڪيائون پُر پُراڻ،
وَسي وِڃن ڪاڻ، لاتي ڪَڇَ وَڻُنَ مان.

برسات جي مند ۾ جڏهن وڻ ٽڻ ڏوپجي ويندا آهن، تڏهن اهو منظر دل کي تمام گهڻو وڻي ٿو. شاهه عبداللطيف ٻٽائي رح جڏهن والاسو واري ايراضي ۾ پڃي ٿو، تڏهن پُراڻ جو ذڪر هن نموني ٿو ڪري.

"وُنا پَٽَ پُراڻ جا وُنو ولاسو
پرينءَ ڏيئي پاسو ويا منڌائتي مينهڑين.

سُر مارئي ۾ جاگرافيائي طور پُراڻ جو ڇا وڃي؟ پر شاهه صاحب کي مينهن جي مند ۾ پُراڻ وسري ئي نٿي، پاڻ فرمائين ٿا،

ڪائڙ ڪنوي سومرا، سانوڻ ڪئي ستاڻ
واريا سو وسي پيو پريا پٽ پُراڻ
جارائين جارين ۾، وجهيو ڪير ڪتاڻ
عمر هي اماڻ ڪيسين رکندين ڪوٽ ۾"

لطيف سائين پُراڻ کان جسوتڻ سمي جي پڇا ٿو ڪري،

جهوني تون پُراڻ لَڪَ اوکارا سيرين،
جسوتڻ جهڙا جواڻ پيئي کي پيٽ ۾،

شاهه صاحب سنڌ جي مُکي وهکري پُراڻ درياءُ تي جيترا بيت چيا آهن، اوترا آهن، اوترا ڪنهن ٻي وهکري تي نه چيا آهن.

"سارنگ سينگاري وڃون وسڻ آيون،
برسي ٻٽاري، پريا پٽ پُراڻ جا"

لطيف ۽ پُراڻ

حضرت شاھ عبداللطيف ڀٽائي رح سڄي سنڌ جو سيرو سفر ڪيو، پر ڪجھ ماڳن تي ھڪ کان وڌيڪ ڀيرا ڏنائين. انھن ۾ پُ راڻ درياءُ جو سفر لطيف سائين جو پسنديده سفر ھو. جن جي جاڻ ٻن ليکڪن جي ڪتابن مان جھجھي ملي ٿي. سائين معمور يوسفاڻي جو ڪتاب "لطيف جا ٽر تان ڀيرا" ۽ محمد سومار شيخ جو ڪتاب "لطيف جا لاڙ تان ڀيرا"

شاھ عبداللطيف ڀٽائي رح جي چئن سُرن ۾ پُ راڻ جي تاريخي قصن کھاڻين جو ذڪر ملي ٿو. شاھ صاحب جي ٽن سُ رن ۾ خاص پراڻ جو ذڪر ملي ٿو (1) سُر سارنگ (2) سر ڏھر (3) سر مارئي، شاھ صاحب جي تاريخي قصن کھاڻين جو ذڪر ڪيو آھي، انھن جو آئون ذڪر ھيٺ نہ ڪندس صرف انھن بيتن جو ذڪر ڪندس جن ۾ شاھ صاحب پُراڻ جو ذڪر ڪيو آھي.

شاھ عبداللطيف ڀٽائي رح پُ راڻ جي اپرندي ڪنڈيءَ، وٽي درس عثمان ڪاچيلي سان ملاقات ڪرڻ کان پوءِ سيد سوڊل شاھ اتي اچي چلو ڪڏيائين، اتي ڪجھ ڏينھن رھڻ کان پوءِ شاھ صاحب آمري جي قبرستان آيو، جتي ڪيس لاڪ ڦلاٽي جي وٽن تي اوڏاٽي واري ڳالھ جو پتو پيو. تڏھن پاڻ پُراڻ سان مخاطب ٿيندي چيائون تہ،

"جھوني تون پُراڻ جُڳ ڇٽيھ سنيرين،
توکي ڏٺا ھاڻ لاکي جھڙا پھيڙا،

ھاڻي ھن بيت ۾ ڇٽيھ جُڳن جو جيڪڏھن ٽوٽل ڪجي ٿو تہ پراڻ جي ڄمار جو پتو پئجي ويندو پر چا ڪجي، آئون گھٽ پڙھيل، وڌيڪ پڙھيل متفق ڪونھي. اھو فيصلو پڙھندڙن تي ڇڏيان ٿو.

لطيف سرڪار پُراڻ جي پاران پاڻ ئي جواب ٿو ڏي.

"لاکا لکين آيا، انڙ ڪروڙين اٺ،
ھيم ھيڙائو ھيڪڙو آيو ھو مون وٽ،

ڪن محققن ھنن سٽن کي ڪنھن سُگھڙ جون سٽون قرار ڏنيون آھن، پر ذڪر پراڻ جو نمايان آھي.

لطيف سرڪار آمري جي قبرستان سان بہ مخاطب ٿيو آھي، پر ذڪر پُ راڻ جو ڪنداسين لطيف سرڪار پراڻ جي پٽن تي مينھن "پوڻ جو ذڪر اجھو ھيئن ٿو ڪري،

"ڏَڻَ ڏريءَ پَٽَپيون آيون ڪاھي ڪاماري،
وُنا پَٽَ پُراڻ جا وُنيون ساماري،
ڪکر منجھ ڪاري، وڃڻين پسيو ويس ڪيا.

ڪامارو ديھ ٽنڈي جان محمد ۽ پراڻ کان 6 ڪلوميٽر طرف آھي. لطيف سرڪار وري فرمائين ٿا.

وُنا پَٽَ پُراڻ جا وُنيون ساماري،
لکن کي لطيف چئي پَلَرُ پياري،
وڃڻين واري، ڪٽي ڪعبي تي ڪَرَ نائيا.

جاگرافيائي عالم ritter رِٽر پراڻ بابت چوي ٿو تہ پراڻ وهڪري جو اصل نالو لوٽي هو، پر راورٽي پنهنجي ڪتاب "سنڌو جو مهراڻ" ۾ رٽر جي ان ڳالهہ کي سختي سان رد ڪري ٿو. جيڪو غلط آهي، ميرپورخاص واري هيٺ واري ايراضي ۾ پراڻ کي پراڻ چيو وڃي ٿو ۽ ميرپور جي مٿي ايراضي وارا ماڻهو هن ساڳي وهڪري کي لوٽي، لوهاٽي، لوهاٽو واهہ ڪري سڏين ٿا. هي ساڳيو وهڪرو مختلف جاين تان مختلف نالن سان پنهنجي سجاٽپ رکي ٿو. هي هڪجهڙائي وارا لفظ آهن، وقت گذرڻ سان نالن جي مٽا سٽا ٿيندي رهي آهي. آئون رٽر جي لکڻي سان متفق آهيان. صرف آئون نہ پر ڊاڪٽر بلوچ بہ انهي ڳالهہ جي تصديق ٿو ڪري، ڊاڪٽر نبي بخش بلوچ پنهنجي هڪ مقالي ۾ لن ٿا تہ "سنڌو درياءُ جي اوهاهين شاخ جيڪا منصوره کان 8 ميل اولهہ طرف لوهاٽي واهہ کان وهڻ لڳي، جيڪو بعد ۾ لوهاٽو ڏورو سڏجڻ ۾ آيو، سنڌو درياءُ جي نئي مکيہ شاخ جيڪا لوهاٽي واهہ مان وهڻ لڳي سا ڏکڻ اوپر پُراڻ جي آبي نظام کي ڪپيندي ميرپورخاص طرف وهڻ لڳي. جرنل هيگ پنهنجي ڪتاب "سنڌو جي ڇوڙ وارو علائقو" جي ورق نمبر 61 تي لکي ٿو تہ "سنڌ جي سفر دوران بڌ يڪشو سيلاني سنڌ جي سفر دوران ٻڌائي ٿو تہ هتي لوڻ تمامگهٽو آهي، سانهي ڳالهہ کي جرنل هيگ رد ڪري ٿو. جيڪو درست ناهي اڄ بہ سو جي مختلف ڇوڙ وارن علائقن ۾ لوڻ جا وڏا زخيرا موجود آهن، ڏيپلي ۽ ننگر تعلقي ۾ زخيرا موجود آهن. جرنل هيگ شايد اهي لوڻ جا زخائر نہ ڏٺا هئا، تڏهن بڌ يڪشوس جي سفر واري ڳالهہ کي رد ڪيو آهي ڪتاب "سنڌ جي پيرائتي ڪٿا" ۾ جناب ايم ايچ پنهور صاحب لکي ٿو 16 ميل اپرندي طرف وهندو هو. نصرپور جو شهر فيروز بادشاهہ 1351ع ۾ هن وهڪري تي اڏايو هو. انهي کان پوءِ اپرندو ۽ الهندو پراڻ وارو وهڪرو هميشہ لاءِ ڇڏي ويو انهن مثالن مان ثابت ٿئي ٿو تہ پراڻ سنڌ جو انتهائي جهونو قدرتي وهڪرو آهي ۽ پراڻ جو هاڪڙي درياءُ سان ڪوبہ تعلق ناهي. آءُ فاروق بجاراڻي جي موقف سان متفق آهيان، جنهن جي راءِ ڪاوش اخبار ۾ خط جي شڪل ۾ بتاريخ 12.12.2011 تي شايع ٿي هو. هو صاحب لکي ٿو تہ "ميرپورخاص، جهلوري تندو جان محمد وٽان جيڪا پُراڻ گذري ٿي يا سڪل درياءُ گذري ٿو، سو اپرندو پُراڻ آهي، اهو سنڌو درياءُ جو اپرندو وهڪرو آهي.

درياءُ جي پراڻن وهڪرن بابت مرحوم ايم ايچ پنهور پنهنجي ڪتاب"Six Thousand Years of History" ۾ لکي ٿو تہ نقشي نمبر 39 ۽ 40 ۾ سنڌو ڏوري وارو وهڪرو ڪنڊ ڪوٽ وارو وهڪرو ڏيکايل آهي، پندرهين صدي ۾ درياءُ ان وهڪري کي ڇڏي اوپر طرف گهوٽڪي واري پاسي مُڙي ويو هو، جڏهن تہ لوهاٽي ڏوري وارو وهڪرو نقشي 41 ۽ 42 ۾ خيرپور وارو وهڪرو ڏيکاريل آهي. ڪتاب "سنڌو جو ڇوڙ وارو علائقو" جرنل هيگ ترجمو عطا محمد پنيرو پيج نمبر 40 تي لکي ٿو تہ" سڪندر اعظم هندي سمنڊ کان هاڪاري وڃڻ کان پوءِ پٽالا موٽي آيو، اتان موٽڻ کانپوءِ سنڌو جي اوپارين ڇاڙهہ سان هاڪاري ويو، سنڌو جي اها ڇاڙهہ شايد پُراڻ ۾ وهي رهي هئي ۽ ڪڇ ۾ داخل ٿيڻ کان پهرين ٿوري پنڌ تي ساٽس ملي رهي هئي ۽ ڪڇ ۾ داخل ٿيڻ کان پهرين ٿوري پنڌ تي ساٽس ملي رهي هئي. جرنل هيگ متئين ڳالهہ درست ڪري پيو اها انهي اوپارين شاخ جو نالو هاڪڙو آهي، جيڪا ڇار پٽڻ وٽان اڇي پُراڻ ۾ ملندي هئي، ڇار پٽڻ ونگي پٽڻ کان 8 ڪلوميٽر ڏکڻ طرف آهي. ڪڇ تائين صرف هڪ وڏو وهڪرو پراڻ ئي ڇوڙ ڪندو هو، جنگي ٻيڙا ۽ ڪاروباري ٻيڙا پُراڻ رستي ئي سفر ڪندا هئا.

وهندا هئا. جنن کي ليکڻ ايرندي پُراڻ ڪري لکيو آهي. جنهنجا به وهڪرا نئي ڪوٺ کان هيٺ واريءَ ايراضي ۾ ڏوري جي شڪل ۾ پُراڻ ۾ اڇي پون ٿا . ليکڻ هڪ وهڪري کي ايرندي پُراڻ ڪري لکيو آهي اهو هاڪڙي درياءُ جو وهڪرو آهي. تاريخدانن جنهن کي اولهندي پُراڻ ڪري لکيو آهي، سو سانگڙي جو وهڪرو آهي، جنهن جو ذڪر شاهه عنايت رضويءَ ۽ ٻين شاعرن به ڪيو آهي. هن وهڪري جا ڪجهه ڏورا پُراڻ ۾ اڇي پون ٿا. سڃاڻ ليکڪ ۽ تاريخدان عبدالواحد هڪڙو چوي ٿو ته "گهلو درياءُ جا ڪجهه ڏورا پُراڻ ۾ پون ٿا. انن ڏورن واري جاءِ تان سمر نالا نڪري ويا آهن، ڏورن جا نشان نٿا ملن.

پُراڻ ندي ڪاهو جي ڏڙي جي ير وٽي مير پور خاص شهر منجهان حاجي شاهه جي ڳوٺ وٽ پڄي ٿي، تڏهن پُراڻ پنهنجي اصل شڪل ۾ نظر اڇي ٿي. ميرپورخاص ۾ ماڻهن جي آبادي جي ڪري پُراڻ ريٽجي ويئي آهي. ميرپورخاص کان جهلوريءَ وڃڻ وارو رود وٽي ويندا ته توهان کي پُراڻ ضرور نظر ايندي. حاجي شاهه جي ڳوٺ کان علي بندر تائين شهري آبادي ۽ زرعي زمين وارن جو اهڙو ڪو خاص قبضو ناهي، جنهن سان پُراڻ جي اصل شڪل بگڙي هجي. باقي سمر نالن وارن پراڻ کي ڪافي جڳهن تان ڪٽ هٽي هن جي اصل شڪل کي نقصان پهچايو آهي. پُراڻ جي ڏورن تي زميندارن جو ۽ عام مانهن جو قبضو رهي ٿو. ڪاچيلي اسٽيشن وٽان راٽي رمداڻ جي ڳوٺ جي ير وٽان ۽ باغ جي پٽڻ ۽ جار جي پٽڻ وٽان پراڻ ۾ پاٽي ٻارنهن ئي مهينا هجي ٿو. انهي جڳهن تان پُراڻ جي خوبصورتي ڏسڻ وٽان هوندي آهي. قديم دؤر ۾ علي بندر کان هيٺ واري ايراضي ۾ سجي سنڌ مان وڏا وهڪرا اڇي پڄندا هئا. پوءِ ڪجهه وهڪرا سمنڊ ۾ پوندا هئا، ۽ ڪجهه وهڪرا وري وڃي رڻ ۾ پوندا هئا. انهن وهڪرن مان ڪوبه وڏو يا طاقت ور وهڪرو نه هو. واحد پُراڻ درياءُ طاقت ور ۽ اهڙو ته وڏو وهڪرو هو، جنهن سان ڏيهي ۽ پرڏيهي ڪاروبار هلندو هو.

پوري سنڌ ۾ ٻيو ڪوبه اهڙو وهڪرو نه هو جنهن جي ذريعي دنيا جا سياح يا جنگجوءَ ۽ فاتح سنڌ ۾ داخل ٿي سگهن يا پر ڏيهه وڃڻ لاءِ ڪو ٻيو رستو هجي، انهن لاءِ واحد رستو اگر هو ته اهو پُراڻ درياءُ هو.

دنيا جو عظيم فاتحن سڪندر اعظم ۽ محمد بن قاسم کان وٽي غلام شاهه ڪلهوڙي تائين سڀني حڪمرانن پُراڻ درياءُ جي رستي سفر ڪري جنگيون ڪيون. سنڌ جو مڪيه ۽ طاقتور وهڪرو پُراڻ درياءُ هو. هن وهڪري تي تمام گهٽا بندرگاهه هوندا هئا، علي بندر، راحمڪي بازار ۽ ڪيترن ئي مختلف نالن سان بندرگاهه ڄاڻايا آهن. اهي سڀ بندرگاهه پُراڻ تي هئا. سمنڊ ڪڏهن ڇاڙهه ڪري ايندو هو تڏهن اتي بندر گاهه ٻيا هوندا هئا، سمنڊ جو پاڻي جڏهن لهي ويندو هو، تڏهن وري ٻيا بندر گاهه وجود ۾ اڇي ويندا هئا. علي بندر کان وٽي سمنڊ تائين ڪافي بندرگاهن جا آثار نظر اچن ٿا. اهو سڄو علائقو باردر جو علائقو سڏجي ٿو، اتي تحقيق ڪرڻ وقت سيڪورٽي جو مسئلو رهي ٿو، ان ڪري ان پاسي عام ماڻهو کي نٿو ڇڏيو وڃي.

پراڻ درياءُ مُحققن جي نظر ۾

ابن حوقل سن 343 هـ بمطابق 943ع ۾ جيڪو سنڌ جو نقشو ڏنو آهي، اهو سنڌ جو پراڻي ۾ پراڻو نقشو آهي. ان مان ظاهر ٿئي ٿو ته سنڌو درياءُ ان وقت موجوده پراڻ درياءُ هو.

پراڻ کي هڪ نقشي ۾ پراڻ درياءُ ٻئي نقشي ۾ پراڻ اين آر ۽ ٽئين نقشي ۾ river ، چوٽين ۾ ۽ پنجين نقشي ۾ پراڻ ڏورو لکيل آهي. اروڙ وٽان به وهڪرا ڦٽندا هئا جن مان هڪ سنڌو نالي هوندو هو، جيڪو ناروءَ جي ڏوري ڪوٺ ڏيجي ڪوٽڙي ڪبير ۽ هالاڻي کان ٽيندو سنڌ جو وچ ڏيئي برهڻ آباد ڏانهن رخ ڪندو هو. ٻيو وهڪرو رخ ڪندو هو. ٻيو وهڪرو ڏکڻ اوير وارو پاسو ڏيئي وهندو هو. جنهن کي هاڪڙو سڏيو ويندو هو.

زاهد ڪنيار
ٽنڊو جان محمد

پراڻ درياهه جي مشاهداتي تاريخ

پراڻ درياءَ

پُ راڻ درياءَ سنڌ جو قديمي درياءُ هو. هي اروڙ کان شروع ٿي سنڌ جو وچ ونيو وڃي ڪچ آباد ڪندو هو. سنڌ جي ٻين وهڪرن تي ٿورو گهڻو لکيو ويو آهي. پر هن درياءُ جو تريخدانن نالي ماتر ذکر ڪيو آهي. استاد "معمور يوسفاڻي" ۽ مهر ڪاچيلوي ڪجهه ذکر ڪيو آهي. "راورٽي" ۽ "جنرل هيگ" سنڌ جي وهڪرن متي ٻه ڪتاب لکيا انهن ٻنهي ڪتابن جو ترجمو عطا محمد پنيري ڪيو آهي. اهي ٻئي ڪتاب اکر ٻه اکر ترجمو ناهن ٿيل، انهن ۾ مترجم پنهنجا جاننا هنيا آهن، جنهن سان خبر نٿي پوي ته اها ڪا اصل ليکڪ جي راءِ آهي، يا ترجمي ڪندڙ جي جيڪڏهن هاشي ڏيئي پنهنجي راءِ لکي ها ته بهتر ٿئي ها. سنڌ جي قديم وهڪري تي ڪنهن ٻه سنڌي تاريخدان ڪتاب نه لکيو آهي. ها البته ڪنهن جو ڪن ڪنهن جو پُڇ هِتان هُ تان ڳنڍي پنهنجا ڪجهه مضمون لکيا. مجون ٿا تحقيق جو ڪم ڏکيو آهي. پر انهي جي نه ڪرڻ سان تاريخ مڪمل نه ٿيندي ڇاڪاڻ ته انسانن جو وسنديون پاڻي جي ڪناري تي رهيون آهن. جيڪڏهن وهڪرن تي ڪم نه ٿيو ته انساني تاريخ جو پتو پئجي نه سگهندو.

اي سي گاڏين ۾ چڙهي اسان جا ليکڪ انهن وهڪرن کي هڪ جڳهه تي ڏسي پنهنجو مضمون لکيو ڇڏين، تحقيق اها آهي جو ٻنهي ڪنڌين تي پنڌ هلي وڃي ڇيڙو ڪجي ۽ انهي کان پوءِ پنهنجي راءِ ڏجي، ڏارين ليکڪن پُ راڻ بابت "ايسٽ پراڻ" ٻي ويسٽ پراڻ" لکي وڃي پنهنجا ڪتاب پورا ڪيا. اسان جي سنڌي ليکڪن ايرندي پراڻ، اولهندي پراڻ ۽ وچين پراڻ لکي وڃي پنهنجا مضمون پورا ڪيا. جڏهن ته اسان وٽ سنڌ ۾ هر ماڳ ۽ شيءِ کي پنهنجي پنهنجي نالي سان سڏيو وڃي ٿو. انهي جو ڪو پتو پئجي نه سگهيو، جو هنن ايئن ڇو ڪيو؟ درياءُ کي درياءُ ڪري لکجي ها، ڍوري کي ڍورو ڪري لکجي ها، نئي کي نئي ڪري لکجي ها، ريٽي کي ريٽي ڪري لکجي ها. پر هتي ڪم ابتڙ ٿيل آهي. گهٽن ئي ليکڪن پراڻ کي پراڻ ڍورو ڪري لکيو آهي. اصل ۾ هنن ليکڪن کي ڍوري لفظ جي معنيٰ ئي ڪانه ٿي اچي، يا ان جي معنيٰ تي غور ئي نه ڪيو ويو آهي.

پراڻ درياءُ کي اهو اعزاز حاصل آهي ته هي سيني درياسئن کان قديم درياءُ آهي. گهٽي کان گهٽو وقت وهندو رهيو آهي. هن وهڪري کي مختلف جڳهن تان مختلف نالن سان سڏيو ويو آهي. ميرپور خاص کان هيٺ واريءَ ايراضي وارا ماڻهو هن دريائي وهڪري کي "پراڻ" ٿا چون "پورالي" ٿا چون "پٽيهل" "ڍاڪي" ۽ ڪجهه ٻين نالن سان سڏين ٿا. پر مشهور نالو پُ راڻ آهي. ميرپورخاص کان مٿئين ايراضي وارا ماڻهو ٻانيڙ واهه برهمڻ واهه لطيف سرڪار انهي درياءُ کي "لوهاڻو" ۽ "مهراڻ" ڪوٺيو آهي. اهي ڪجهه نالا اتي جي قديم شهرن جي نسبت سان پيل آهن. مون تحقيقي ڪم پُ راڻ تي ميرپورخاص کي رڻ تائين ڪيو آهي.

هن جا ڏنيون ۽ ڍورا، شاهه عبداللطيف ڀٽائي ۽ پُراڻ، پُراڻ جا پٽ، "پراڻ تي آباد راجڏانيون" ۽ پراڻ جا ٻيا مضمون اڻ ڪٽ آهن. حياتي ساڻ ڏنو ته وڌيڪ پُ راڻ بابت لکبو. هن کان اڳ منهنجو ڪتاب "پراڻ جا پير" ڇپيل آهي. ميرپورخاص کان ڪچ تائين پُراڻ درياءُ جا ٻه پاڙيسري وهڪرا جيڪي پُراڻ سان گڏوگڏ هلي

شاهہ صاحب ”ڄام انڙ“ جي انهيءَ روش بابت اجهو هيئن فرمايو آهي تہ:

انـــڙ ۾ آس گهڻـــي، تهـــان وڏيـــرو ڊپ،
ايءُ مڱڻهـــارن مـــپ، جـــو نـــہ موٽـــائي مڱڻـــا.

ڄام انڙ پنهنجي حڪومت ”ڌيرڪ“ پرڳڻي کان اوڀر طرف ”چوٽاڻ“ جي حدن تائين وڌائي، انڪري کيس ”چوٽاڻي ڌڻي“ ۽ ”چوٽاڻي“ بہ ڪوٺيو ويو آهي. هو ڪڏهن ڪڏهن ڌيرڪ جي راڄڌاني ساموئيءَ مان نڪري ”چوٽاڻ“ ۾ وڃي سڪونت پذير ٿيندو هو ۽ اتي بہ وٽس سائلن جي ڪمي ڪونہ هوندي هئي.

انڙ جي اها حقيقت معلوم ڪرڻ کانپوءِ شاهہ صاحب ان دؤر کي سامهون رکندي سائلن کي صلاح ڏني آهي تہ:

چـــارڻ ”چوٽـــاڻي“ مٽـــي، ڪيـــرت ڪـــا ڪمـــاءِ!
لنگهـــا تـــون لـــيلاءِ اڳيـــان ”انـــڙ ڄـــام“ جـــي!

ڄام انڙ کانپوءِ ان جو پٽ ”ڄام تماچي“ عرف ڄام سمو حاڪم ٿيو جنهن جي دؤر ۾ اروڙ وٽان سنڌو نديءَ جو موجوده وهڪرو ڦٽي نڪتو ۽ هاڪڙي جو وهڪرو ڪمزور ٿيڻ لڳو ۽ ماموين جا تاريخي بيت مشهور ٿيا. انهيءَ ڄام تماچي عرف ڄام سمي جو پٽ ”ڄام راهو“ تمام سپوٽ ساماڻو جنهن پنهنجي راڄڌانيءَ جون حدون ڏکڻ طرف ”کريڙ“ ۽ ”پڇم“ تائين وڌايون ۽ اتر طرف بڊام ۽ ناري جي پٽن تي پڻ قبضو ڪيائين.

”ڄام راهو“ پنهنجي ڏاڏي ”ڄام انڙ“ وانگر وڏو سخي ۽ ڏاتار هو. جنهن جي سخا جو ڌاڪو پري پري تائين پهتل هو. شاهہ صاحب ساڻس مخاطب ٿيندي فرمائي ٿو تہ:

راهـــو تنهنجـــي ريـــت، پرکنـــڊين پـــڌري،
گهڻـــا گهـــوڙين چـــاڙهيين، مســـافر مســـيت،
پڇـــين ڪانـــہ وڏيـــت، جـــي آيـــا ســـي اگهيـــا.

ڄام راهوءَ جي عادت هوندي هئي تہ هو پنهنجا خاص ماڻهو موڪلي رعيت جي خبر چار وٺي گهرجائن ۽ ضرورتمندن جي مدد ڪندو هو. انهيءَ ڪري ڪئين فقير ۽ منگتا سدائين ڏانهس پيا ايندا ويندا هئا. جيڪا حقيقت نگاهہ ۾ رکندي لاکيڻي لطيف گهرجائن کي صلاح ڏني آهي تہ:

تـــڙ تـــڙ ڪـــيم تـــرس، ســـر نهـــارج ســـڦرو،
ڏيندئي لک لطيف چئي، راسڄ ”راهوءَ“ جي رس،
ولهـــا جـــنهن ونهيـــان ڪيـــا، پـــاڳ تنهينجـــي پـــس،
ڪـــوڙين لاهـــي ڪـــس، جئـــہ ڳالهـــائي ڳـــاٽ ڪٽـــي.

مطلب تہ راهو اهڙو سخي سردار هو جو سندس سخا جا ڳيت پنج صديون پوءِ ڄام جکري جي دؤر ۾ بہ ڳايا پئي ويا، جنهن حقيقت بابت شاهہ صاحب کان بہ گواهي ملي ٿي:

راهـــوءَ جـــا رهيـــام، ســـنيها ســـرير ۾،
ٻيـــا در وســـريام، ڏٺـــي جـــدم جکـــري.

ڄام راهوءَ کان پوءِ ان جو پٽ ”ڄام داسڙو“ حاڪم ٿيو، جيڪو پنهنجي دور جو مشهور شخص هو. جنهن جي شهرت جو اهو بہ هڪ ثبوت آهي جو کانئس پوءَ سندس اولاد ”سما“ سڏجڻ جي بدران داسڙا سڏجڻ لڳو.

”ڄام داسڙي“ ناري پٽ ۾ هڪ وڏو قلعو ٺهرايو. جنهن جا کنڊر، شادي پلي اسٽيشن لڳ، هڪ پراڻي وهڪري جي ڪناري، اڄ بہ موجود آهن، جن تان قديم دور جون شيون ۽ سڪا پڻ لڀن ٿا.

ڄام داسڙي کان پوءِ سندس سپوٽ پٽ ڄام چنيسر گاديءَ جو وارث ٿيو.

"پونرو بداماڻي" نائين صدي عيسويءَ جو مشهور سورهيه سردار هو، جيڪو نه رڳو "بدام" جي علائقي ۾ پنهنجي راڄ جي رکوالي ڪندو هو، پر اوکيءَ ۾ آسپاس وارن کي به "سڏ" ڏيندو هو. سندس دؤر ۾ ڪنهن به پاڙي واري کي ڪا تڪليف پهچندي هئي تہ اهو ڪيس ضرور پڪاريندو هو. جنهن ڳالهه جي تصديق حضرت پٽ ڏٽيءَ به ڪئي آهي، جنهن ۾ پونري جي ڪنهن مظلوم پڙوسيءَ جي زبان ۾ فرمايو اٿس تہ:

اڄ گهرجين هت، بدماڻي پونرا!
مٿان پگهيءَ پت، ويرين واتون لائيون.

*

اڄ گهرجين يار، بداماڻي پونرا!
"ڪاڇي" ٻئي پار، اڇي ويرين ويڙهيا.

ڄام پونرو اهڙو سورهيه سردار هو جو سندس دؤر ۾ ڪڏهن به ائين ڪونہ ٿيو، جو ڪنهن "هاڻي" سندس جوءِ يا آسپاس مان، هنيو هجي ۽ پونري نہ ورايو هجي.

پونري جي جرئت، همت، دليري ۽ ڦڙتائي اهڙي تہ مشهور هئي جو "هاڻا" ۽ "لوڙائو" سندس اڇ جو ٻڌي، هنيل مال ڇڏي ڀڄي ويندا هئا ۽ ڪنهن کي به ساڻس مقابلي جي جرئت ڪين ٿيندي هئي.

پونري جي پهلواني، جلدائي، بهادري ۽ همت بابت جهانگين ۽ سانگين کان، شاهه صاحب جو هڪ "ڏوهو" مليو آهي، جيڪو مذڪور حقيقتن جي تصديق ڪري ٿو:

ڪنڌيءَ مور ڪٽڪيو، وڳن واجهايو،
بداماڻي پونرو، جو ٻجهي سو آيو.

جاگرفيائي بيهڪ جي لحاظ کان قديم دؤر ۾ "بدام" جو علائقو اهڙو پٽ هو، جنهن ۾ هاڪڙي ۽ پوراڻ جو پاڻي ريل چيل پيو ٿيندو هو، جنهن ڪري ڪونجون ۽ ٻيا پکي گذران خاطر اتي ايندا رهندا هئا. پر "بدام" جا رهاڪو پنهنجي سورهيه سردار "پونري بداماڻي" جي رکوالي ۾ سام سنيالڻ واري ريت کي ڏيان ۾ رکندي، انهن پکين کي پناهه ۾ آيل سمجهي، کين ذرو به کين ستائيندا هئا. جنهن ڪري پکي به بي ڊپا ۽ غافل ٿيو پيا چگندا هئا.

ڪافي دور کان پوءِ اهڙو زمانو به آيو، جو آسپاس جي علائقن مان اهڙا ماڻهو به "بدام" ۾ اچي سڪونت پذير ٿيا جيڪي "بدام" جي رکوالي ۽ واري رواج جي خلاف عمل ڪري انهن پرديسي پکين کي مارڻ لڳا.

حضرت شاهه عبداللطيف رح انهيءَ حالت کي نگاهه ۾ رکندي انهن پکين کي مشورو ڏنو آهي تہ:

چيتا ڪيو چٽيج، "بداماڻي پٽ" ۾،
نيٽين ننڊ مَڏيج، چيڙون چير آئيون.

لاکيڻون لطيف، "بدام" جي بزرگن جهندي پاتڻي، جهڏي فقير خاڪي پيرءِ ڦل فقير جي مزارن تي فاتح خواني ڪندي پراڻ جو ڪاپو ڪپ وڻي "ساموئي" يا سما ننگر جي ڪندرن ۾ پهتو، جيڪي "نئين ڪوٽ" جي شهر لڳ، هن وقت به موجود آهن. جنهن شهر جو بنياد اڻين صدي عيسويءَ جي شروع ۾ "لاکي گهڙراء" وڏو هو، جو هر ڪنهن کي سندس سامهون اڇ جي جرئت نہ ٿيندي هئي. مگر "غريب سائل ۽ گهرجائو فقير" بي ڊپا ٿي ڏانهس هليا ويندا هئا. اهو ان ڪري جو هو انهن جي ڏاڍي عزت ۽ آدر ياءُ ڪندو هو ۽ بنا دير جي سندن ضرورتون پوريون ڪري پوءِ موڪلائيندو هو.

ابل سومرو يارهين صديءَ جو "هاڻو" هو، جنهن جي ڪوٽ جا کنڊر، ٽنڈي الهيار شهر جي اتر ۾ شيخ موسيٰ آهيداڻيءَ جي مقبري لڳ آهن، جيڪو "ڊولي نرور" جي داڪتر "مومل" جي پيٽ عمرڪوٽ مان ڪٽي ويو هو، جتي مومل جي رهائش جا کنڊر، عمرڪوٽ جي ڏکڻ ۾ ميل ڪن پنڌ تي موجود آهن، جن کي مومل جي ماڙي سڏيو وڃي ٿو.

اهڙي طرح سيف الملوڪ پنهنجي دؤر جو وڏو وڏجارو هو. جنهن جي زال "بديع الجمال" سونهن جي راڻي هئي. جنهن کي حاصل ڪرڻ لاءِ برهمڻ آباد جي ظالم حاڪم، دلوراءِ سومري، سيف الملوڪ جا ٻيڙا روڪيا هئا. پر مالڪ جي مهر سان ٻيڙن واري هنڌ وٽان دريا ڦاٽ ڪائي اچي پوراڻ ۾ پيو هو ۽ روڪيل ٻيڙا صبح تائين دلوراءِ جي حد مان نڪري چڪا هئا.

سيف الملوڪ ۽ بديع الجمال جون تربتون ۽ محلات جا کنڊر ڏڙيلي ۽ آمريءَ جي وچ ۾ منڊرن جي کنڊرن سامهون پراڻ جي ڪابي پاسي جسيريل جي پٽڻ لڳ اڄ بہ موجود آهن. جنهن جي آسپاس، ٿوري ٿوري پنڌ تي ڪيترن ئي بزرگن جون مزارون آهن، جن مان مخدوم ابراهيم ناگوراڻي، سيد لال چتي، درويش بابو سڪريي ۽ درس اجر لوريڙ جو ذڪر مير علي شير "قانع" تحفة الڪرام ۾ بہ ڪيو آهي.

قديم وقت ۾، توڙي شاهه صاحب واري دؤر ۾ پوراڻ درويشن، فقيرن، عالمن ۽ شاعرن ڪان مشهور هئي. جنهن ڪري ڪيئي بزرگ تمام پري ڪان ڪهي انهن جي ملاقات ۽ زيارت لاءِ ايندا هئا. جن ۾ نٽي جو مشهور عالم مخدوم محمد هاشم نٽوي بہ شامل آهي، جيڪو پراڻ جو پرتوو پسڻ لاءِ نٽي ڪهي آيو هو. جنهن جو ذڪر اڳ ۾ ٿي چڪو آهي. اهڙي طرح "دشت باران" جو بزرگ جڪرو ننڍو جيئن هتي آيو تہ وري واپس نہ موٽيو ۽ هميشہ لاءِ پوراڻ جي پيرن جي خدمت ۾ رهيو ۽ سندس مزار بہ پوراڻ جي ڪناري آمريءَ جي قبرستان ۾ آهي.

پوراڻ جا پير هن ضلعي جي ٽن تعلقن ميرپورخاص، جيمس آباد ۽ ڊگهڙيءَ ۾ ڏسجن ٿا، جن کي "پوراڻ جو پٽ" سڏيو ويو آهي ۽ شاهه صاحب پوراڻ جي پٽ کي دعا ڪندي فرمايو آهي تہ:

مونکي ڪنوڻين خوش ڪيو، جي ڪڪر ۾ ڪاري،
ونا پٽ پوراڻ جا، ونيون "ساماري"،
لکن کي لطيف چئي، پلر پياري،
وڃڻين واري، ڪٽي ڪعبي تي ڪر نائيا.

حضرت شاهه عبداللطيف رحہ آمريءَ کان اڳتي نڪري "بادل فقير" جي آرامگاهه لڳ "بالوءَ جي ڪنب" وٽ پهچي ٿو تہ سامهون "بدام" جو پٽ اچي ٿو، جيڪو جاگرافيائي توڙي تاريخي لحاظ ڪان مشهور هو. جنهن ۾ سنڌ جي مشهور سورهيہ پونري جي راجڌاني "برڙائي ڪوٽ" جا کنڊر ڏسڻ ۾ اچن ٿا، جيڪي پوراڻ جي پراڻي بزرگ "جهنڊي پاٽڻيءَ" جي مزار ڪان ڏکڻ طرف ميل ڪن پنڌ تي آهن.

لاکيٽي لطيف بدام جو ذڪر سر سارنگ ۾ اجهو هن طرح ڪيو آهي:

اڄ رسيلا رنگ، بادل ڪڍيا برجن سين،
ساز، سارنگيون، سرندا، وڄائي برچنگ،
صراحيون سارنگ، پلٽيون رات "بدام" تي.

مغل دؤر ۾ جڏهن دل قوم جي ماڻهن اهو شهر ٻيهر اچي آباد ڪيو ته اهو دلہ لوءِ سڏجڻ لڳو ۽ ڪلهوڑا دؤر ۾ انهيءَ شهر جو دريا خان دل هو، جنهن کي شاهہ صاحب دعا ڪئي ۽ ڪافي وقت وٽس رهيو هو. جنهن جو مختصر ذڪر مٿي اچي چڪو آهي.

ڏيلي کان پوءِ شاهہ صاحب ڏکڻ طرف سفر ڪندو آمريءَ جي قبرستان وٽ پهتو، جيڪو قبرستان، سنڌ جي قديم قبرستانن مان هڪ آهي. جنهن ۾ سلطان محمود غزنويءَ جا سپاهي ٻہ دفن ٿيل آهن ته پراڻ جا مشهور شاعر ماموريا فقير ٻہ آرامي آهن. جن کي "هفت تن" ٻہ ڪوٺيو ويو آهي.

سومرا دؤر ۾ هن قبرستان جي هڪ ڪنڊ ۾، حضرت غوث بهاوالحق ذڪريا ملتاني رحہ چلو اچي ڪڍيو هو ۽ آمريءَ جو وڻ ٻہ پوکيو هو، جنهن تان انهيءَ قبرستان جو نالو ٻہ آمريءَ جو قبرستان مشهور ٿيو ۽ پوراڻ جو اهو گهيڙ ٻہ آمريءَ وارو گهيڙ سڏجڻ ۾ آيو.

اهڙي طرح حضرت غوث بهاؤالحق رحہ جي چلي وارو هنڌ، اڳتي هلي "سمن صالحن" جي نالي سان مشهور ٿيو، جنهن جو مطلب آهي، الله وارن نيڪ انسانن جي ملاقات جو هنڌ، جتي مقرر ٽائيم تي يا مقرر ڏينهن تي اهي اچي گڏ ٿيندا هئا.

شاهہ صاحب جي وڏي هم عصر بزرگ ميين شاهہ عنات رضوي رحہ هڪ وائيءَ ۾ آمريءَ جو ذڪر ڪيو آهي. جنهن جو ٽل هن طرح آهي ته:

سمن صالحن، توڙان طالبن، اصل آهي آمري،

سو شاهہ صاحب جڏهن آمريءَ وٽ پهتو ۽ ان بابت تاريخي حقيقتون معلوم ڪيائين ته آمريءَ سان هن طرح مخاطب ٿيو:

تون ابل سندي آمري، ڪ تون لاکي سندي لال

اهو پڇڻ کان پوءِ، آمريءَ جي پاران پاڻ ئي جواب ڏنائين ته:

مون ۾ لا کي لعلون ٻڌيون، آئون لا کي سندي لال،

ابل اچي ڪالهہ، هو مون وٽ مانجهادو ڪيو.

اهڙي طرح آمريءَ جي گهيڙ ڏانهن متوجهہ ٿيندي، پوراڻ کان وري هن طرح سوال ڪيائين ته:

جهوني تون پوراڻ، جڳ چٽيهہ سنيرين،
توکي ڏنا هاڻ، لاکي جهڙا پهيڙا؟

اهو سوال پڇڻ بعد پوراڻ جي پاران جيڪو جوابي بيت ڏنائين، سو هن طرح آهي:

لاکا لکين آئيا، انڙ ڪروڙيون اٺ،
هيم هيڙائو هيڪڙو، آيو هو مون وٽ.

مذڪور بيتن ۾ لاکي ڦلاٽيءَ جو، مهر راڻيءَ سان پرڻجن لاءِ ڪڇ کان جج ونڊي اچڻ، پراڻ جي انهيءَ گهيڙ مان لنگهڻ، ڏيج جي ڪپڙن جو پسي پوڻ، انهن کي پوراڻ جي وڻن تي سڪائڻ، وڻن تي سڪايل ڪپڙن کي اوڀاڙي چئي، اتي چڏي ڏيڻ واري واقعي سان گڏ، سومرا دؤر جي مشهور سوداگر سيف الملوڪ جو اتي لهڻ، لاکي جي اوڀاڙي واري ڳالهہ ٻڌڻ ۽ ان جو پوراڻ جي وڻن کي زيور پارائڻ واري ڳالهہ ڏانهن ٻہ اشارو آهي.

اجتماعي طرح مٿين بيتن ۾، سنڌ جي ٽن تاريخي ڪردارن ڏانهن اشارا آهن، جيڪي ڪنهن نہ ڪنهن طرح پنهنجي دؤر جا مشاهير هئا.

ڏناسون.“ مگر ڪن شاگردن چيو تہ ”نہ سائين! هلو تہ اڳتي هلون!“ انهيءَ تي ان بڪرار چيو تہ، ”بابا اڳتي نہ وجو، پوراڻ جي پيرن مان ڪي بزرگ جلالي طبع وارا بہ آهن جي باراڻي گفتگو کان جي ڪاوڙجي پيا تہ پوءِ سنو ڪونہ ٿيندو.“ ان بعد مخدوم صاحب شاگردن سميت پوئتي موٽيو ۽ بڪرار راهہ ورتي. اهو بڪرار اصل ۾ درس عثمان ڪاڇيلو هو، جنهن سان شاهہ صاحب اڇي ملاقات ڪئي هئي.

درس عثمان جي رهائش گاهہ ”آبهاري“ جي پٽ ۾ هئي، جيڪا ڏرتي جيمس آباد جي تعلقي ۾ اڇي وجي ٽي، جتي ئي هينئر سندس مزار آهي.

شاهہ صاحب آبهاري جي سڪونت بعد، پوراڻ جي ڪناري سان اڳتي روانو ٿيو ۽ سير ڪندي ”ڏڙيلي“ جي شهر ۾ پهتو هو، جيڪو شهر موجوده ”ڪاڇيلي اسٽيشن“ جي لڳ، پوراڻ جي ساڃي ۽ ڪابي طرف هو جنهن جا آثار هينئر گهٽي پاڳي بلڊورزن ۽ ٽريڪٽرن جي نذر ٿي چڪا آهن.

انهيءَ شهر جو قديم نالو ”دلہ لوءِ“ هو جنهن کي عرب مؤرخين ”دليلہ يا دهليلہ“ ڪوٺيو، جيڪو اڳتي هلي ”دليلو“، ”دريلو“ پوءِ ”ڏڙيلو“ سڏجڻ ۾ آيو ۽ انگريزن جي حڪومت دوران، جڏهن اتي ريلوي اسٽيشن قائم ڪئي وئي تہ انجو نالو بہ ڏڙيلو مقرر ٿيو، جيڪو پوءِ سبب ڪاڇيلو جي نالي ۾ تبديل ٿي ويو.

شاهہ صاحب جنهن دؤر ۾ اتي پهتو هو تنهن دؤر ۾ پوراڻ جي ٻنهي پاسن ڪاڪ جي پٽ کان بدام تائين دل قوم گهٽائيءَ ۾ هئي، جن مان ڏڙيلي شهر جو سردار دريا خان دل سيني کان سيرو ۽ وڏو سردار هو، جنهن شاهہ صاحب جي تمام گهڻي خاطر تواضع ڪئي هئي ۽ شاهہ صاحب راضي ٿي ڪيس دعا ڪندي فرمايو هو تہ:

دل تہ دريا خان، ٻيا مڙيئي ٻائڙا.

ڏڙيلي شهر جي وچ ۾ پراڻ جي موڙ کي بلڪل سامهون هڪ ڏڙي تي قديم دؤر جي هڪ بزرگ سيد سوڍل شاهہ جي مزار آهي. جتان پراڻ ڏي ڏسندي دل ۾ ايتري تہ ڪشش پيدا ٿيندي آهي جو اتان اٿڻ محال ٿي پوندو آهي. سو شاهہ صاحب جڏهن اتي پهتو تہ پراڻ جي انهيءَ گهيڙ جي سونهن ڪيس اڳتي نہ ڇڏيو ۽ پاڻ اتي ويهي ڪيترا ڏينهن سوڍل شاهہ جون مٺيون پريندو رهيو ۽ اتي هڪ چلو بہ ڪڍيو هئائين جيڪا جاءِ بزرگ جي مزار جي ڏکڻ ۾، پراڻ جي ڪناري سان آهي. سيد سوڍل شهيد، سومرا دؤر جو بزرگ هو ۽ پوراڻ جي موڙ وٽ رهندو هو. سندس وار ايڏا تہ ڊگها هوندا هئا، جو انهن جا چيڙا پيرن جي آڱوٺن ۾ ڦاسائي سڏو ٿي بيهندو هو.

جڏهن ان شهر جو پاڻياريون دلا ڪٽي پوراڻ جي انهيءَ گهيڙ تان پاڻي پرڻ ايندیون هيون تہ انهن جو حسن ڏسي، شاهہ صاحب وجد ۾ اچي ويندو هو ۽ سندس لونءَ لونءَ مان ”سبحانہ- سبحانہ“ جو ورد جاري ٿي ويندو هو.

انهيءَ شهر ۾ سوڍن ڪرن ۽ ڪن مسلمانن کي شاهہ صاحب جي اِ ها روش پسند نہ آئي ۽ هنن شاهہ صاحب کي قتل ڪرڻ جو منصوبو ٺاهيو جيڪو معلوم ٿيڻ تي ..... شاهہ صاحب شهر وارن کي چيو تہ اڄ ئي هي شهر ڇڏي هليا وڃو نہ تہ سياڻي هتي زلزلو ايندو ۽ سڄو شهر غرق ٿي ويندو. جنهن تي فقط هڪ ڪنيار اتان لڏي منڊرن جي شهر ڏانهن هليو ويو ۽ ٻيو ڪوبہ ماڻهو ڪونہ نڪتو.

رات جو سوڍن ۽ مسلمانن گڏجي شاهہ صاحب کي شهيد ڪرايو ۽ صبح جو خطرناڪ زلزلو آيو، جنهن کان سڄو شهر ڊهي هڪ ڏڙي جي شڪل بنجي ويو.

”ڪاڪ جو پٽ“ ميرپورخاص جي شهر کان ڏکڻ طرف آهي جنهن تي اهو نالو ”ڪاڪ“ بن انڙ جي رهائش ڪري مشهور ٿيو ۽ اهو ”ڪاڪ“ مال سانگي، سنڌ جي جنهن ۾ حصي ۾ وڃي سڪونت پذير ٿيو، اهو هنڌ ڪاڪ جو پٽ سڏجڻ لڳو. اهڙي طرح اڳتي هلي، اهو ”ڪاڪ“ لفظ ”ڪاڪ“ بٽجي ويو ۽ ڪاڪ جي نالي سان ”بدين“، ”مني“، ”ڪپري“، ”جيسلمير“ ۽ ٻين هنڌن تي ايراضيون، پٽ ۽ ڳوٺ آهن، جيڪي اڄ ب انهيءَ نالي سان مشهور آهن.

ياد رهي ته انهي ڪاڪ جو پٽ ”راءِ راڌڻ“ مشهور ٿيو، جنهن جو پٽ ”سمون“ ٿيو جنهن جو اولاد ”سمات“ سڏجي، جنهن جون ڪئين ساخون آهن. قديم دؤر کان ڪاڪ ۽ ڪاهوءَ جي ايراضيءَ مان ”پوراڻ“ ندي وهندڙ هئي، جنهن کي گهٽن ورن وڪڙن جي ڪري، ڪن مؤرخن ”پورالي“ ب سڏيو آهي ۽ پوراڻ جي معنيٰ ب ساڳي آهي. جنهن کي هاڻي ”پراڻ“ سڏيو وڃي ٿو. جيڪو اصل ۾ غلط آهي ۽ اديبن جو فرض آهي ته انکي ”پوراڻ“ لکن ۽ پڙهن.

شاهه صاحب جنهن دور ۾ انهيءَ سفر تي نڪتو هو، تنهن دور ۾ ”پوراڻ جا پير“ مشهور هئا جن کي ڏسڻ ۽ ساڻن ملاقات ڪرڻ جي خيال کان پاڻ پوراڻ جو ڪنارو ونڊي ڏکڻ طرف روانا ٿيا. انهيءَ دور ۾ پوراڻ تي ڪافي پٽڻ ۽ گهيڙ هئا، جن مان ڪاهوءَ جو پٽڻ، ڪاڪ جو پٽڻ، جهلوري جو پٽڻ، واگهريجيءَ جو پٽڻ ۽ آبهاري جو پٽڻ مشهور هئا.

شاهه صاحب، انهن پٽڻن ۽ گهيڙن جي ذريعي پوراڻ جي ٻنهي طرفن سير ڪندو، مماتيءَ وارن بزرگن جي مزارن تي فاتحه پڙهندو، حيات بزرگن سان روح راڻيون ڪندو ”آبهاري“ جي ايراضيءَ ۾ پهتو، جتي ”درس عثمان ڪاچيلي“ سان سندس ملاقات ٿي، جيڪو ٻڪريون چاريندو هو ۽ جهنگ ۾ ڏنارن، ٻڪرارن ۽ جهانگين کي درس ڏيندو هو. متواتر روايتن موجب جڏهن شاهه صاحب درس عثمان سان ملاقات بعد اڳتي روانو ٿيو ۽ اڳتي ڪنهن فقير کانئس درس عثمان جي باري ۾ پڇيو ته پاڻ فرمايائون ته:

ڪپريان پري ٿيا، ابد ٻڌائون،
انين وت آئون، رهي آيس راتڙي.

درس عثمان ڪاچيلو انهن بزرگن مان هو، جنهن سان لٽي جي مشهور عالم مخدوم محمد هاشم ٺٽويءَ ب ملاقات ڪئي هئي. اها حقيقت هيئن آهي ته انهيءَ دؤر ۾ ٺٽي شهر اندر پوراڻ جي پٽ جي هڪ پوڙهي عورت رهندي هئي، جيڪا هر وقت پوراڻ جي پيرن جي تعريف ڪندي رهندي هئي. ٺٽي جي ڪن ماڻهن کي اها ڳالهه نه وڻي، سو مخدوم محمد هاشم کي وڃي ٻڌايائون، جنهن وڃي ان پوڙهي عورت سان ملاقات ڪئي ۽ پوڙهيءَ جي واتان پوراڻ جي پيرن جي تعريف ٻڌي مخدوم صاحب شاگردن جي قافلي سان گهوڙن تي سوار ٿي پوراڻ طرف روانو ٿيو ۽ جڏهن پوراڻ جي قريب پهتو ته اڳين نماز جو ٽائيم ٿي ويو ۽ پاڻي نه ملڻ ڪري مخدوم صاحب ڏاڍو پريشان ٿيو ۽ انهيءَ پريشانيءَ واري حالت ۾ اوچتو هن هڪ ٻڪرار ڏٺو، جنهن جي هٿ ۾ پاڻيءَ جي ڪري هئي. مخدوم صاحب ٻڪرار کان پاڻي جو ڏس پڇيو ته ٻڪرار ڏانهس ڪري وڏائي ۽ پاڻي پيئڻ لاءِ چيو. پوءِ مخدوم صاحب ۽ شاگردن ان کريءَ مان پاڻي پيتو ۽ وضو ڪيو ۽ وضو جو هاريل پاڻي وهٽن پيتو ۽ ان بعد سيني گڏجي نماز پڙهي نماز بعد مخدوم صاحب ان ٻڪرار سان ڪچهري شروع ڪئي، جنهن ۾ ان ٻڪرار مخدوم صاحب کي اهڙا ته علمي ۽ روحاني نڪتا سمجهايا جو پاڻ حيران ٿي زارو زار روئڻ لڳو ۽ پوءِ ان ٻڪرار کانئس اڇڻ جو ڪارڻ پڇيو ته مخدوم صاحب ٻڌايو ته ”مونکي پوراڻ جي پيرن سان ملڻو آهي.“ جهن تي ٻڪرار چيو ته آئون پوراڻ جي پيرن جو ٻڪرار آهيان ۽ بزرگ اڃا اڳتي آهن. اهو ٻڌي مخدوم صاحب شاگردن کي چيو ته ”بابا! هلو ته پوئتي هلون، پوراڻ جا پير

شاھ عبداللطيف جو ميرپورخاص جي پٽ سير ۽ سفر

سنڌ جي سرزمين تي، قديم دؤر کان اڄ تائين جيڪي صوفي بزرگ، علماءِ ڪرام، شاعر حضرات ۽ ٻيا مشاهير پيدا ٿيا آهن، تن سيني ۾ جيڪو مرتبو ۽ مقام حضرت شاھ عبداللطيف ڀٽائي رحہ کي عطا ٿيو، اهو ٻئي ڪنهن کي ب حاصل ٿي نہ سگهيو آهي.

پٽ ڏٽيءَ جي انهيءَ اتاهين مرتبي، مٿان مقام ۽ عظمت جو هڪ سبب، سندن اهو اونهون مشاهدو ب آهي، جيڪو کين سير ۽ سفر جي ذريعي حاصل ٿيو. جنهن ۾ پاڻ نہ فقط قديم دور جي بزرگن جي آستانن تي چلا کڌي روحاني سکون حاصل ڪيائون ۽ وقت جي بزرگن عالمن ۽ فقيرن سان ملاقاتون ڪري قيمتي سبق پرايائون بلڪ ملڪ جي مکيہ جاگرافيائي هنڌن تاريخي آثارن ثقافتي نشانن گهيڙن ۽ پٽڻن بندرن ۽ بازارين کهاڻين ۽ قصن ريتين ۽ رسمن وٽن ۽ ولين گاهن ۽ ٻوٽن جيتن ۽ جڙين پکين ۽ جانورن وغيره جو پڻ ڳوڙهو اڀياس ڪيائون. پوءِ انهن جي فطرت ۽ عادتن کي پنهنجيءَ شاعريءَ ۾ تمثيلن، تشبيهن استعارن، ڪنايا ۽ صنعتن طور ڪم آڻي، ماڻهن کي جاتل حقيقتن جي ذريعي حقيقي پيغام کان واقف ڪري ڇڏيائون.

شاھ صاحب جي سير ۽ سفر جو سلسلو سندن ننڍپڻ کان شروع ٿيو ۽ آخري عمر تائين جاري رهيو. جنهن ۾ پاڻ نہ رڳو سنڌ جو سير ڪيائون، بلڪ پر وارن ملڪن جهڙوڪ: ڪيچ مڪران، ڪچ، ڪاٺياواڙ، نيڙ، جوڌپور ۽ جيسلمير وغيره جي ڪن پاڳن ۾ ب ويا، جن بابت سندن ڪلام ۾ اشارا ۽ اهجاڻ موجود آهن.

جيئن تہ "لطيفي سير" هڪ وڏو ۽ وسيع موضوع آهي. جنهن لاءِ ڪافي ڪتاب لکڻ جي ضرورت آهي. انهيءَ ڪري آئون هتي ان جي بيان جو مڪمل طرح ست نہ ساريندي، فقط شاھ صاحب جي انهيءَ سفر جو ذڪر ڪندس، جنهن ۾ پاڻ موجوده ٿرپارڪر ضلعي جي ايراضيءَ ۾ مختلف هنڌن جو سير ڪيو هئائون.

حضرت پٽ ڏٽيءَ ٿرپارڪر جي ايراضيءَ جو سير، هڪ سفر ۾ يا مختلف سفرن ۾ ڪيو، تنهن بابت ڪو تاريخي ثبوت ڪونہ ٿو ملي. پر سندس ڪلام ۾ آيل اشارن ۽ ڪلام جي رنگ ۽ جنوعيت مان اهو ٿو ظاهر ٿئي تہ پاڻ اهو سفر جواني جي ڏينهن ۾ ڪيو هئائون.

جاگرافيائي مطالعي ۽ تاريخي قرابت مان اهو ٿو پتو پوي تہ شاھ صاحب جي دؤر ۾ "پٽ شاھ" يا "هالا حويلي" واري ايراضيءَ کان "ٿرپارڪر" تائين پهچڻ لاءِ ٿرپارڪر کان اوڏانهن وڃڻ لاءِ ب ٻہ رستا هئا، جن جي جاءِ تي هينئر پڪا رستا. ميرپورخاص کان ٽنڈو آدم روڊ ۽ ميرپورخاص کان ٽنڈو الهيار ۽ نصرپور روڊ نهي چڪا آهن، جن تي موجوده شهرن جي بجاءِ ٻيا شهر هئا، جيڪي هينئر ڪندرن جي شڪل ۾ تبديل ٿي ويا آهن.

لاکيٽو لطيف، لازمي طرح انهن ٻنهي رستن مان ڪنهن ب هڪ رستي کان ٿرپارڪر ضلعي جي "ڪاهو" ۽ "ڪاڪ" جي پٽن تي پهتو هوندو.

"ڪاهوءَ جو پٽ" ميرپورخاص جي موجوده شهر جي اتر طرف آهي، جنهن ايراضيءَ ۾ هڪ قديم دؤر جو "ڀڙو" پڻ آهي. جنهن کي "ڪاهوءَ جو دڙو" ڪوٽيو وڃي ٿو. جيڪو اتي پوءِ ڪاهو ڏيري جي رهائش ڪري سندس قديم نالي جي بدران "ڪاهوءَ جو دڙو" سڏجڻ لڳو. ڪاهو ڏيرو سومرا دور جي هڪ سمي سردار "جام نندي" جو سالو هو، جيڪو بدام جي ايراضيءَ جو رهندڙ هو.

السلام اي سر جدا شاهِ شهيدان بي وطن،
السلام اي ياحسين ابن علي بي سر بدن،
السلام اي باني دشت مصيبت بي دفن،
السلام اي يازبيح الله اكبر السلام
السلام اي تخنہ لب جان پيمبر السلام.

نوٹ: کتاب مضامین طالب المولیٰ تان کنیل.

صرف امام مظلوم جي محب هڻڻ جي دعويٰ ڪريون ٿا، پر سندن نقش قدم تي عامل نه آهيون. جيڪڏهن ان ڏس ۾ غور ڪجي ٿو ته ڪربلا جي هر هڪ شهيد جي خون جو قطرو قطرو شمع احمدي بنجي عمل ڪرڻ لاءِ وري وري دعوت ڏئي رهيو آهي.

ڪربلا جي واقعي مان اسان کي نه فقط بهادري ۽ جوان مردي جو سبق ملي ٿو، بلڪ عملي زندگي جي هڪ اعليٰ تعليم به مثلاً:

1. مختصر اقليت کي متحد ۽ تفق ٿي پنهنجي حق لاءِ لڙڻ بقا جو بنياد آهي.
2. بک ۽ اڃ ۾ ڪابه جسماني تڪليف مومن کي راهه حق کان موڙي نٿي سگهي.
3. انسان جوهر وفاداري آهي.
4. حق جا طالب دولت ۽ عمارات جي پرواهه نٿا ڪڍن.
5. مذهب کي قائم رکڻ لاءِ هر قرباني ڪئي وڃي.
6. جسم اسير ٿي سگهي ٿو، مگر زبان هرگز نه.
7. الله جي اطاعت ۽ عبادت تيرن ۽ تلوارن جي برسات ۾ ترڪ ڪري نه ٿي سگهجي.
8. سچو مسلمان فاجرن ۽ فاسقن جي اڳيان سرخم نٿو ڪري سگهي.

سلام ان تي، سلام ان تي،
رسول الله جو جاني، نه ان جو آهي ڪو ثاني
بهارِ گلشن امت، نشان مذهب و ملت،
سلام ان تي، سلام ان تي.
ٿيو جو حق مٿان قربان، عمل ۾ جنهن جي هو قرآن،
هو گل گلزار احمد جو، نواسو هو محمد جو
سلام ان تي، سلام ان تي.
جو حق جو پاسبان آهي، انهي ۾ ڪوبه شڪ ناهي،
فدائي دين مرسل جو، شجاع وصف شڪن جوهو،
سلام ان تي سلام ان تي.
ڇڏيو باطل کي جنهن ميٽي، رزالت کي ڇڏيئين ريٽي،
خدا جو خاص پيارو آ، سدائين 'طالب المولىٰ'
سلام ان تي، سلام ان تي.
السلام اي گلشن باغِ نبوت السلام،
السلام اي سر جدا سرِ امامت السلام،
السلام اي وارثِ تخت نبوت السلام،
السلام اي مظهر سر ولايت السلام
السلام اي نائب دين محمد السلام
السلام اي وارث دستار احمد السلام
السلام اي خشڪ لب يا صاحبِ نهر لبن،

مخدوم محمد زمان طالب المولی

يوم شهادت حسين رضہ

حضرات!

آفتاب عالم تاب پنهنجي ٿي سو پنجهٺ ڏينهن جي گردش ۾ ڏهه مقدس ڏينهن اهڙا به آڻي ٿو، جي حق ۽ صداقت واري وات ۾ هڪ عظيم الشان قرباني جي يادگار آهن، جنهن جو نقش دنيا جي صفحي تي روشني ۽ جلي حرفن ۾ اهڙي طرح ته اکريل آهي جو کڏهن به ۽ کنهن جي به ڌاهڻ سان هرگز هرگز ڌهي نه سگهندو.

حضرت سيد الشهدا عليه السلام تي اڄ به ڪروڙين انسانن جون اکيون روئي رهيون آهن ۽ تاقيامت روئيندیون رهنديون.

جن سختين ۽ تڪليفن جي ابتدا جناب سرور ڪائنات صلي الله عليه وآله وسلم جن تي ٿي، انهن جو اختتام سرزمين ڪربلا تي ٿيو، قدرت سختيون ۽ تڪليفون پنهنجن ئي پيارن لاءِ منتخب ڪيون آهن.

مرزا دبير هڪ هنڌ اهو ذڪر ڪندي چيو آهي:

اللہ نے جب پیدا کیا رنج و بلا کو،
تقسیم ہوئی سب وہی خاصانِ خدا کو
اور سب سے سوا حصا ملا آل عبا کو
تحریر کا فرمان ہوا کلک قضا کو
آغاز مصیبت کا تو لکھ نام نبی پر
اور خاتمہ باالخیر حسین ابنِ علی پر۔

حق ۽ صداقت جي وات ۾ ظلم ۽ ستم جو مقابلو اهڙي استقلال ۽ ثابت قدمي سان ڪرڻ، دنيا ورن امام مظلوم کان اول ڪڏهن به نه ڏٺو هوندو ۽ نه وري اڄ تائين ان کان بعد اهڙو درد انگيز واقعو ڪنهن ٻڌو هوندو، ڪل ٻاهتر ساٿين جي جماعت سان هڪ زبردست حڪومت جو مقابلو سچائي ۽ شجاعت جو اهڙو ڪارنامو هو، جنهن جو مثال تاريخ ۾ ڪٿي به نٿو ملي ۽ مصائب وآلام جي ڪاب شديد صورت باقي ڪانه رهي، جا انهن حق جي جانثارن تي نه گذري هجي.

بلڪل آسان هو جي امام مظلوم دشمنن جي قوت شوڪت ۽ زبردست غلبو ڏسي پنهنجي بي بسي ۽ معزوريءَ تي نظر ڪري اطاعت قبول ڪري ها، جيئن جيئن اڪثر وڏين وڏين جنگين ۾ هارائيندڙ ڏر ڪيو آهي ۽ اهڙي موقعي تي ڪبو آهي. جو اهو موقعو شهدائي ڪربلا جي اڳيان هزارين حصا گهٽ هوندو آهي.

انهي روش کي سياست جي علمبردارن وقت جي مصلحت سان تعبير ڪيو آهي. جيڪڏهن امام مظلوم به ان طرح ڪري ها ته ان ۾ ڪوبه شڪ نه آهي ته دنيا ئي راحت و آرام ۽ عيش و عشرت جون وڏيون وڏيون نعمتون ميسر ٿين ها. مگر ائين نه ٿيو، باوجود ان جي عزيز و اقارب ۽ اهل و عيال ۽ دوست و احباب هڪ هڪ حق جي پاران نشانئ اجل بنيا، پر هنن صداقت جي فدائين صبر ۽ شڪر سان جملي تڪليفن جو مقابلو ڪيو، پر حق ۽ انصاف کان روگرداني هرگز نه ڪئي. پر صد افسوس اسان تي آهي جو

ڏاتل خان چنا اداسي
ڦلجي ولیج

نذرانہ عقیدت حضرت امام حسین علیہ السلام

اي حق جا امام سبحان الله،
توکي منهنجو سلام سبحان الله.

تون رَسول جو دادلو دلبر آن،
کيئي بُلند اِسلام سبحان الله.

تون آن سرخرو ٻنهي جهانن ۾،
تنهنجو آهي ڪلام سبحان الله .

تون نواسو پياري رسول سندو
ڏنئي حق جو پيغام سبحان الله.

تون مولا عليءَ جو پيارو پرين ،
تنهنجو پيارو آ نام سبحان الله

تون سيد صابر ٿو سڏجين ،
ڏيندي جنت جا جام سبحان الله

تنهنجو دامن آقا جنهن پکڙيو
تنهن لئي جنت انعام سبحان الله

آ شهادت تنهنجي رنگ لاتو،
تنهنجو ذکر مُدام سبحان الله

اها آس 'اداسي ڏاتل' جي آ،
ڪريو پنهنجو غلام سبحان الله.

چوند حسيب ميمڻ

معمور يوسفاڻي

فيصلو

خاندانن جي لڙائي کين هئي،
معرڪو هي حق ۽ باطل جو هو.
حق جا حامي شهادت کي رسيا
باطلن تي مينهن لعنت جو ونو.

السلام

ڪارنامو تنهنجو راهه معرفت
سچ جي دنيا جا رهبر السلام
تون هڻي وئين رب جو نالو وني
ڪوڙ جي سيني تي خنجر السلام
فخر عقبيٰ، فخر دنيا فخر دين
فخر مسجد، فخر منبر، السلام
فخر عالم فخر ڪل انسانيت
فخرِ زهرا، فخرِ حيدر السلام.

ڏنو محرم ماهو

نئين سال جي ٿي شروعات آهه
اجهو آيو آهي، محرم جو مهينو
عرب ۽ عجم توڙي ايران
مسلمان مومن لئي غم جو مهينو

حسين ابن علي

ذلت جي حياتي کي ڇڏي موت ڏي هليو،
عزت جو طلبگار حسين ابن علي هو،
طاغوت جي لشکر سان لڙي، گس ڏسي ويو،
اسلام جو آڌار حسين ابن علي هو.

سچ ۽ ڪوڙ جو فرق

سڏو سَچ! سچَن صحفين اڳيان
رهي هيچ ٿو ڪوڙ وارو ڪتاب
امامن جي عزت ڏينهان ڏينهن وڌ
يزيدي سدائين خوار ۽ خراب

سلام

ڪجي وصف ڇا شاهه شبير جي؟
خدا جو پيارو اسان جو امام
ادا تنهن جي ساراهه ٿنا ڪيئن ٿئي!
شب و روز جنهن تي هجن سَوَ سلام

سچ جو حامي

مرتضيٰ جو شير ۽ زهرا جو فخر
شير جيئن ميدان تي آيو حسين
ڪيئن نه بي دينن جي لاهي لاک ويو
مصطفيٰ جي دين جو راکو حسين

بي مثال قرباني

رُڄ ۾ ۽ اُڄ ۾ ثابت قدم،
هي عليءَ جي شير جو ئي هو ڪمال
رب جي نالي ڪهائڻ سپ عزيز
ڪونه آ تاريخ ۾ اهڙو مثال!

مرتبو

پلي ڪان پلائي جا ٽيٽي هئي،
مٽائي سگهي ڪير تقدير کي؟
شهيدن جي دنيا ۾ اعليٰ، عظيم،
مليو مرتبو شاهه شبير کي.

ذکر ۔ کربلا

عبدالکریم کریم پلي

قطعات

محرم جو چند

چوڻ جي نہ طاقت زبان کي کا آهي،
ڪجي ڪهڙو آخر، بيان غم سندو
وري زخم ڪهڻ ٿي تازه پيا،
ڏسي چند ياروا! محرم سندو.

ڪربلا جو واقعو

چشمِ بينا لئہ حقائق جو خزينو لازوال،
پاڻ ۾ پنهان رکي ٿو، ڪربلا جو واقعو،
اڄ به ضرب المثل آهي، جڳ سڄي ۾ بي گمان،
سيد الشهداءَ سندي صبر و رضا جو واقعو.

پيڪر صبر و رضا

مظهر شان خدا توتي سلام
پيڪر صبر و رضا توتي سلام
دين ڪارڻ، راه حق ۾ ياحسين!
توکيو سيڪجهہ فدا توتي سلام.

فخر آدميت

شجائت ءِ همت جا پيڪر عظيم،
نبي پاڪ جا لاڏلا ياحسين،
ڪندي آدميت بجا طور فخر،
سندئي ذات تي دائما ياحسين.

محرم موتي آيو

محرم هيل آيو آهِ موتي،
ڏکين دلين کي هيڪاري ڏکائڻ،
فقط ڏهہ ڏينهن ڪافي ڪونہ آهن،
ڪپي هر وقت جيري کي جلائڻ.

ڪربل جو حادثو

دلدوز داستان آ، ڪربل جو حادثو
ناقابلِ بيان آ، ڪربل جو حادثو
دل جي نظر سان جيڪر ڏسجي تہ اصل ۾
دين خدا جي جان آ، ڪربل جو حادثو

خدا جي رحمت

هر دم وسي خدا جي رحمت حسين تي
قدرت به فخر ڪري ٿي حضرت حسين تي
همت جوان مردي، ءِ صبر و رضامندي
سڀ پڃ تہ ختم آهي، بصيرت حسين تي.

الله بچايو ’مشتاق‘ آريسر
ميرپورخاص

نعت شريف

بخت منهنجو اڄ کُ ليو، ٻيهر مديني پيو وڃان،
ڇو نہ اُن تي فخر ڪريان؟ آخر مديني پيو وڃان.
ورد هُ ن جي نام جو، منهنجي زبان جاري رکي،
آس اکڙين ۾ رکي، هر، هر مديني پيو وڃان.
پاڪ هستيون، پاڪ جايون، ٻيون گهڻيون آهن سوين
پر جتي آهي اڙين آڌار، مديني پيو وڃان.
اي مديني جون هوائون، ايترو شاهد ٿجو،
آهيان بي پر، اڄ اڏاميو پر مديني پيو وڃان.
جت قدم تنهنجا لڳا، سا خاڪ اکڙين لاءِ شفا
تنهنجي ٿي نظر ڪرم، ڪم تر مديني پيو وڃان.
تنهنجو ٿي ’مشتاق‘ شل، هر، هر مدينو پيو ڏسان،
ٿي سچو سردار صہ جو نوڪر، مديني پيو وڃان.

***

نم ناز (ٽنڊو جان محمد)

نعت شريف

باغ عالم ۾ آهي آمد، نبي سردار جي،
آجيان اڄ ڪئي گُلن گڏجي، مِٺي منٺار جي.
سرجهڪائي ٿيا سلامي، سونهن سرور جي اڳيان
جڳ سڄو حيران ٿيو، صورت ڏسي سرڪار جي.
ٿيا مطيعي جن، ملائڪ، حورون، پريون آدمي،
هر زبان تي آ ثنا، عربي سچي سالار جي.
ٿيا نبوت جي مٿان، قربان پروانا لکين،
فرشتن ڀي ڪئي غلامي آ، سخي ڪلتار جي.
ڪوٽ ظلمت جا ڪري ويا، هن سڄي عالم منجهان،
روشني جڳ کي ملي، ٿي مهرباني يار جي.
ڇا تہ منور نور بخشيو، هڪ بشر کي آ خدا،
”چنڊ تارا ڪن ثنا، عالم اجهي آڌار جي.“
مير مرسل بخش ڪر، آهيون گناهن ۾ ٻُڏل،
’ناز‘ محشر ۾ شفا، ٿيندي امي انوار جي.

دين محمد ’سجاڳ‘ پلي
لطيف نگر، عمرڪوٽ

نعت شريف

وٺن سبحان کان انعام عربي صہ ڄام جا عاشق،
وٺن اڪرام تي اڪرام عربي ڄام جا عاشق.
وجهن ڇو تاجدارن جي نگاهون تاج محلن ۾،
رکن فردوس ۾ گهر گام عربي صہ ڄام جا عاشق.
وساريندو نہ وارث پر غلامن کي پياريندو،
پرين پنهنجن هٿن سان جام عربي صہ ڄام جا عاشق.
وٺن ٿا بخت بالا سان خدا جي محب جو هر هر،
قلب ۾ قرب وارو نام عربي صہ ڄام جا عاشق.
برابر حوضِ ڪوثر جا ڀري ساغر پياريندو،
سمون ڏاتر سخا جو ڄام عربي صہ ڄام جا عاشق.
عدو ابليس ڇا تن سان شرارت شر ڪري سگهندو،
پون ٿا پاڪ رب جي سام عربي صہ ڄام جا عاشق.
سجاڳ آهي سگهاري دل سلامت ٿي اطاعت سان،
سلامت صبح توڙي شام عربي صہ ڄام جا عاشق

فهرست

نمبر	عنوان	ليکڪ	صفحو
٠١	نعت	الله بچايو مشتاق آريسر، دين محمد سجاڳ، نم ناز	01
٠٢	ذڪرِ ڪربلا	عبدالڪريم ’ڪريم‘ پلي، معمور يوسفاڻي، ڏاتل خان چنہ	02
	مضمون		
٠٥	يوم شهادت	مخدوم محمد زمان طالب المولىٰ	05
٠٨	شاهہ عبداللطيف ڀٽائيؒ جو ميرپورخاص جي ڀٽ ۾ سير ۽ سفر	معمور يوسفاڻي	08
١٥	پراڻ درياهہ جي مشاهداتي تاريخ	محمد حسن زاهد ڪنيار	15
٢٠	ميرپورخاص جو تعارف	ڊاڪٽر اسد جمال پلي	20
	شاعري		
٢٢	غزل	رضي محمد رضي / اسد جمال پلي	22
٢٣	غزل	حبيب الرحمٰن چوهان	23
٢٣	غزل	نورمحمد نورل ڪنيار	23
٢٣	غزل	اعجاز ياڊيپوٽو	23
٢٤	انب / نظم	فضل الله فدا چانڊيو	24
	ڪهاڻيون		
٢٥	زينان	پروين موسيٰ ميمڻ	25
٢٨	ماڪ ۽نا رستا	مير سجاد اختر ٽالپر	28
٣١	پنهل	محمد قاسم ڪلوئي	31

مسيحا

سنڌي سيڪشن

سرپرست اعليٰ

پروفيسر ڊاڪٽر سيد رضي محمد

نگران

پروفيسر ڊاڪٽر حبيب الرحمٰن چوهان

مرتب:

ڊاڪٽر اسد جمال پلي

چيئرپرسن ايناٽومي ڊپارٽمنٽ

رجسٽرار ابن سينا يونيورسٽي ميرپورخاص

غزل

چراغ شب کو جیسے آندھیاں اچھی نہیں لگتیں
کچھ ایسے ہی ہمیں خوش فہمیاں اچھی نہیں لگتیں
جنہیں سونے کے پنجرے میں غذا مل جائے چاندی کی
انہیں پھر عمر بھر آزادیاں اچھی نہیں لگتیں
وہ جن کے دل میں فصلِ غم نے ڈیرے ڈال رکھے ہوں
انہیں پھولوں پہ بیٹھی تتلیاں اچھی نہیں لگتیں
میرا دل چاہتا ہے یہ انہیں آئینہ دکھلا دوں
وہ جن کو دوسروں کی خوبیاں اچھی نہیں لگتیں

صائم نعمان

بڑی دیر ہوگئی

ہے زندگی کی شام بہت دیر ہوگئی
ساقی عطا ہو جام بہت دیر ہوگئی
اک وقت تھا کے پیتے پلاتے تھے رات دن
چھوڑے ہوئے یہ کام بہت دیر ہوگئی
کیسے بھلاؤں میں تجھے ساحل کے ریت پر
لکھا ہے تیرا نام بہت دیر ہوگئی
میں زندگی پہ کیسے بھروسہ کروں کے کب
ہوجائے اختتام بہت دیر ہوگئی
منظر کہاں سے لائیں شفق کے مزاج کا
ہم کو تو دیکھے شام بہت دیر ہوگئی
خالد بھلادے عہد کو وادوں کو توڑدے
پی جا اٹھا کے جام بہت دیر ہوگئی

خالد نواز راجپوت

محسن نقوی

جیسے پھر ہاتھ میں خوشبو کے خزانے آئے
یاد پھر سے مجھے گزرے وہ زمانے آئے
میرے اپنے بھی مجھے بھول گئے ہیں شاید
ایک مدت سے نہیں دل کو دُکھانے آئے
یوں تو دہلیز پر آجاتی ہیں یادیں لیکن
لوٹ کے پھر نہیں بچپن کے زمانے آئے
اب کے موسم نے بھی احسان کیا ہے مجھ پہ
مجھ سے ملنے کے لیے درد پرانے آئے
خوب رکھا ہے رفاقت کا بھرم اے محسن
کٹ گئے ہاتھ تو پھر ہاتھ ملانے آئے

سمعیہ مقصود

آزاد نظم

چلو آؤ اب موسم کا سرور چکھیں
تمام دوائیں بچوں کی پہنچ سے دور رکھیں
تم سے ملنے کی اب کیا جستجو کریں
طبیعت زیادہ خراب ہو تو ڈاکٹر سے رجوع کریں
ہماری چاہت کا کچھ تو خیال کریں
سیرپ کو اچھی طرح ہلا کر استعمال کریں
دل میرا ٹوٹ گیا اٹھی جب اس کی ڈولی
صبح دوپہر شام ایک ایک گولی
دل میرا عشق کرنے پر رضامند رہے گا۔
جمعہ کے دن کلینک بند رہے گا۔

مدثر نوید

آزاد نظم

سجے ہر بار خوشیوں کی یہ محفلیں
ہر خوشی تیری پاسبان رہے
تم زندگی میں اتنا خوش رہو اتنا
کہ ہر خوشی سے تمہاری شان رہے
دردِ غم سے دور رہیں
آپ اور خوشی آپ کی پہچان رہے
میرے دل کی دعا مزمل ہے
کہ سدا رخ پہ ترے مسکان رہے۔
(آمین)

محمد مزمل جاوید

بچپن کی یادیں

امی کی گود اور ابو کے کندھے
نہ روزگار کی سوچ نہ زندگی کے پنگے
نہ کل کی فکر نہ مستقبل کے سپنے
لیکن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
اب کل کی ہے فکر اور ادھورے ہیں سپنے
مڑ کر دیکھو تو بہت دور ہیں اپنے
منزلوں کو ڈھونڈتے ہوئے کہاں کھو گئے ہم
کیوں اتنی جلدی بڑے ہو گئے ہم

محمد ارسلان حیدر

غزل

دور تھی منزل سفر اور راستہ اچھا لگا
اور سفر میں ہمسفر سے رابطہ اچھا لگا
اس کا روٹھنا مجھ سے اور خود ہی من جانا
سوچتا ہوں الفت کا یہ سلسلہ اچھا لگا
جو بھی آیا اس کو اپنا ہی صنم سمجھے ہیں ہم
غیر کو اپنا سمجھنے کا مزا اچھا لگا
اس کی الفت کا سدا احمد رہا مجرم مگر
اعترافِ جرم کا یہ تجربہ اچھا لگا

احمد خان عباسی

غزل

اسی امید سے ہوں گر تِرا پیام آئے
پیام بھی اگر آئے تو میرے نام آئے
میں جانتا ہوں، کہ تو مجھ سے خفا ہے لیکن
میں اس امید سے ہوں اب تِرا پیام آئے
مقامِ حشر میں ہو جب ہمارا سامنا
تو بس زبان پہ اے دوست تیرا نام آئے
زندگی بھر یہ تمنا رہی مِری یارو
کہ تیرے ہاتھ سے آئے تو ایک جام آئے
اب تو پیمانے میں گردش نہیں باقی ساقی
عشق کہتا ہے کہ رِندوں میں مرا نام آئے
مِرے ترکش میں ابھی تیر ہیں باقی خاکی
صیاد بھی آئے تو میرے دام میں آئے

ارتضیٰ احمد خاکی

غزل

آج ایسا کمال کر دے تُو
میرا جینا محال کردے تُو
مجھ کو جینے کی آس ئی نہ رہے
زیست کا اک سوال کردے تو
جی بہت چاہتا ہے پینے کو
آنکھ اپنی کو لال کردے تُو
دھوپ چھبتی ہے آنکھ میں میری
زلف بادل مثال کردے تو
کم نہیں کسی معجزے سے جسم تِرا
حسن سے ارتحال کردے تو
نفس جمشید ہے پاکیزہ تیرا
چُھو کے سب کو کمال کردے تُو

رانا جمشید اقبال

گیت

اک نظر دیکھ لے تیرا کیا جائے گا
تیرا چہرا غم دل مٹا جائے گا
تیری زلفوں کا دل یہ دیوانہ ہوا
تیری آنکھوں میں ڈوبا فسانہ ہوا
تیرے بن یہ مِرا دل مَرا جائے گا
اک نظر دیکھ لے تیرا کیا جائے گا
میری خاطر تو مجھ پہ یہ احسان کر
تو مجھ کو کبھی دل کا مہمان کر
تیری دوری کا صدمہ مٹا جائے گا
اک نظر دیکھ لے تیرا کیا جائے گا
تیرا عاشق غمِ دل سے مر جائے گا
دھیرے دھیرے یہ صدمہ گذر جائے گا
اور غم کا اندھیرا بھی چھا جائے گا۔
اک نظر دیکھ لے تیرا کیا جائے گا

فیضان عباسی

تلاش خدا

(آزاد نظم)

گناہوں سے لبریز ہونٹوں سے نکلی یہ دُعا
اے میرے رب کریم تو ہے ذات لا الٰہ
لا الٰہ نکلا تھا اک دن زباں سے
گناہوں کا سمندر بہہ گیا محبت کے طوفاں سے
ہم نے ذاتِ خدا سے ڈرنا سیکھ لیا
ہم نے اپنے نفس سے لڑنا سیکھ لیا
نظر سے اپنی رحمتوں کی برسات دیکھی
اپنے اندر میں نے تیری ذات دیکھی
متلاشی ہوں میں خدا کو تلاش کرتا ہوں
رنگینیوں سے گرد آلود ہوں نور سے خود کو صاف کرتا ہوں
موسیٰ کو کوہِ طور پر اس ذات سے باکلام دیکھا
ملتا ہے جہاں خود کو آدمی مکے میں وہ مقام دیکھا
حسن زندگی محبت خدا کی تھی
خاکی کی سوچ کی یہی انتہا تھی

غزل

عشق کے نام سے ڈر جاتا ہوں
حرفِ بدنام سے ڈر جاتا ہوں
جب بھی جاتا ہوں گھر مِرے صاحب
میں در و بام سے ڈر جاتا ہوں
اور سوچتا رہتا ہوں اک شخص کو میں
اور اک نام سے ڈر جاتا ہوں
میں کہ دریا ہوں مگر رستے کے
دشتِ بے نام سے ڈر جاتا ہوں
لا کے رکھتا ہے میرا ساقی پر
میں کہ اب جام سے ڈر جاتا ہوں
میں چاہتا ہوں ابتسام مگر
عشقِ ناکام سے ڈر جاتا ہوں

رانا ابتسام

بوگس بل بنوایا ہے

سرجن سے تب میڈیکل کا بوگس بل بنوایا ہے
ہم نے اس کے ہاتھ میں پورے سو کا نوٹ تھمایا ہے
کپڑوں میں اس بھڑنے گھس کر ناک میں دم کر رکھا تھا
یہ مت سمجھو ہم نے تم کو ڈسکو ناچ دکھایا ہے
ہم سے بڑھ کر اہل محلہ اس سے فیض اٹھاتے ہیں
ہم نے اپنے گھر میں ٹیلی فون عبث لگوایا ہے
چور ہوئے جب گھر میں داخل ہم نے شور مچایا تھا
اور ہمسائے سمجھے ہم نے انگلش گانا گایا ہے
ہم نے جب نذرانہ دے کر اس کے دل کو موم کیا
دفتر کے چپڑاسی نے تب صاحب سے ملوایا ہے
میڈم نے بازار کو شاید شاپنگ کرنے جانا ہے
اسی لیے میک اپ سے اس نے چہرے کو چمکایا ہے

حافظ محمد یوسف

راجڑ صاحب کے نام کی

یوں تو اور بھی ہیں میرے کالج میں مخلص احباب
پر ایک شخص کو دیکھا ہے ہمیشہ سرسبز و شاداب
جب بھی ملتا ہے اُن سے کوئی آپ جناب
ایسے کھل جاتے ہیں کہ جیسے ہوں کوئی وہ گلاب
میرے اللہ تو اُن کو سلامت رکھنا
تو عطا کر دے انہیں آج وہی آب وہ تاب
وہ رہیں آن ایم ایم سی کی اور کسی ایم کی
بخش دے ان کو تو رحمت بھی بنا کوئی حساب

محمد زاہد سرفراز

غزل

تم جس پہ نظر ڈالو اُس دل کا خدا حافظ
بسمل کا خدا جانے مقتل کا خدا حافظ
آؤ جو تم محفل میں تو آ جاتی ہے جاں اُس میں
اُٹھ جاؤ جو محفل سے تو، محفل کا خدا حافظ
تم سا ہو ہمسفر تو منزل کسے درکار
پیارا ہو ہمسفر تو، منزل کا خدا حافظ

افسر خان

غزل

پھر آج ہوئی بارش
تنہا میں بہت رویا
دیکھا اکیلا مجھ کو
بادل بھی بہت رویا
کیا وہ بھی میری طرح
راتوں کو نہیں سویا
ہاں میری طرح بادل
چیخا ہے اور رویا
کیا وقت یاد کرتا
جب تجھ کو میں نے کھویا
رو رو کے ترے غم میں
دامن کو ہے بھگویا

محمد زاہد سرفراز کاٹھیا

غزل

زندگی کے سفر میں کوئی بھی رستہ نہیں دیتا
زمین واقف نہیں بنتی فلک سایہ نہیں دیتا
خوشی اور دُکھ کے موسم سب کے اپنے اپنے ہوتے ہیں
ہیں کسی کو اپنے حصے کا کوئی لمحہ نہیں دیتا
اُداسی جس کے دل میں ہو اسی کی نیند اڑتی ہے
کسی کو اپنی آنکھوں سے کوئی سپنا نہیں دیتا
اٹھانا خود ہی پڑتا ہے تھکا ٹوٹا بدن اپنا
کہ جب تک سانس چلتی ہے، کوئی کندھا نہیں دیتا

زاہد فخری انتخاب سمعیہ مقصود

اسٹوڈینٹ غزل

آئے اگر اس دشت میں پڑھنا تو پڑے گا
فارما کی سیڑھیوں پر چڑھنا تو پڑے گا
لکھنے ضروری ہوتے ہیں لیکچر یہاں یہ جان لو
گویا کتابیں اور قلم لینا تو پڑے گا
فارما کا پیریڈ ہے، خاصہ یہی ہے اس کا
آئے نہ سمجھ میں پر، سننا تو پڑے گا
کینٹین میں رہنا ہی عادت تمہاری ہے پر
جب شارٹ اٹینڈنس ہو رونا تو پڑے گا
لکھے رضا نے ہیں جو اشعارِ پیتھالوجی
اب اس کا امتحاں بھی دینا تو پڑے گا

علی رضا

غزل

تمھارے گھر میں یہ کل شب قیام کس کا تھا
نہ، گر تھا مہماں تو پھر اہتمام کس کا تھا
وہ جس کو چومتے رہتے تھے تم ہتھیلی پر
ہمیں بتاؤ تو آخر وہ نام کس کا تھا
وہ جس کو سن کے سبھی رو پڑے سرِ محفل
وہ درد ناک سا آخر کلام کس کا تھا
وقار ہوش سے بے ہوش کر گیا ہم کو
وہ ہاتھ کس کا تھا ساقی وہ جام کس کا تھا

حافظ وقار حسین

خام خیالی

آزاد نظم

گر آج تیرے چہرے پہ نقاب ہوتا
تیرا چہرہ بادل میں چھپا آدھا چاند ہوتا
روحانیت ہے تیرے رُخ زیبا میں کچھ ایسی
ہو جاتا تم پہ فِدا گر کسی ایک کا بھی دل پاک ہوتا
تقل کئے دیتے ہیں تیرے یہ کجرارے نین
لکھ دیتا آج ان پر غزل گر میں کوئی سخن ساز ہوتا
کرتا اپنے اشعار میں تیرے حُسن کا چرچا
غزل کے ہر پاک شعر میں تیرے لبوں کو سلام ہوتا
مانگتا تیرے حُسن میں برکت کی دُعا
گر میں کوئی عابد خلوص دل سے ہوتا
سلیمی میرا نصیب بھی آج مجھ پہ رشک کرتا
گر میں اُن کے سر کا لال دوپٹہ ہوتا

عابد اسلم سلیمی

گوشہ نظم و غزل

حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام

1۔ شک کی حالت میں نماز پڑھنے سے یقین کے عالم میں سو جانا بہتر ہے۔
2۔ یہ مت دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے، بلکہ یہ دیکھو کہ کیا کہہ رہا ہے۔
3۔ انسان کے تین دوست ہوتے ہیں۔ ایک اس کا اپنا دوست ایک اس کے دوست کا دوست اور ایک اس کے دشمن کا دشمن۔ اسی طرح اس کے دشمن بھی تین ہوتے ہیں۔ ایک اس کا دشمن، ایک اس کے دوست کا دشمن اور ایک اس کے دشمن کا دوست۔
4۔ خاموش رہو یا ایسی بات کہو جو خاموشی سے بہتر ہو۔
5۔ نیکی کرنے سے انسان کی عمر بڑھتی ہے۔
6۔ جو ذرا سی بات پر دوست نہ رہا وہ دوست تھا ہی نہیں۔
7۔ جسے ایسے دوست کی تلاش ہو جس میں کوئی کمی نہ ہو اُسے کبھی دوست نہیں ملے گا۔
8۔ کسی کا عیب تلاش کرنے والے کی مثال اُس مکھی کی طرح ہے جو سارا خوبصورت جسم چھوڑ کر صرف زخم پر ہی بیٹھتی ہے۔
9۔ جس کو تم چاہو اس کو بھی آزمانہ مت کیونکہ اگر وہ بے وفا نکلا تو دل تمہارا ہی ٹوٹے گا۔
10۔ اچھے لوگوں کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ انہیں یاد رکھنا نہیں پڑتا وہ یاد رہ جاتے ہیں

محمد صادق دریشک،

طالب خدا

انسان کو جس چیز میں کمال ہوتا ہے اس پر مرتا ہے۔ چنانچہ ھنتر دید کو سانپ پکڑنے میں کمال تھا، اس کو سانپ نے کاٹا وہ مر گیا۔ ارسطوسل کی بیماری میں مرا، افلاطون فالج میں، لقمان سرسام میں اور جالینوس دستوں کے مرض میں حالانکہ یہ بیماریوں کے علاج میں کمال رکھتے تھے۔ اس طرح جس کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کے خیال میں جان دیتا ہے۔ قارون مال کی محبت میں مرا مجنوں لیلیٰ کی محبت میں، اسی طرح طالبِ خدا کو خدا طلبی کی بیماری ہے وہ اسی میں فنا ہو جاتا ہے۔

میاں فیض رسول

اسپرین (فارماکالوجی)

اسپرین کو ایسی ٹائل سیل سائیلک ایسڈ (Acetyl salisyalis acid) بھی کہتے ہیں۔ اسپرین نان سیر ائڈل اینٹی انفلا میٹری دوا (NSAIDs) میں شمار ہوتی ہے۔

اسپرین دافع درد دوا ہے۔ جو اکثر معمولی درد اور درد کو فارغ کرنے کے لیے اینٹجیسک طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ اسپرین اینٹی پائیر ٹیک (Anti Pyretic) کے طور پر بخار کو کم کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ یہ دوا درد کو کم کرنے میں بھی بہت مفید ہے۔ اسپرین سوزش سے بچاؤ یعنی اینٹی انفلامیٹری دوا (Anti Inflammtory) ہے اور سوزش کی علامات کو بہت حد تک کم کرتی ہے۔ اس کے علاوہ اسپرین دل کے امراض میں مبتلا لوگوں میں دل کے حملوں ہسٹروک اور خون کے جمنے کی تشکیل کو روکنے میں مدد کرتی ہے۔ اسپرین کی باقاعدہ خوراک سے دل کے دورے پڑنے اور دل کے ٹیشو کی موت کے خطرے کو بہت حد تک کم کیا جا سکتا ہے۔ جدید تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ اسپرین کینسر کی بعض اقسام، خاص طور پر بڑی آنت کے سرطان کے روک تھام میں بہت مفید ہے۔

مضر صحت اثرات:

اوپر بیان کیے گئے فوائد کے علاوہ اسپرین کے مسلسل استعمال سے مندرجہ ذیل مضرِ صحت اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔
چونکہ اسپرین صرف بذریعہ دہن (Arallys) استعمال ہوتی ہے۔ اس لیے یہ معدے میں کئی امراض کو جنم دیتی ہے۔ جن میں سینے کی جلن (Patic ulcer) متلی (Nausea) یا معدے میں گیس شامل ہیں۔

سید گل بادشاہ

کیا وہ پاگل تھا؟

کل شام میں اپنی معمول کی سیر کے لیے پارک میں گیا تو اپنے معمولات سے فارغ ہو کر ایک بینچ پر بیٹھ گیا ابھی مجھے بیٹھے ہوئے چند لمحے ہی ہوئے تھے کہ اچانک میرے کانوں میں شور گونجنے لگا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک پر تاسف منظر میری آنکھوں کے سامنے لہرا گیا۔ کچھ شرارتی لڑکے ایک بوڑھے شخص پر پتھر برسا رہے تھے۔ جب میں قریب گیا تو میں نے بوڑھے کے منہ سے ایک نعرہ سنا جو اس بوڑھے کو پاگل قرار دینے کے لیے کافی تھا۔ بوڑھا اپنی مستی میں بار بار یہی کہہ جا رہا تھا کہ

"بن کے رہے گا پاکستان"

مجھے اس بوڑھے کے ذہنی اور جسمانی حالت پر رحم آیا اور میں نے بچوں کو ڈانٹ کر بھگا دیا۔ اُس بوڑھے کو ساتھ لے کر میں اس بنچ پر دوبارہ آ بیٹھا اور بوڑھے سے کہا کہ بابا کیا معاملہ ہے؟ پاکستان تو بن گیا ہے آپ کس پاکستان کے بننے کی بات کر رہے ہیں؟

مگر بوڑھا میری بات پر توجہ دیے بغیر ایک ہی بات کا ورد کیے جا رہا تھا "بن کے رہے گا پاکستان" مگر جب میں نے بہت زیادہ استفسار کیا تو بوڑھے نے کربناک انداز میں ہنستے ہوئے کہا کہ "میں پاگل ہوں تم بھی مجھے پتھر مارو اور اپنی راہ لو" مگر میں نے اصرار جاری رکھا کیونکہ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ بوڑھے کے اس نعرے کے پیچھے ضرور کوئی کہانی چھپی ہے، آخر کار بوڑھا کھل گیا وہ کہنے لگا کہ میرے والد نے اپنی دو جوان بیٹیاں اور تین بیٹے اس وطن کے حصول کی راہ میں لٹا دیے، میری والدہ ظالم سکھوں کی برچھیوں کی بھینٹ چڑھ گئی اور میرا والد اپنا دھن، دولت اور گھر بار لٹا کر ہجرت کر کے اس پاک سرزمین میں آیا کہ آزاد فضا میں نئے سرے سے زندگی بسر کریں گے مگر یہاں تو ہر کوئی ابتدا سے ہی ملک کو گِدھ کی مانند نوچنے پر تُلا ہوا ہے۔ مفاد پرست سیاستدانوں کے مقابلے میں ایک قائداعظم کیا کرتا اس کو اتنے غم دیے کہ آزادی کے بعد سال بھر بھی زندہ نہ رہ سکے۔ جمہوریت کی بساط لپیٹ کر ایک طرف پھینک دی، آمریت آئی، جاگیر دارانہ نظام ملا، وہ ملک جس کے لیے پورے نوے سال تک بیٹیاں بے آبرو ہوئیں، بچے یتیم ہوئے، عورتیں بیوہ ہوئیں، اس کو دولخت کر دیا گیا محض چند سکوں کے مفاد کی خاطر۔ صوبائی اور نسلی تعصب دیا گیا، فرقہ پرستی ملی، مساجد میں بم دھماکے ہوئے، راہ چلتے لوگوں پر گولیاں برسائی گئیں، ہنگامے، فسادات ہوئے، عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئیں، چوری، رشوت، مفاد پرستی غربت کا نہیں غریب کا خاتمہ کیا گیا۔ اسی لیے میں نے بہن اور بھائی قربان کیے کیا یہ پاکستان ہے؟ یہ اسلام کا قلعہ ہے؟ بولو! خاموش کیوں ہو؟ بوڑھے کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سمندر بہہ رہا تھا وہ بنچ سے اٹھا اور دوبارہ وہی نعرہ لگاتے ہوئے چلا گیا بن کے رہے گا پاکستان مگر میرے لیے ایک سوال چھوڑ گیا کہ کیا وہ پاگل تھا؟ میں یہی سوال آپ سے کر رہا ہوں کہ کیا وہ واقعی پاگل تھا؟

محمد شہزاد اکرم

ڈیئر محبوبہ

میری ٹماٹر کی طرح خوبصورت محبوبہ تم تو ایسے ناراض ہو گئی جیسے سردیوں میں کریلے ناراض ہو جاتے ہیں، تم تو مانتی ہو کہ تمہاری ناراضی میں میرا چہرہ بے موسمی سبزیوں کی طرح بے رونق اور اداس ہو جاتا ہے تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں جب تک تمہاری پوری پودے کی طرح سبز آنکھیں نہ دیکھ لوں میری طبیعت ساگ کے ابال کی طرح ابلتی رہتی ہے۔ میں نے کب سے دیسی ٹینڈے جیسی خوبصورت انگوٹھی بنوائی ہوئی ہے، جو میں تمہاری بھینڈی جیسی انگلی میں پہنانے کے لیے تڑپ رہا ہوں میں تم کو کیسے سمجھاؤں کہ محبوب اور محبوبہ ہری مرچ اور ادرک کی طرح لازم و ملزوم ہیں۔ مگر ایک تم ہو کہ سبزی منڈی کے ریٹ کی طرح ناک چڑھائے رکھتی ہو، کبھی تو پھول گوبھی کی طرح کھلا ہوا چہرہ دکھا دیا کرو ہر وقت بند گوبھی کی طرح منہ بند رکھتی ہو، مانا کہ میرا رنگ بیگن کی طرح کالا ہے مگر میرے دل کے حسین جذبات شلغم کی طرح سفید اور پالک کی طرح ہرے بھرے ہیں اور میرے اندر پیار کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر لہسن کی طرح تمہارے نام سے مہک رہا ہے۔

دیکھو! اپنے پیار کو صرف اور صرف آلو تک محدود رکھو جو ہر کھانے میں آسانی سے دستیاب ہو جاتا ہے۔ اچھا پیاری چقندر اب اجازت دو صبح تڑکے سبزی منڈی مارکیٹ میں جانا ہے۔

محمد شہزاد اکرم

ایک بار ایک شخص نامور مزاح نگار حسین شیرازی صاحب کے پاس آیا اور زار و قطار روتے ہوئے ان کے پاؤں میں گر پڑا اور گڑگڑاتے ہوئے کہا

میری شراب چھڑوا دیں شیرازی صاحب نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا فکر نہ کرو میں دعا کروں گا اس شخص نے اسی طرح روتے ہوئے التجا کی

صرف دعا نہیں کرنی، آپ نے کسٹم والوں سے بات بھی کرنی ہے۔

میں خاصہ اہتمام کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سمپوزیم اور سیمینار میں خاص دلچسپی لیتے ہیں۔

میری نظر میں رضی صاحب ایک مدبر سر براہ انسٹی ٹیوشن سمجھدار محنتی اور محبت کرنے والے انسان ہیں۔ آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کا بہترین استعمال کرتے ہیں۔ رضی صاحب کی اور میں کیا کیا خوبیاں گنواؤں۔ اس کے علاوہ رضی صاحب ایک مصنف بھی ہیں، شاعر بھی ہیں اور ایک بہترین دوست بھی آخر میں یہ ہی کہونگا کہ۔

تیرے حسن کی کیا تعریف کروں
کچھ کہتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں
کہیں تو نہ یہ سمجھ بیٹھے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں

پروفیسر ڈاکٹر عقیل الرحمن راجپوت

ماں

سلام ہے اس ماں کو اور دنیا کی تمام ماؤں کو جو خود تو زمانے کے سرد و گرم موسم کا سامنا ہنس کر لیتی ہیں لیکن اپنے جگر گوشوں کے لیے ٹھنڈی چھاؤں کا کردار ادا کرتی ہیں۔ بچوں کے لیے ماں کے آنچل سے زیادہ محفوظ پناہ گاہ اس دنیا میں کوئی نہیں جہاں چھپ کر وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہے کہ اس کو دنیا کی کوئی تکلیف چھو کر بھی نہیں گزر سکتی۔ دنیا جہان کی تمام چاشنی لفظ ماں میں سما گئی ہے۔ اس رشتے کی سچائی اور معنویت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ ماں کی محبت اس کی بے لوث چاہت، پیار اور خلوص دنیا کی انمول دولت ہے۔ اولاد کی خوشی میں خوش ہونا، ان کی ہر تکلیف، دکھ اپنے دل پر محسوس کرنا ماں کا فطری جذبہ ہے۔ یہی اس انمول تصویر کا بھی خوبصورت احساس ہے جو ایک ماں اپنی بے لوث چاہت کا اظہار ہے۔ جو اپنے معذور بچے سے کر کے دکھا رہی ہے۔ اس عمر میں جب خود اس کو پیار اور نگہداشت کی ضرورت ہے پر وہ اپنی بے مثال ممتا سے مجبور ہے جو قدرت کی طرف سے صرف اور صرف ماں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ یہی وہ واحد رشتہ ہے جس سے ہم اپنی ہر بات بلا جھجک کہہ سکتے ہیں۔ شاید اسی محبت اور انسانیت کا ثبوت ہے۔ پرودگارِ عالم کی محبت اور ماں کی محبت کو آپس میں تشبیہ دی گئی ہے۔ حدیث مبارک ہے کہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ایک ماں سے ستر گناہ زیادہ محبت کرتا ہے)۔

ماں کے رتبے اور مقام کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کا رتبہ اور شرف اپنے بعد صرف ماں کو عطا کیا ہے اور اس کے قدموں کے تلے جنت رکھ دی ہے۔ تاریخ اسلام ایسے عظیم قصوں اور واقعات سے بھری پڑی ہے۔

نپولین کا قول ہے کہ تم مجھے اچھی مائیں دو اور میں تم کو اچھی قوم دوں گا۔ کیونکہ کسی بھی انسان کا کردار اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ اس کی پرورش اور تربیت کس ماحول میں ہوئی ہے۔ دنیا میں جتنے لوگوں نے عظیم کارنامے سر انجام دیے ہیں ان کے پس پردہ ان کی ماؤں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا انداز تھا۔ ماں ہی وہ ہستی ہے جس کو رب ذوالجلال نے تخلیق کا اعجاز عطا کر کے اپنی صفات سے بہرہ مند فرمایا۔ اس کا وجود محبت کا وہ بیکراں سمندر ہے کہ جس کی وسعت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا اس کا دل اتنا وسیع ہے کہ سارے زمانے کے دکھ والام بھی سمٹ آئیں تو اس کی وسعت میں فرق نہیں آتا ایک ایسا سائبانِ عافیت جس کی چھاؤں میں کوئی دکھ پریشانی ہمیں چھو نہیں سکتی۔ آج تعلیم یافتہ مہذب معاشرے میں رہنے والے طبقات نہ صرف اسلامی تعلیمات بھول چکے ہیں بلکہ حکم خدا کی نفی کر رہے ہیں۔ ان کو ماں کی وہ مہربانیاں بھی یاد نہیں جو ماں اس وقت کرتی ہے جب انسان اپنی ایک مکھی اڑانے کا بھی متحمل نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ کی وفات ہو گئی اور جب آپ اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے طور پر چڑھے تو اللہ تعالیٰ نے کہا اے موسیٰ اب تم سنبھل کر آنا تمہاری ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ پہلے جب تم ہمارے پاس آتے تھے تو تمہاری ماں سجدے میں جا کر ہم سے دعا کرتی تھی۔ اے سب جہانوں کے رب میرے بیٹے سے کوئی بھول ہو جائے تو اسے معاف کر دینا۔ ثابت ہوا کہ ماں وہ عظیم ہستی ہے جس کی دعاؤں کی ہم جیسے گناہ گاروں کو ہی نہیں پیغمبروں، انبیاء کرام علیہ السلام کو بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے لبوں سے نکلی دعا بارگاہ الٰہی میں شرفِ قبولیت حاصل کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں ماں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین فرماتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار والدین کی اطاعت کی تلقین فرمائی ہے۔ بلاشبہ والدین انسان کے لیے تحفہ خداوندی ہے۔ نعمت عظیم ہے۔ اگر آج کے دور کا جائزہ لیں تو دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ ہم نے جنت کو اپنے ہاتھوں سے گھروں سے نکال دیا ہے۔ اگر ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تو ہم ان کو محفلوں میں لے جانے سے کترانے لگتے ہیں۔ آخر ہمارے معاشرے میں ایدھی ہوم اور اولڈ سینٹر جیسے ادارے کیوں جنم لے رہے ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو ہماری تباہی کا اصل سبب ماں کی دعاؤں سے دوری ہے۔ ماں تو وہ ہے جو ہم کو معاشرے کی پتھریلی راہوں پر چلنا سکھاتی ہے۔ ماں محبت سے لبریز رشتہ ہے، ماں کا احترام کریں، ماں کے ہاتھ جب بارگاہِ الٰہی میں جب اُٹھتے ہیں وہ اپنی اولاد کے لیے دعا گو ہوتی ہے اور اس کی کامیابی پر ہمیشہ شاداں ہوتی ہے اور اس کی ناکامی اور تکلیف پر خود بھی اتنی ہی تکلیف محسوس کرتی ہے جیسے اس کا بچہ محسوس کر رہا ہوتا ہے۔

یہی اس تحریر کا ہم سب کو پیغام ہے ہر انسان اپنے دل میں یہ دعا کر رہا ہو گا۔ اے اللہ میری ماں کو سدا شاد رکھنا، ان کا دامن خوشیوں سے آباد رکھنا۔ مفکرین واہل علم ایسے گھروں کو ویرانے سے تشبیہ دیتے ہیں جہاں ماں نہ ہو۔ قلبی سکون اور راحت ماں کی دعا سے حاصل ہوتی ہے۔ جو لوگ ان دعاؤں کی دل سے قدر کرتے ہیں وہی دنیا اور آخرت میں بہترین زندگی بسر کرتے ہیں۔

آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ ہماری ماں کو سلامت رکھے۔ کیونکہ ان کا سایہ عافیت ہی ہماری بہتر زندگی کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

اللہ پاک ہم سب کی ماؤں کو سلامت رکھے۔ (آمین) خالد جمال

کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا جس نے دس جنگلی کتے پالے ہوئے تھے، اس کے وزیروں میں سے جب بھی کوئی وزیر غلطی کرتا بادشاہ اسے ان کتوں کے آگے پھنکوا دیتا کتے اس کی بوٹیاں نوچ نوچ کر مار دیتے۔

ایک بار بادشاہ کے ایک خاص وزیر نے بادشاہ کو غلط مشورہ دے دیا۔ بادشاہ نے فیصلہ سنایا کہ وزیر کو کتوں کے آگے پھینک دیا جائے۔ وزیر نے بادشاہ سے التجا کی کہ حضور میں نے دس سال آپ کی خدمت میں دن رات ایک کیے ہیں اور آپ ایک غلطی پر مجھے اتنی بڑی سزا دے رہے ہیں، آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن میری بے لوث خدمت کے عوض مجھے آپ صرف دس دنوں کی مہلت دیں پھر بلاشبہ مجھے کتوں کے آگے پھنکوا دیں۔

بادشاہ یہ سن کر دس دن کی مہلت دینے پر راضی ہو گیا۔ وزیر وہاں سے سیدھا رکھوالے کے پاس گیا جو ان کتوں کی حفاظت پر مامور تھا اور جا کر کہا مجھے دس دن ان کتوں کے ساتھ گزارنے ہیں اور ان کی مکمل رکھوالی میں کرونگا، رکھوالا اس تقاضے کو سن کر چونکا لیکن پھر اجازت دے دی۔

ان دس دنوں میں وزیر نے کتوں کے کھانے پینے، اوڑھنے، بچھونے، نہلانے تک کے سارے کام نہایت ہی تندہی کے ساتھ سر انجام دیے۔

دس دن مکمل ہوئے بادشاہ نے اپنے پیادوں سے وزیر کو کتوں میں پھینکوایا لیکن وہاں کھڑا ہر شخص اس منظر کو دیکھ کر حیران ہوا کہ آج تک نجانے کتنے ہی وزیران کتوں کے نوچنے سے اپنی جان گنوا بیٹھے آج یہی کتے اس وزیر کے پیروں کو چاٹ رہے ہیں۔

بادشاہ یہ سب دیکھ کر حیران ہوا اور پوچھا کیا ہوا آج ان کتوں کو؟ وزیر نے جواب دیا، بادشاہ سلامت میں آپ کو یہی دکھانا چاہتا تھا میں نے صرف دس دن ان کتوں کی خدمت کی اور یہ میرے ان دس دنوں میں کیے گئے احسانات بھول نہیں پا رہے، اور یہاں اپنی زندگی کے دس سال آپ کی خدمت کرنے میں دن رات ایک کر دیے لیکن آپ نے میری ایک غلطی پر ۔۔۔ میری ساری زندگی کی خدمت گزاری کو پس پشت ڈال دیا۔

بادشاہ کو شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس نے وزیر کو اٹھوا کر مگرمچھوں کے تالاب میں پھنکوا دیا۔

نوٹ: جب ایم ایم سی کی مینجمنٹ ایک بار فیصلہ کر لے کہ آپ کو لٹکانا ہے تو بس لٹکانا ہے۔۔۔ ہاہاہا۔

طوفان میں دستک (افسانہ)

باہر کے سارے دروازے بند تھے اور اندر ایک ہیجان سا برپا تھا سکون کی تلاش جاری تھی اور ہر ایک کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ گھبرایا سا بھی ،شاید کہ وہ کسی بڑے خطرے کے انتظار میں تھے۔ اچانک باہر کے دروازے سے دستک ہوئی اور سب لوگ سراسیمہ سے ہو کر خاموش ہو گئے۔ دستک ہوتی رہی اور لوگ سنتے رہے کیونکہ وہ ڈرے ہوئے تھے۔ باہر کا دروازہ کھولنے پر کہیں کوئی طوفان نہ نازل ہو جائے مگر طوفان کا راستہ کب روکا جاسکتا ہے۔ طوفان نے جب نازل ہونا ہوتا ہے نازل ہو کر رہتا ہے۔ طوفان کا راستہ بدلا جا سکتا ہے، طوفان کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے مگر طوفان کو روک لینا اب تک ممکن نہیں ہو سکا۔

دروازے پر دستک تیز ہوتی جارہی تھی اور محسوس ہوتا تھا کہ دروزاہ ٹوٹ جائے گا۔ سارے لوگ خوف و ہراس کے مارے اوپر کی منزل پر جانے لگے اور باہر دستک کی آواز شدید سے شدید تر ہوتی گئی۔ لوگوں کو محسوس ہوا کہ وہ غلط کر رہے ہیں دروازہ کھول ہی دینا چاہئے، مگر دروازہ کھلنے پر مدافعت کی کیا صورت ہوگی۔ اس پر کسی نے غور نہیں کیا تھا۔ گھبراہٹ میں غور کرنے کی فرصت بھی کسے تھی۔ اندر کے ایک جیالے نے دروازے پر آکر پوچھا۔۔۔۔۔۔کون ہے؟

دستک رک گئی مگر کوئی جواب نہیں ملا کیونکہ دروازے پر دستک دینے والا اجنبی تھا اور اجنبی کے پاس شناخت کے لیے کچھ نہ تھا کہ وہ اندر والے کو بتلا سکے کہ وہ کون ہے۔ خاموشی سے تجسس، تحیر اور خوف میں اضافہ کیا مگر اس جیالے کے آگے بڑھنے سے اتنا ہوا تھا کہ اندر کے سارے لوگوں کو کچھ طاقت مل گئی تھی اور وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے آکر دروازے کے پاس کھڑے ہو گئے تھے۔

ایک نے کہا "دروازہ کھول دو"

دوسرے نے کہا "سالا کوئی جواب ہی نہیں دیتا۔"

تیسرے نے کہا "ذرا غور کرلو، کوئی آفت نازل نہ ہو جائے۔"

پانچویں نے کہا کہ "کیا ہم سب مل کر آفت کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔ کھول دو دروازہ۔ کیا کرے گا؟ موت برحق ہے۔ موت پر ایمان ہے تو وقت پر آئے گی چھٹے نے کہا "مصلحت بھی کوئی چیز ہے میاں مصلحت سے کام لو۔"

ابھی یہ سرگوشیاں ہو ہی رہی تھیں کہ دستک پھر شروع ہو گئی اور اندر والوں میں سے اس جیالے نے دروازہ کھول دیا۔ باہر کھڑا فقیر اپنا اجنبی چہرہ لئے ہوئے ہاتھ پھیلاتا ہوا اندر کی جانب قدم اٹھانے لگا اور اندر کے لوگ پیچھے ہٹنے لگے۔ فقیر کچھ عجیب شکل و شباہت کا آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب قسم کی کشش تھی وہ بڑا باوقار رعب دار تھا۔ لوگ پیچھے ہٹے اور اس نے انہیں تسلی دی۔ گھبراؤ نہیں، میں بھی انسان ہوں تمہارے ہی جیسا۔ میں تمہارا کچھ لینے نہیں آیا ہوں کچھ دینے آیا ہوں۔ تم بے چین تھے سکون کے لیے راستہ تلاش کر رہے تھے۔ اندر کی دنیا کے سمٹے سمٹائے لوگو تمہیں باہر کی دنیا کی دعوت دینے آیا ہوں۔ چلو میرے ساتھ آگے قدم بڑھاؤ گھبراؤ نہیں، میں تمہاری قیادت کروں گا۔ سارے کے سارے لوگ جو گھبرائے ہوئے تھے ایک سکون کا احساس کرنے لگے مگر شکوک کی منزل ابھی بھی اپنا کام کر رہی تھی۔ مشکوک نگاہیں ابھی ابھی انہیں گھور رہی تھی۔

حافظ محمد یوسف

ڈاکٹر سید رضی محمد صاحب میری نظر میں

1977 میں میرا Appointment بحیثیت Consultant میر پور خاص میں Physician District Hospital ہوا۔ اس وقت یہاں General Medical Prateciner میں دو نام نمایاں تھے۔ ایک ڈاکٹر ڈریگو اور دوسرے ڈاکٹر سید علی محمد جو ریلوے کے ڈاکٹر کے نام سے زیادہ پہچانے جاتے تھے۔ ڈاکٹر سید رضی محمد صاحب ان ہی کے بڑے صاحب زادے ہیں اس سے پہلے میری رضی صاحب سے نا کبھی کوئی ملاقات ہوئی اور نا کبھی ہم نے ایک دوسرے کو کسی محفل میں دیکھا۔

مارچ 2002 میں ایک روز مجھے پروفیسر حسن میمن مرحوم- Ex Principal MMC کی معرفت رضی صاحب کا ایک لیٹر ملا جو میرے بحیثیت پروفیسر آف میڈیسن MMC کے سلسلے میں تھا۔ میں دوسرے دن وہ لیٹر لے کر رضی صاحب کے آفس میں پہنچا اور اپنا تعارف کرایا۔ رضی صاحب اس وقت اپنی کرسی سے کھڑے ہو کر ایک مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ میرا استقبال کیا اس کے بعد میں اپنی پیشاورانہ مصروفیات میں کام کرنے لگا اس عرصے میں، میں نے رضی صاحب کو ایک Dynamic Personality کا مالک پایا جو ہر وقت اپنے کام کی لگن میں لگے رہتے تھے رضی صاحب دوسروں کی عزت ان کے رتبہ کے لحاظ سے کرنا جانتے ہیں۔ میں نے کبھی ان کے چہرے پر مسکراہٹ کے علاوہ نہ غصہ دیکھا اور نہ ہی مایوسی۔ رضی صاحب حالات کا مقابلہ کرنا جانتے ہیں۔ وہ کالج اور ہسپتال کی ترقی کے سلسلے میں اور کالج کو Recognize کرانے کے لیے اگر صبح میر پور خاص میں ہیں تو شام کراچی میں رات اسلام آباد میں اور دوسری صبح لاہور میں دوپہر ملتان میں اور پھر شام کو واپس میر پور خاص یہ ہی نہیں پھر رات کو Internet پر بیٹھے مختلف موضوعات پر مواد تلاش کرتے رہنا ان کے شغل ہیں۔ باوجود ان کوششوں کے جب PMDC کی ٹیم کالج اور ہسپتال میں کوئی خامی نکال کر چلی جاتی۔ صرف ایک دفعہ وہ انتہائی پُر امید تھے کہ اس سال تو کالج Recognize ہو جائے گا اور وہ نہ ہو سکا تو تھوڑے سے وقفے کے لیے آپ کے چہرے پر اداسی آئی اور پیشانی پر پسینہ بھی آگیا۔ لیکن ہمت نہ ہاری اور پھر کوششوں میں لگ گئے آخر کار کالج Recognize ہو ہی گیا۔ کالج کے لیے اتنی سخت محنت کے با وجود رضی صاحب کبھی بھی اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کو نہیں بھولتے تھے۔ باقاعدہ فائنل ایئر کے لیکچر لینا کلینکل ٹیچنگ کرنا اور بحیثیت سرجن آپریشن شروع کرتے تو لائن لگا دیتے۔

رضی صاحب کی نیچر میں Softness ، سادگی اور محبت، سخت محنت خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ آپ کی یہ خوبیاں ظاہر کرتی ہیں کہ آپ کو اپنی والدہ سے بہت محبت ہے اور آپ کی تربیت میں والدہ کا زیادہ ہاتھ ہونے کی دلیل ہے بیگم کے ساتھ آپ کی بہت اچھی Understanding بھی ظاہر ہوتی ہے۔ جو خود بھی شعبہ تعلیم سے تعلق رکھتی ہیں۔ کیوں کہ جب آدمی ہر روز اتنا خوش و خرم اور ہشاس بشاس نظر آئے تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی ازدواجی زندگی سے بہت اچھی طرح مطمئن ہیں۔ کالج اور پیشہ ورانہ مصروفیات اتنی زیادہ ہیں کہ بیگم کو جتنا ٹائم ان کو دینا چاہیے تھا وہ نہ دے سکتے تھے مگر لگتا ہے کہ وہ خاتون صبر و تحمل کا ایک نمونہ ہیں۔ صبر اور برداشت اُن کو ورثے میں ملا ہے اگر معمولی شکایت ہوتی بھی تو اُس کو لبوں تک نہ آنے دیتیں کبھی کبھار مذاق میں یا طنزیہ یہ کہہ دیتیں کہ اس گھر میں کوئی اور بھی ہے جو آپ کا انتظار کرتا ہے۔ کچھ وقت کے لیے آپ کی قربت چاہتا ہے آپ کے منہ سے دو پیار بھرے بول سننا چاہتا ہے تو رضی صاحب کی طرف سے یہ ہی جواب ہوتا کہ بیگم باخدا ہم آپ کے نزدیک رہنا چاہتے ہیں، ہمارا دل بھی چاہتا ہے کہ کچھ وقت آپ کے ساتھ بیٹھ کر وہی جوانی کی پیار بھری باتیں کریں جو ہم بھی کیا کرتے تھے، ہمارا جی چاہتا ہے کہ دنیا بھر کی خوشیاں آپ کی جھولی میں ڈال دیں۔ لیکن ہم اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں سے غافل بھی تو نہیں رہ سکتے۔

رضی صاحب اسٹوڈینٹس کے لیے مختلف قسم کے پروگرام آرگنائز کرتے رہتے ہیں، مختلف قسم کے کھیل، تقریری مقابلہ محفل میلاد اور یوم حسین کے انعقاد

چند اہم سوالات

- خشک سالی زیادہ تر خطرناک، یا صرف سالی؟
- بیوی کی ڈانٹ زیادہ زوردار ہوتی ہے یا ساس کی؟
- شوہر کی زندگی پہلے ختم ہوتی ہے یا بیوی کی فرمائشیں؟
- آج کل برقع، پردے کے لیے پہنا جاتا ہے یا چہرے کے عیب چھپانے کے لیے؟
- خاتون کو چھیڑنے والے کو زیادہ مار پڑتی ہے یا وکیلوں کو؟
- ماں کی دُعا جنت کی ہوا ہوتی تو ساس کی دُعا کیا کہلائے گی؟
- میاں بیوی گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں جن میں سے ایک بھی خراب ہو جائے تو گاڑی نہیں چلتی، اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں تو کیا اسے رکشہ "کہا جا سکتا ہے؟
- پولیس والے کے دوستی زیادہ خطرناک ہوتی ہے یا ڈاکٹر کی دشمنی؟
- بندوق کی گولی زیادہ خطرناک ہوتی ہے یا جعلی ڈاکٹر کی؟
- بھوک زیادہ خطرناک ہوتی ہے یا بھوکا انسان؟
- فی زمانہ زیادہ مظلوم کون ہے، غریب یا گدھا؟
- میڈیکل زیادہ مشکل ہے یا میڈیسن؟

حافظ محمد یوسف

سنہری گڑیا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک چھوٹی سی خوب صورت بچی ایک گھر میں اپنی امی کے ساتھ رہتی تھی۔ اس بچی کے بال بہت خوب صورت سنہری رنگ کے تھے۔ اسی لیے بچی کو سب لوگ سنہری گڑیا کہا کرتے تھے۔

ایک دن سنہری گڑیا نے اپنی امی سے کہا میں باہر سیر کرنے جا رہی ہوں آپ کے لیے میں ایک گلدستہ بنا کر لاؤں گی۔ سنہری گڑیا کی امی نے کہا بیٹی! جلدی واپس لوٹ آنا۔۔۔ اور ہاں۔۔۔۔ زیادہ دور نہ جانا۔۔۔ ایسا نہ ہو کہ تم راستہ بھول جاؤ"۔ سنہری گڑیا نے پیار سے اپنی امی کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور بولی "امی جان آپ فکر نہ کریں میں کچھ دیر بعد ہی آجاؤ گی"۔ گھر سے کچھ دور باغ میں پہنچ کر سنہری گڑیا نے رنگ برنگے پھول چننے شروع کر دیئے۔ وہ پھول چن چن کر اپنی ٹوکری میں رکھتے ہوئے آگے بڑھتی گئی سنہری گڑیا پھول چننے میں اس قدر محو تھی کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ سنہری گڑیا کافی زیادہ تھک گئی تھی۔ وہ آرام کی غرض سے باغ میں بیٹھ گئی اسے بھوک نے بھی ستانا شروع کر دیا۔ اچانک سنہری گڑیا نے دیکھا کہ باغ کے ایک کونے میں ایک خوب صورت گھر ہے۔ سنہری گڑیا اس گھر کے دروازے تک گئی اور دستک دی، لیکن کافی مرتبہ دستک دینے کے باوجود دروازہ نہ کھلا تو اس نے تالے کے سوراخ سے اندر جھانک کر دیکھا، سنہری گڑیا کو وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ سنہری گڑیا نے دروازے کا ہینڈل دبایا تو دروازہ کھل گیا۔ سنہری گڑیا گھر کے اندر داخل ہو گئی۔

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی سنہری گڑیا کو بھینی بھینی خوشبو محسوس ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر دیکھا تو ایک کھانے کی میز پر تین باؤل رکھے تھے۔ ان میں کھانے کی مختلف اشیاء تھیں۔ میز کے گرد تین کرسیاں رکھی تھیں۔ سنہری گڑیا بڑی کرسی پر بیٹھی لیکن وہ اسے پسند نہ آئی کیونکہ یہ بہت ہی سخت تھی۔ پھر درمیانے سائز کی کرسی پر بیٹھی لیکن وہ بھی اسے پسند نہ آئی کیونکہ وہ اتنی نرم تھی کہ سنہری گڑیا اس میں پھنس گئی۔ آخر میں وہ چھوٹی کرسی پر بیٹھی لیکن یہ کیا۔۔ کرسی تو بہت ہی نازک تھی وہ سنہری گڑیا کا وزن نہ سہار سکی اور ٹوٹ گئی۔

سنہری گڑیا نے جلدی آگے بڑھ کر بڑے باؤل میں سے چمچ بھر کر منہ میں رکھا جو اتنا گرم تھا کہ اس کی زبان جلنے لگی۔ سنہری گڑیا نے اس کو چھوڑ کر درمیانے سائز کے باؤل میں سے ایک چمچ لے کر چکھا لیکن اس کا ذائقہ اسے پسند نہ آیا۔ اب اس نے چھوٹے باؤل میں سے دیکھا اس میں بے حد لذیز سوپ تھا۔ سنہری گڑیا نے سوپ کا باؤل اٹھایا اور جلدی جلدی پینے لگی۔ سوپ پینے کے بعد سنہری گڑیا گھر کے دوسرے کمروں میں گئی۔ ایک کمرے میں دو بیڈ تھے۔ سنہری گڑیا نے سوچا بھوک تو ختم ہو گئی اب کچھ دیر آرام کر لینا چاہیے۔ وہ ایک بیڈ پر لیٹ گئی یہ بیڈ بہت زیادہ آرام دہ تھا۔ جلد ہی وہ گہری نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

یہ گھر دراصل بھالوؤں کا تھا یہاں ایک چھوٹا بھالو اپنے ابو اور امی کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ سیر کرنے باہر گئے ہوئے تھے۔ جب واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ ان کے گھر میں کوئی داخل ہوا ہے۔ وہ اپنے گھر داخل ہونے والے کی تلاش میں جیسے ہی آگے بڑھے تو چھوٹے بھالو کے ابو نے کہا دیکھو میری کرسی اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی ہے۔ کسی نے اس پر بیٹھنے کی کوشش کی ہے۔ بھالو کی امی بولیں اور میری کرسی دیکھو۔۔۔۔ اس کا کشن اپنی جگہ سے ہلا ہوا ہے۔

چھوٹے بھالو نے کہا امی۔۔۔ امی! دیکھیں تو میری کرسی تو کسی نے بالکل ہی توڑ دی ہے۔ دوسرے کمرے میں آکر انہوں نے دیکھا کہ سنہری گڑیا چھوٹے بھالو کے بیڈ پر سو رہی ہے۔ وہ تینوں حیران نظروں سے سنہری گڑیا کو دیکھ رہے تھے۔ اور سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ اتنی دیر میں سنہری گڑیا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اپنے اردگرد بھالوؤں کو دیکھا تو گھبرا کر اٹھی اور باہر کی طرف بھاگ گئی۔ کافی دور جا کر اس نے دیکھا تو تینوں بھالو اپنے گھر کے باہر کھڑے اس کو جاتا دیکھ رہے تھے۔

کافی دیر بھٹکنے کے بعد سنہری گڑیا گھر پہنچی تو اس کی امی بے حد پریشان تھیں۔ سنہری گڑیا کو دیکھ کر اس کی امی نے سکون کا سانس لیا اور سرزنش کرتے ہوئے پوچھا تم اتنی دیر تک کہاں تھیں؟۔۔۔ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔

جواب میں سنہری گڑیا نے سب کچھ بتا دیا۔ اس کی امی نے کہا شکر ہے کہ تمہیں گھر کا راستہ مل گیا اور واپس آگئی ہو۔ یاد رکھو آئندہ کبھی گھر سے دور نہ جانا اور نہ ہی کسی کے گھر بغیر اجازت داخل ہونا۔

انم اشرف

دیکھا۔ اس سے پہلے کہ کپتان اسے روکتا، وہ پیاس اور بھوک سے بیتاب ہو کر آگے بڑھا اور اس نے اپنے خنجر سے اس پھل کو الگ کر دیا۔ اس مرتبہ کچھ نہ ہوا۔ تاہم یہ فوراً پیچھے ہٹ گیا اور پھل کو کاٹ دیا ڈرتے ڈرتے اسے چکھا تو اسے بے حد مزیدار پایا۔ دونوں نے اسے بڑے شوق سے کھایا۔ کچھ فاصلے پر ایسا ہی پھل اور موجود تھا۔ اسے بھی کاٹ کر فوراً کھالیا۔ پھل کھا کر حیران کن طور پر ان میں طاقت سی آگئی اور وہ تیزی سے جنگل میں آگے بڑھنے لگے۔ ہمیں ان پہاڑوں تک جانا ہو گا، ان کے اوپر یقیناً آبادی ہو گی۔ کپتان نے امید ظاہر کی۔ سرخ جنگل شام ہوتے ہوتے ختم ہو گیا اور اب وہ ایک کھلی جگہ پر چل رہے تھے۔ میں تو اب ایک قدم بھی نہیں چل سکتا یہ کہہ کر حاتم دھم سے ایک مخروطی ٹیلے کے نیچے بیٹھ گیا۔ کپتان کو بھی ساتھ بیٹھنا پڑا۔ اندھیرا چھاتے ہی دونوں سو گئے وہ چار، پانچ گھنٹے ہی سوئے ہونگے کہ تیز سیٹیوں کی آواز سن کر وہ اُٹھ بیٹھے۔ درخت اور پودوں سے عجیب روشنی نکل رہی تھی اور چاروں جانب سے سیٹیاں سی بج رہی تھیں۔ یہ سلسلہ ساری رات جاری رہا اور وہ دونوں خدا کو یاد کرتے رہے۔ دن نکلتے ہی سیٹیوں کی آواز تھم گئی اور پُر اسرار روشنیاں بھی غائب ہو گئیں۔ اب پھر ہر طرف بھیانک خاموشی چھا گئی۔ وہ دونوں ڈرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ایک جگہ ان کو ٹماٹر جیسے پھل نظر آئے تو انھیں کھا کر خوب سیر ہو کر ناشتہ کیا اور اپنی نامعلوم منزل کی طرف بڑھنے لگے۔ گرمی آج بھی بہت شدید تھی۔ دوپہر کے قریب انھیں ایک شہر کی باقیات نظر آئیں۔ وہ ان ہولناک کھنڈروں میں داخل ہو گئے۔ راستے دیکھ کر ان کے دل پر ہیبت سی طاری ہو گئی ایک جگہ تالاب نظر آیا۔ پانی غیر متوقع طور پر شفاف اور تازہ دکھائی دے رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ہم باری باری نہالیں" کپتان نے تجویز پیش کی۔ "تم یہاں رکو، میں پہلے اس تالاب میں اترتا ہوں۔ کپتان نے اپنی تلوار نکال کر رکھی۔ جوتے جو جگہ جگہ سے پھٹ چکے تھے، اتارے اور گندے میلے کچیلے کپڑوں سمیت اس تالاب میں چھلانگ لگا دی۔ حاتم ارد گرد کا جائزہ لینے کے لیے آگے بڑھ گیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد ہی کپتان پانی سے شرابور تالاب سے باہر آگیا خوف سے اس کی رنگت پیلی ہو رہی تھی۔ حاتم کے پاس جا کر اس نے اسے کچھ بتانا چاہا مگر خوف سے اس کی قوت گویائی جواب دینے لگی"۔

کپتان، کیا بات ہے؟ کیا دیکھا ہے آپ نے؟ حاتم نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔ کپتان کے حواس بحال ہوئے تو اُس نے کہا۔ تمہیں یقین نہیں آئے گا لڑکے تم سوچو گے کہ شاید میں پاگل ہو گیا ہوں، لیکن خدا کی قسم میں نے ایسا دیکھا ہے۔ یہ کہہ کر کپتان خوف زدہ نگاہوں سے تالاب کی جانب دیکھنے لگا۔ جونہی میں نے غوطہ لگایا تو میں نے تہہ میں کچھ حرکت کی محسوس کی۔ پانی شفاف ہونے کی وجہ سے میں با آسانی دیکھ سکتا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے تالاب کی تہہ میں دو ہونٹ، ہاں! بہت بڑے ہونٹ نمودار ہوئے اور ایک مہیب غار نما منہ نے مجھے نگلنے کی کوشش کی۔ میرا تیراکی کا تجربہ ہے ورنہ میں ضرور اس عفریت کا شکار ہو جاتا۔ ہماری سلامتی اسی میں ہے کہ ہم یہاں سے جلد نکلیں۔ چنانچہ ان کا پُر اسرار سفر پھر شروع ہو گیا۔ اب پہاڑ انھیں نظر آرہے تھے۔ اچانک انھیں انسانی آوازیں آنے لگیں جیسے قریب ہی کوئی آبادی ہو۔ انسانی آوازیں سن کر ان کی جان میں جان آئی اور وہ بھاگتے ہوئے اسی سمت چل دیے۔ اُنھوں نے اپنے آپ کو ایک بستی میں پایا یہاں بازار اجناس سے بھرے ہوئے تھے، لوگ خرید و فروخت میں مصروف تھے۔ بچے کھیل رہے تھے اور لوہار بھٹی پر کام کر رہا تھا اور چند عورتیں باتوں میں مصروف تھیں مگر یہ سب پتھر کے تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک یہ جیتے جاگتے لوگ تھے کہ کسی جادوگر نے انھیں پتھر کا بنا دیا۔ پتھر کے انسان بے جان ہونے کے باوجود زندگی سے بھرپور دکھائی دیتے تھے۔ خوف سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ دونوں چیخیں مارتے ہوئے وہاں سے بھاگ اُٹھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ان بتوں کے قریب سے گزرتے ہوئے انہیں کوئی آواز سنائی نہ دی مگر جوں ہی وہ اس بستی سے نکلے وہی آوازیں پھر شروع ہو گئیں۔

"یہ بھوت ہیں! بھاگو یہاں سے بھاگو لڑکے ورنہ ہم بھی پتھر کے بن جائیں گے" کپتان نے اسے بھاگتے ہوئے خبردار کیا اور ایک گھنے جنگل کی طرف چلے گئے کیونکہ اس جنگل سے گزر کر ہی وہ پہاڑوں تک پہنچ سکتے تھے۔ کپتان کا خیال تھا کہ پہاڑوں کی دوسری جانب مہذب آبادی ہو گی۔ جنگل بھی اس بستی کی طرح آباد تھا۔ شیر نے ہرن کو پکڑ رکھا تھا، ایک جگہ بہت بڑا اژدھا منہ کھولے بیٹھا تھا۔ درختوں پر بندر موجود تھے۔ پرندے درختوں پر حسب معمول بیٹھے تھے مگر سب کے سب پتھر کے تھے۔ یہاں بھی بالکل یہی لگ رہا تھا کہ ابھی ابھی انھیں تراش کر رکھا گیا ہے۔

"ہمیں رات پڑنے سے پہلے پہلے یہاں سے نکلنا ہو گا۔ خبردار کسی کی طرف مت دیکھو۔ بس آگے بڑھتے جاؤ"۔

رات انھوں نے پہاڑوں کے پاس بسر کی خوف سے وہ ساری رات جاگتے رہے۔ صبح ہوتے ہی وہ آگے بڑھے تھکن سے چور شام تک چوٹی پر پہنچ گئے۔

"حاتم میرا خیال ہے کہ اب ہم شیطانی جنگل سے نکل آئے ہیں۔ صبح خدا نے چاہا تو اطمینان سے اتریں گے اور آبادی میں پہنچ جائیں گے کپتان نے نیچے دُور اندھیرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا"۔

رات ہوتے ہی یہ دونوں اطمینان سے سو گئے۔ صبح ہوتے ہی انھوں نے نیچے اترنے کا آغاز کر دیا۔ ٹھہرو مجھے اس شیطان سرزمین کا آخری نظارہ کر لینے دو اتنا کہہ کر کپتان ایک بلند پتھر پر کھڑا ہو کر نیچے دیکھنے لگا۔ پتھر فضا میں اُچھلا اور کپتان سمت لُڑھکتا ہوا نیچے چلا گیا۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ کپتان چیخ تک نہ مار سکا۔ شیطانی سرزمین نے اسے اپنی بھینٹ میں لے لیا تھا۔ حاتم شام تک روتا پیٹتا نیچے وادی میں پہنچ گیا اور لوگوں کو اپنی داستان سنائی۔ ایک بوڑھے نے اس کی داستان سن کر کہا کہ اس ہستی پر خدا کا عذاب نازل ہوا تھا اور تم بہت خوش قسمت ہو کہ وہاں سے بچ نکلے ہو۔ ہاں! میں واقعی بہت خوش قسمت ہوں۔" حاتم نے یہ کہا اور رونے لگ گیا۔

اقوال زریں

- اگر لوگ تم سے متاثر ہو رہے ہیں تو تکبر نہ کرو شکر ادا کرو اپنے رب کا جس نے تمہارے عیب چھپا کر تمہیں لوگوں میں معزز بنا رکھا ہے۔
- برائی کی مثال ایسے ہے، جیسے پہاڑ سے نیچے اترنا، ایک قدم اٹھاؤ تو باقی اٹھتے چلے جاتے ہیں۔
اور اچھائی کی مثال ایسے ہے جیسے پہاڑ پر چڑھنا، ہر قدم پچھلے قدم سے زیادہ مشکل مگر ہر قدم پر بلندی ملتی ہے۔
- کسی کا عیب تلاش کرنے والے کی مثال اس مکھی جیسی ہے جو سارا خوبصورت جسم چھوڑ کر صرف زخم پر ہی بیٹھتی ہے۔
- جاہل کے سامنے عقل کی بات نہ کرو کیونکہ پہلے وہ بحث کرے گا پھر اپنی ہار دیکھ کر دشمن بن جائے گا۔
- سب سے بُرا وقت وہ ہے جب تمھارے غصے کے خوف سے تمہارے والدین اپنی ضرورت اور نصیحت بیان کرنا چھوڑ دیں۔

پتھر کی دنیا

اس خوفناک اور حیران کن داستان کا آغاز 1750ء کو ہوا جب سی کنگ نامی ایک بڑا مال بردار جہاز آسٹریلیا سے امریکہ کے لیے روانہ ہوا اس کنگ نے چونکہ ایک طویل سفر طے کرنا تھا لہذا اس پر تقریباً تین سے چار ماہ کا راشن موجود تھا۔ عملے کی تعداد ساٹھ کے قریب تھی ۔ بحری ڈاکوؤں سے بچاؤ کے لیے اس پر دو دو مار تو ہیں بھی نصب تھیں۔ ٹریور، جہاز کا کپتان انتہائی تجربہ کار بہادر اور بااصول انسان تھا اور اپنے عملے میں ہر دلعزیز بھی۔

ایک ہفتہ بڑے سکون سے گزر گیا۔ ویسے بھی بحر الکاہل میں جس میں سی کنگ رواں تھا، بہت کم طوفان آتے ہیں ۔ مگر دوسرے ہفتے کے چوتھے روز خلاف توقع موسم کے تیور بگڑنا شروع ہو گئے اور شام ہوتے ہی زبر دست موسلا دھار بارش ہو گئی ۔ کپتان کے حکم سے بادبان گرا دیے گئے اور جہاز آہستہ سفر کی طرف روانہ رہا۔ آدھی رات کو زبردست طوفان آیا اور جہاز اپنے راستے سے بھٹک کر کہیں کا کہیں پہنچ گیا۔ صبح ہوئی تو طوفان کا زور ٹوٹ چکا تھا مگر یہ لوگ راستہ بھول چکے تھے۔ کپتان اور اس کے ساتھ اہلکار نقشہ دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے اس لیے کہ جس مقام پر سفر کر رہے تھے وہ نقشہ میں کہیں نہیں تھا۔ یہ صورت حال کپتان ٹریور کے لیے بے حد حیران کن تھی۔ اس کے خیال میں وہ بحر الکاہل کے جنوب میں تھے مگر نقشہ اور قطب نما اس کی تردید کر رہے تھے۔ عملے کی تمام تر کوشش کے باوجود جہاز بڑی تیزی سے چٹانوں کی طرف جا رہا تھا۔ کپتان نے حکم دیا کہ جلد سے جلد جہاز کو چھوڑ دیا جائے۔ دو کشتیاں جہاز سے گرائی گئیں اور بڑی پھرتی سے عملہ ان میں منتقل ہو گیا۔ ان کے دیکھتے ہی جہاز ان چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ دونوں کشتیاں بھی اس طرف بڑھ رہی تھیں تاہم چپوؤں کی مدد سے بڑی مشکل سے ان کا رخ بدلا گیا۔ مگر فوراً ہی ایک بہت بڑی لہر نے دونوں کو اٹھا لیا۔ یہ ساٹھ بے بس انسان سمندر کی ہولناک لہروں کے رحم و کرم پر تھے۔ کشتیاں آناً فاناً ان کی پہنچ سے دُور نکل گئیں۔

حاتم نامی ایک نوجوان ملاح بھی ان بدنصیب ساٹھ افراد میں شامل تھا۔ بادلوں سے ڈھکے آسمان سے منوں ٹنوں کے حساب سے پانی برس رہا تھا۔ حاتم کے سامنے اس کے کئی ساتھی لہروں کی نذر ہو گئے۔ لہروں سے لڑتے لڑتے اب اس کی طاقت بھی جواب دیتی جا رہی تھی۔ اسے بے اختیار اپنا گھر یاد آ گیا۔ اُسی لمحے اس سے ایک بڑا لکڑی کا شہتیر ٹکرایا۔ یہ فوراً اس سے چمٹ گیا۔ اس کے سرے پر کوئی اور بھی تھا۔ اس نے اپنے آپ کو پوری طاقت سے اس کے ساتھ چمٹا لیا اور گہری سانسیں لینے لگا۔ شہتیر بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ حاتم پر تھکاوٹ اتنی غالب ہو گئی کہ اس سے شہتیر کو پکڑے رکھنا مشکل ہونے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس سے گر کر پانی میں غرق ہو جاتا اس نے اسے مضبوط ہاتھوں نے تھام لیا۔

"جوان اپنے آپ کو سنبھالو"۔ یہ کپتان کی آواز تھی جو اس کے ساتھ اسی شہتیر سے چمٹا ہوا تھا۔ قدرت ہمیں زندہ رکھنا چاہتی ہے اس لیے اس نے ہمارے لیے یہ سہارا بھیج دیا ہے۔" کپتان نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔ پھر آہستہ آہستہ بارش کا طوفان تھم گیا اور سمندر کی لہریں پر سکون ہونے لگیں۔ شام اب رات میں تبدیل ہو رہی تھی۔ ان کے چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ یہ بڑی تیزی سے کسی نامعلوم منزل کی جانب بڑھ رہے تھے۔" مجھے امید ہے کہ ہمیں جلد ہی کوئی چھوٹا موٹا جزیرہ نظر آ جائے گا۔ کپتان ٹریور نے آہستہ سے کہا۔ شدید سردی سے ان کے دانت بج رہے تھے۔ کپتان اگر حاتم کو ہمت نہ دلاتا تو کب کا ڈوب گیا ہوتا۔ لڑکے تم سو نا مت، نیند کو شکست دو! اگر تم سو گئے تو لڑھک کر سمندر میں جا گرو گے، مجھے ہو سکتا ہے کہ تم سے زیادہ نیند آ رہی ہو۔" کپتان نے اسے گویا حکم دیتے ہوئے کہا۔

آسمان پر اب اکا دُکا بادل چاند سے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ سمندر اب بالکل پر سکون تھا۔ ساری رات ان کا سفر جاری رہا۔ صبح سویرے سورج جب بلند ہوا تو انھیں ایک جزیرہ اپنی سمت میں ابھرتا نظر آیا۔ خوشی سے ان کے چہرے دمک اُٹھے۔ "میرا خیال ہے کہ ہم دو گھنٹے تک اس جزیرے تک پہنچ جائیں گے"۔ کپتان نے کہا۔

یہ جزیرہ ایک ہرا بھرا پُر سکون سا علاقہ دکھائی دے رہا تھا۔ ان کی رفتار خاصی سست تھی اس لیے انہیں وہاں تک پہنچنے میں کافی دیر ہو گئی۔ ان کا شہتیر آخر اس جزیرے کی اُبھری چٹانوں سے آ لگا۔ یہ دونوں اتر کر خشکی پر آئے اور تھکن سے نڈھال ہو کر گر پڑے۔

کچھ دیر بعد حاتم نیند میں چلا گیا کپتان نے اسے جھنجھوڑ کر بیدار کیا۔ اُٹھو لڑکے، مجھے یہ جزیرہ آدم خوروں کی آماجگاہ لگتا ہے۔ ہم کو فوراً کوئی اور محفوظ جگہ تلاش کرنی چاہیے۔ دونوں لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھے ان کے سامنے دو فرلانگ کے فاصلے پر جنگل تھا اور بہت دور سرسبز پہاڑ دکھائی دے رہے تھے۔ "میرا خیال ہے کہ ہم اس وقت بحر الکاہل کے جنوب میں ہیں۔ کپتان نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا۔ جزیرے میں خاموشی کا عالم تھا اور وہاں صرف جھاڑیاں تھیں۔

دونوں حیرت کے عالم میں آگے بڑھتے رہے آخر کار ریت کا سلسلہ ختم ہوا اور وہ جنگل میں داخل ہو گئے۔ "ذرا دھیان سے یہ علاقہ آدم خوروں کا مسکن ہو گا۔ یہ تلوار اور خنجر ہے اسے تم رکھ لو"۔ کپتان نے حاتم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

بھوک سے دونوں کا بہت برا حال تھا۔ حاتم کی نظر ایک بیل پر پڑی جس سے انگور جیسے پھل لٹک رہے تھے۔ بھوک سے بیتاب ہو کر اس نے جونہی آگے بڑھ کر انگور اُتارنے چاہے، بیل نے اسے بڑے مضبوطی سے جکڑ لیا۔ شاخیں لوہے کی مضبوط جال کی طرح اس کے جسم میں گھستی چلی جا رہی تھیں۔ اس کے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں۔ کپتان نے آگے بڑھ کر پوری طاقت سے تلوار چلائی اور اس کے تنے پر وار کیا۔ دوسرے وار پر شاخوں نے اسے چھوڑ دیا۔ حاتم اوندھے منہ گر پڑا۔ کپتان نے اسے اٹھا کر ایک طرف کیا۔ اب دونوں اس بیل کی طرف پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ بیل کے تنے سے خون نکل رہا تھا۔ گاڑھا خون، یوں لگ رہا تھا جیسے کسی جانور کو ذبح کیا گیا ہو۔ بھاگو بھاگو یہاں سے، ہم کسی شیطانی جزیرے میں آ گئے ہیں۔ اس وقت یہ پودوں اور بیلوں سے بچ کر چل رہے تھے۔

کپتان صاحب! میرا تو پہلا سفر ہے۔ آپ ہی بتائیں ہم کہاں ہیں اور یہ کس قسم کا جنگل ہے؟ حاتم نے پہلی بار زبان کھولی۔

"لڑکے میں نے ایسے پودے نہ کبھی دیکھے ہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں سنا ہے"۔ کپتان نے جواب دیا۔

انہیں اب اپنے سائے سے بھی خوف محسوس ہو رہا تھا۔ گرمی اور بھوک انہیں بہت بری طرح ستا رہی تھی۔ پیاس سے اب ان کے حلق میں کانٹے سے پڑنے لگے۔ حاتم نے اپنی دائیں جانب ایک بیل میں بڑا سا پھل

ڈرائیور نے پوچھا کدھر جانا ہے صاحب دوسرے موڑ پر اس نے گاڑی ٹھہرائی اور مجھ سے کہا صاحب آپ کو سگریٹ لینے تھے۔۔۔ اس ایرانی ہوٹل سے سستے مل جائیں گے میں فوراً دروازہ کھول کر باہر نکلا گہرے رنگ کی لڑکی نے کہا دو پیکٹ لانا ڈرائیور اس سے مخاطب ہوا تین لے آئیں گے اور اس نے موٹر اسٹارٹ کی اور یہ جا وہ جا۔ میں اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا تھوڑی دیر سوچنے کے بعد میں نے اس سے زیر لب کہا "مجھے کہیں بھی نہیں جانا ہے۔۔۔ یہ لو دس روپے۔۔ اس لڑکی کو تم جہاں بھی لے جانا چاہو لے جاؤ وہ بہت خوش ہوا"۔

حافظ محمد یوسف

﴿قصہ سٹی بجانے کا﴾

پروفیسر صاحب انتہائی اہم موضوع پر لیکچر دے رہے تھے، جیسے ہی آپ نے وہائیٹ بورڈ پر کچھ لکھنے کیلئے رخ پلٹا کسی طالب علم نے سیٹی بجائی۔ پروفیسر صاحب نے مڑ کر پوچھا کس نے سیٹی بجائی ہے تو کوئی بھی جواب دینے پر آمادہ نہ ہوا۔ آپ نے قلم بند کر کے جیب میں رکھا اور رجسٹر اٹھا کر چلتے ہوئے کہا؛ میرا لیکچر اپنے اختتام کو پہنچا اور بس آج کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔

پھر انہوں نے تھوڑا سا توقف کیا، رجسٹر واپس رکھتے ہوئے کہا، چلو میں آپ کو ایک قصہ سناتا ہوں تاکہ پیریڈ کا وقت بھی پورا ہو جائے۔ کہنے لگے: رات میں نے سونے کی بڑی کوشش کی مگر نیند کوسوں دور تھی سوچا جا کر کار میں پٹرول ڈلوا آتا ہوں تاکہ اس وقت پیدا ہوئی کچھ یکسانیت ختم ہو، سونے کا موڈ بنے اور میں صبح سویرے پیٹرول ڈالوانے کی زحمت سے بھی بچ جاؤں۔ پھر میں نے پیٹرول ڈلوا کر اُسی علاقے میں ہی وقت گزاری کیلئے اِدھر اُدھر ڈرائیونگ شروع کر دی۔ کافی مٹر گشت کے بعد گھر واپسی کے لیے کار موڑی تو میری نظر سڑک کے کنارے کھڑی ایک لڑکی پر پڑی، لگ رہا تھا کسی پارٹی سے واپس آ رہی ہے میں نے کار لے جا کر اس کے پاس روکی اور پوچھا، کیا میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ دوں؟

کہنے لگی: اگر ایسا کر دیں تو بہت مہربانی ہو گی۔ مجھے رات کے اس پہر سواری نہیں مل پا رہی۔ لڑکی اگلی سیٹ پر میرے ساتھ ہی بیٹھ گئی، گفتگو انتہائی مہذب اور سلجھی ہوئی کرتی تھی ہر موضوع پر مکمل عبور اور ملکہ حاصل تھا، گویا علم اور ثقافت کا شاندار امتزاج تھی۔

میں جب اس کے بتائے ہوئے پتے پر اس کے گھر پہنچا تو اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ وہ بہت سالوں بعد پاکستان آئی ہے اور اس نے یہاں مجھ جیسا باشعور اور نفیس انسان نہیں دیکھا۔ پھر اس نے میرے بارے میں تفصیل پوچھی۔

میں نے اُسے بتایا کہ میں میڈیکل کالج میں پروفیسر ہوں، ایف سی پی ایس ڈاکٹر اور معاشرے کا مفید فرد ہوں۔

میرے میڈیکل کالج کا سن کر اُس نے خوش ہوتے ہوئے کہا، میری آپ سے ایک گزارش ہے۔ میں نے کہا؛ ضرور بتائیے کیا کام ہے۔ کہنے لگی؛ میرا ایک بھائی آپ کے کالج میں پڑھتا ہے، آپ سے گزارش ہے کہ اس کا خیال رکھا کیجئے۔

میں نے کہا یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے، آپ اس کا نام بتا دیں۔ کہنے لگی، میں اُس کا نام نہیں بتاتی لیکن آپ کو نشانی بتاتی ہوں، آپ اُسے فوراً ہی پہچان جائیں گے۔

میں نے کہا: کیا ہے وہ خاص نشانی، جس سے میں اُسے پہچان لوں گا۔

کہنے لگی: وہ سیٹیاں بجانا بہت پسند کرتا ہے۔

پروفیسر صاحب کا اتنا کہنا تھا کہ کلاس کے ہر طالب علم کی نظر غیر ارادی طور پر اس لڑکے کی طرف اٹھ گئی جس نے سیٹی بجائی تھی۔

پروفیسر صاحب نے اس لڑکے کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا، اُٹھ اوئے جانور تو کیا سمجھتا ہے میں نے یہ ایف سی پی ایس کی ڈگری گھاس چرا کر لی ہے کیا؟

تحسین سجاد

﴿ایک دن آپریشن تھیٹر میں﴾

یوں تو ہر انسان کی زندگی میں بہت سے قیمتی یادگار لمحات ہوتے ہیں، جنہیں وہ چاہ کر بھی نہیں بھول سکتا، اور وہ یادگار لمحات اس کے ذہن میں حسین یادیں بن کر ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور ایک ایسا یادگار دن میری زندگی میں بھی آیا یہ 8 مئی 2014ء کا دن تھا، ہم آپریشن تھیٹر گئے وہاں ہمارے قابلِ احترام پروفیسر ڈاکٹر سید رضی محمد موجود تھے انہوں نے ہمیں آپریشن تھیٹر کے قوائد و ضوابط بتائے۔ اور پھر اپنے ساتھ آپریشن کروانے کے لیے ایک لڑکا اور ایک لڑکی کو اجازت دی۔ یہ آپریشن انتڑیوں کا تھا۔ اس میں ہماری کلاس کے دو طالب علم نے حصہ لیا اور کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ اس کے بعد ایک اور آپریشن کی تیاری شروع ہوئی یہ Appendix کا آپریشن تھا اور اس کے لیے بھی ایک لڑکا اور ایک لڑکی کو چنا تھا۔ لڑکوں میں سے تو میں نے حامی بھری اور لڑکیاں زیادہ تیار ہوئی تو سر نے ٹاس کے ذریعے ایک کو چنا۔ ہماری خوشی کی تو انتہا نہ رہی کیونکہ ہم دونوں کا یہ پہلا موقع تھا کہ ہم کسی بھی آپریشن میں (Assitant) معاون بنے۔

سر رضی نے ہمیں آپریشن کے بارے میں اہم ہدایات دیں اور پھر ہم نے آپریشن کرنے کے قوائد و ضوابط کے مطابق تیاری کی۔ سر رضی نے اللہ کا نام لے کر آپریشن شروع کیا اور ساتھ ساتھ ہمیں سکھاتے اور بتاتے بھی گئے اور سر نے نہایت مہارت سے اور عمدگی سے Appendix نکال دی۔ جو کہ کافی بڑی تھی۔ (stitches) ٹانکے لگانے کے بعد ہم باہر آ گئے اور مریض کو وارڈ میں منتقل کر دیا گیا۔

اس آپریشن سے ہم کو کافی کچھ سیکھنے کو ملا۔ ہم نے شکریہ ادا کیا سر رضی کا کہ انہوں نے ہمیں یہ موقع دیا۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمارے اس ادارے کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی دے اور ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ آمین)

محمد مزمل جاوید

﴿رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے﴾

جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (صحیح بخاری 2442)

﴿حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید نا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ﴾

جس کے پاس میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پر درود پاک نہ پڑھا وہ بدبخت ہے۔ (القول البدیع صفحہ 145، آب کوثر صفحہ 94)

میں پاکستانی ہوں

میں پاکستان ہوں میری حالت کچھ بہتر نہیں ہے۔ میرے لہجے میں میرے مقروض ہیں۔ میرا اک بازو ہی کاٹ دیا گھا۔ کچھ زخم مجھے میرے اپنے بچوں نے دیے۔ چوری، ڈاکے، فرقہ وارانہ فسادات، سیاسی بدعنوانیاں نسلی تعصبات، دھماکے اور خودکش حملے یہ وہ زخم ہیں جو میرے اپنے بچوں نے مجھ کو دیے۔ کون جانتا ہے کہ میری داستان کس قدر دل گداز ہے کون سا دل ہے جو میری زبان بے زبانی کو سمجھ سکتا ہے۔ میرے لب بند ہے مگر میرے دل میں ایک الاؤ ہے کہ اس کی تپش کوئی اہل درد ہی محسوس کر سکتا ہے۔ اس وقت میری حالت دگرگوں ہے۔ میرا ناگفتہ حال ایک شاندار ماضی کا حامل ہے عرصہءِ بعید کی بات ہے کہ اس دنیا میں پیدا ہونے سے قبل کے حالات وواقعات جب بھی میرے ذہن میں آتے ہیں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا اس کائنات میں پیدا ہونے کا خواب خالق پاکستان کے یقین محکم، عمل پیہم، عظمت کردار، بلندی نظر، پختگی ارادہ، جذبہ حریت و قومیت اور خلوص وایثار کی وجہ سے شرمندہ تعبیر ہوا اور نہ ہندو اور انگریز جیسی دو دھاری تلوار سے بچ نکلنا میرے لیے مشکل تھا لیکن میں خالق پاکستان اور اللہ تعالی کی منشاء سے ان کے درمیان میں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

اپنوں نے بقول اطہر صدیقی کے کہ:

انسان کی پہچان فقط اس کا وطن ہے

انسان وہی ہے جس کا کوئی اپنا وطن ہے

جب میں وجود میں آیا منافقین کو یہ ناگوار گزرا اور انہوں نے اپنی عیاری سے فسادات کو جنم دینا شروع کر دیا جس میں کئی مسلمان اپنی جانوں کا نظرانہ دیتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے۔ اس کے بعد اک سنہرا دور شروع ہوا جب مجھے شرمندہءِ تعبیر کرنے والے خود میرے حکمراں ہوئے اس وقت ہر کوئی ایک دوسرے کے احساسات کی قدر کو جانتا تھا روپے کی قدر و قیمت نہ تھی بلکہ احساسات کو سمجھا جاتا تھا۔ مگر قائداعظم کی وفات کے بعد اقتدار بدلتے گئے اور اب ایسا لگتا ہے کہ میرا اک تکلیف دہ دور شروع ہو گیا ہے۔ جو بھی آیا اس نے میرے سینے کو زخموں سے بھر دیا اور اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا اُن حالات کے باوجود میں ابھی بھی زندہ ہوں اور اپنے ماضی کی حسین یادوں سے اپنے سینے کے زخموں کو سہلانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ:

زندگی نام ہے مرمر کے جیے جانے کا۔

میں پاکستان ان کے قرض کے بوجھ میں ڈوبتا جا رہا ہوں، میرے حکمران پُرخلوص نہیں رہے۔ میں کسی اور کا کیا گلہ کروں جب میرے اپنے ہی میرے درپے ہیں۔ یہ میری آپ بیتی ہے ازل سے لے کر ابد تک۔۔۔۔ میں اب تنہا رہ گیا ہوں اور اکثر شب تنہائی میں ماضی کے میں خواب دیکھتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ شاید زندگی نا تمام آرزوؤں کے ہجوم کو کہتے ہیں یا شاید خلوص ووفا کے صلے میں زمانے کی سرد مہری ہی اس کا صحیح مفہوم ہے۔ اس امید پر میں اب تک زندہ ہوں کہ شاید کوئی قائداعظم کی طرح آئے اور مجھے غلامی کی زنجیروں اور سلگتے ہوئے زخموں سے آزاد کرائے۔

میرا ماضی ایک مالِ گداز ہے اور حال اک آہِ نارسا۔

حیات اک مستقل غم کے سوا کچھ بھی نہیں شاید
خوشی بھی یاد آتی ہے تو آنسو بن کر آتی ہے۔

زاہد اقبال

شکاری عورت

میں آج آپ کو چند شکاری عورت کا قصہ سناؤں گا میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی کبھی ان سے واسطہ پڑا ہو گا۔

میں کراچی میں تھا اپنی ڈیوٹی سے عام طور پر چھ بجے گھر پہنچ جایا کرتا تھا لیکن اس روز مجھے دیر ہو گئی اس لیے کہ شکاری کی کہانی پر بحث مباحثہ ہوتا رہا۔

میں جب اسٹیشن پر اُترا تو میں نے ایک لڑکی کو دیکھا جو تھرڈ کلاس کمپارٹمنٹ سے نکلی اس کا رنگ گہرا سانولا تھا ناک نقشہ بھی ٹھیک تھا جوان تھی، اس کی چال بڑی انوکھی تھی ایسا لگتا تھا کہ وہ فلم کا منظر نامہ لکھ رہی ہے۔ میں اسٹیشن سے باہر آیا اور پل پر وکٹوریا گاڑی کا انتظار کرنے لگا میں تیز چلنے کا عادی ہوں اس لیے میں دوسرے مسافروں سے بہت پہلے باہر نکل آیا تھا۔ وکٹوریا آئی اور میں اس میں بیٹھ گیا میں نے کو چوان سے کہا کہ آہستہ آہستہ چلے اس لیے کہ فلمستان میں کہانی پر بحث کرتے کرتے میری طبیعت مکدر ہو گئی تھی موسم خوشگوار تھا وکٹوریا والا آہستہ آہستہ پل سے اترنے لگا۔

جب ہم سیدھی سڑک پر پہنچے تو ایک آدمی سرپرٹاٹ سے ڈھکا ہوا مٹکا اٹھائے صدا لگا رہا تھا قلفی..... قلفی!

جانے کیوں میں نے کوچوان سے وکٹوریا روک لینے کے لیے کہا، اور اس قلفی بیچنے والے سے کہا کہ ایک قلفی دو۔۔۔ میں اصل میں اپنی طبیعت کا تکدر کسی نہ کسی طرح دور کرنا چاہتا تھا۔

اس نے مجھے ایک دو آنے میں قلفی دی میں کھانے ہی والا تھا کہ اچانک کوئی دھم سے وکٹوریا میں آن گھسا کافی اندھیرا تھا میں نے دیکھا تو وہی گہرے رنگ کی سانولی لڑکی تھی۔

میں بہت گھبرایا۔۔۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

اس نے قلفی والے سے بڑے بے تکلف انداز میں کہا ایک مجھے بھی دو اس نے دے دی۔ لڑکی نے اسے ایک منٹ میں چٹ کر دیا اور وکٹوریا والے سے کہا چلو"

میں نے اس سے پوچھا" کہاں

جہاں بھی تم چاہتے ہو

مجھے تو اپنے گھر جانا ہے

تو گھر ہی چلو

تم ہو کون؟

کتنے بھولے بنتے ہو

میں سمجھ گیا کس قماش کی لڑکی ہے چناچہ میں نے اس کہا گھر جانا ٹھیک نہیں۔۔ اور یہ وکٹوریا بھی غلط ہے۔۔۔ کوئی ٹیکسی لے لیتے ہیں، وہ میرے اس مشورے سے بہت خوش ہوئی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس سے نجات کیسے حاصل کروں۔ اسے دھکا دے کر باہر نکالتا تو اودھم مچ جاتا پھر میں نے یہ سوچا کہ عورت ذات ہے اس سے فائدہ اٹھا کر کہیں وہ یہ واویلا نہ مچادے کہ میں نے اس سے ناشائستہ مذاق کیا ہے۔ وکٹوریا چلتی رہی اور میں سوچتا رہا کہ یہ مصیبت کیسے ٹل سکتی ہے آخر ہم اپنے ہسپتال کے پاس پہنچ گئے وہاں ٹیکسیوں کا اڈہ تھا میں نے وکٹوریا والے کو اس کا کرایہ ادا کیا اور ایک ٹیکسی لے لی ہم دونوں اس میں بیٹھ گئے۔

پرچہ سیاست

کل نمبر: جتنے سیاست دان ہیں

کامیابی کے نمبر: جتنی نشستیں ہیں۔

نوٹ: ہارس ٹریڈنگ پر زیادہ نہ ملیں گے، امیدوار سے ضمیر، انسانیت یا شرافت نام کی کوئی چیز بر آمد ہوئی تو پرچہ کینسل کر دیا جائے گا۔

سوال نمبر 1: انسان نے سیاست شیطان سے سیکھی یا شیطان نے انسان سے؟ تاریخی حوالوں سے واضح کریں کیا آدم کو جنت سے نکلوانے کی اختیار کردہ حکمتِ عملی کو سیاست کہا جاسکتا ہے؟

سوال نمبر 2: ان پڑھ سے ان پڑھ آدمی سیاست پر گھنٹوں بول سکتا ہے اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

سوال نمبر 3: ایک مقبول سیاست دان بننے کے لیے کتنے جرائم کرنا شرانگیز جلسے کرنا کتنی بار جیل جانا اور کتنے لوگوں کی حق تلفی کرنا ضروری ہے؟

سوال نمبر 4: خالی جگہ پر کریں۔

(1) ہر شخص۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا دیوانہ ہے۔ (حسن، کرسی، دولت)

(2) سیاست دانوں کا انجام عموماً۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہوتا ہے۔ (عبرت ناک، خوشگوار)

(3) موٹروے کی تعمیر ملک میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (غریب، غربت)

(4) الیکشن ہر دو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بعد ہونے چاہیے۔ (ماہ سال)

سوال نمبر 5: درست اور غلط کی نشاندہی کریں۔

(1) الیکشن وہ بزنس ہے جس میں ایک لگا کر سو کمائے جاتے ہیں۔

(2) عوام کی تھالی میں کھانے اور چھید کرنے والوں کو سیاست دان کہتے ہیں۔

(3) وزارت وہ واحد ملازمت ہے جس میں تعلیم کی کوئی قید نہیں۔

(4) سیاست دان ہمیشہ وعدہ پورا کرتا ہے۔

(5) ہر حکمران کرسی آسانی سے چھوڑ دیتا ہے۔

(6) سیاسی جلسے اور اسٹیج ڈرامے میں کوئی فرق نہیں۔

سوال نمبر 6: ہر سیاست دان اداکار ہوتا ہے۔ لیکن ہر اداکار سیاست دان نہیں ہوتا کیوں؟ اداکار کا شو مہنگا پڑتا ہے یا سیاست دان کا؟

سوال نمبر 7: ایک سیاسی جلسے میں اوسط کتنی جیبیں کٹتی ہیں اور کتنے پیٹ، اعداد و شمار سے واضح کریں؟

سوال نمبر 8: محاورات کو جملوں میں استعمال کریں۔

کٹ ڈاؤن۔ رول بیک، مینڈیٹ، ہنگ پارلیمنٹ، پریس لاء، امریکی امداد۔

سوال نمبر 9: الیکشن سے قبل اگر امیدوار نے دس لاکھ کا قرض واپس کیا ہو تو الیکشن جیتنے کے بعد کتنا قرض لے کر معاف کروائے گا؟

سوال نمبر 10: اگر تمام سیاست دان اور اداکار مکمل عکس دیں تو پاکستان یورپ کے کتنے اور کون کون سے ممالک خرید کر سکتا ہے؟

سوال نمبر 11: آئندہ الیکشن کے لیے کوئی نیا نعرہ گھڑیں جس میں عوام ایک بار پھر بے وقوف بن جائے؟

سوال نمبر 12: ایسے 101 تیر بہ حدف انسخے لکھیں جن کی مدد سے ممبران اسمبلی حلقے کے لوگوں کو ٹالتے ہیں؟

ارتضی احمد

مرغ مسلم

مرغے کو کبھی آپ نے اگر غور سے دیکھا ہے تو اس میں آپ کو نہایت عمدہ کلاسیکل آرٹ نظر آئے گا۔ ایسا ہی آرٹ اس کی سائیکولوجی میں بھی ہے۔ مرغے کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے۔ اس کو جاننے کے لیے آپ کو ایک واقعہ سننا پڑے گا۔ یہ شاید 1987 کی بات ہے شہر حیدرآباد ہنگاموں کے باعث کرفیو کی زد میں تھا۔ ہم اُن دنوں ہیر آباد میں رہا کرتے تھے اور مین اسٹریٹ میں ہمارا گھر تھا جس کی کھڑکی سے چوک اور اس سے اگلا روڈ بھی نظر آتا تھا۔ روڈ پر گشت کرتے فوجی جوان اور کرفیو کی خلاف ورزی کرتے نوجوان اور یہ آنکھ مچولی ہم بڑے مزے سے دیکھا کرتے تھے۔ ہم تھوڑے سے بزدل واقع ہوئے ہیں اس لیے اس کھیل میں حصہ نہیں لیا کرتے تھے ایسے میں اگر کوئی فوجی کے ہاتھ آجاتا تھا، تو وہ اُسے موقع پر مرغا بناتے تھے۔ اور لوگ کھڑکیوں میں سے یہ تماشا مزے سے دیکھا کرتے تھے ایک دفعہ کچھ لڑکے گلی کے نکڑ پر کھڑے تھے ان میں ایک مرغا بھی تھا۔ (یعنی یہ وہ مرغا نہیں تھا) اصل والا، وہ دانہ بھی چگ رہا تھا اور ادھر ادھر بھی دیکھ رہا تھا۔ اچانک ایک فوجی جیپ آتی دکھائی دی۔ لڑکے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ تماشا یہ تھا کہ ان کے ساتھ مرغا بھی بھاگا۔ اب آپ ہی بتایئے مرغے کو کیا خطرہ تھا۔ کیا اُسے بھی مرغا بنائے جانے کا خوف تھا۔ مگر وہ تو پہلے سے ہی مرغا تھا۔ اُسے شاید انسان بنائے جانے کا خطرہ تھا۔ جو وہ بننا نہیں چاہتا تھا۔

پچھلی عید قربان پر ایک ایسا ہی واقعہ دیکھنے میں آیا۔ جب ہم عید کی نماز عید گاہ میں پڑھ کر گھر کے قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کچھ صاحبان شاید جلدی والی نماز پڑھ کر آ گئے تھے اور ایک عدد بکرے کو گرا کر قربانی میں مصروف تھے۔ نزدیک ہی ایک مرغا بڑا اکڑ کر چل رہا تھا۔ یقیناً اپنے مرغے ہونے پر فخر کر رہا ہو گا کہ شکر ہے کہ آج مرغا عید نہیں۔ اور میں مرغا ہوں۔

ہمارے ایک دوست کہنے لگے کہ یار کہیں میں سواری ہوں کہ بس والا آواز لگاتا ہے، اُستاد روک کے سواری کھڑی ہے۔ کہیں میں گاہک ہوں۔ کہ کان پر کام کرنے والا آواز لگاتا ہے کہ گاہک آگیا۔ کہیں میں کلائنٹ ہوں کہ وکیل صاحب کہتے ہیں۔ آپ میرے کلائنٹ ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے پاس جاتا ہوں تو کلینک اٹینڈنٹ ڈاکٹر صاحب سے کہتا ہے کہ پیشنٹ آیا ہے یار میں اصل میں کیا ہوں ہم نے کہا کہ بھائی آپ اصل میں مرغے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر جاوید راجپوت

اقوال زریں

جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ سب سے ڈرتا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔

حیا کے ساتھ نیکیاں اور بے حیائی کے ساتھ بدیاں وابستہ ہیں۔

حرص سے روزی نہیں بڑھتی مگر آدمی کی قدر گھٹ جاتی ہے۔

شرافت عقل سے ہے نہ کہ مال و نسبت سے۔

غنی وہ ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے خالی ہے۔

جاہلوں کی محبت سے دور رہو ورنہ وہ تمہیں بھی اپنا جیسا بنالیں گے۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں کسی کو اتنا پیار دو کہ کوئی گنجائش نہ چھوڑو۔ اگر وہ پھر بھی تمہارا نہ بن سکے تو اُسے چھوڑ دو، کیوں کہ وہ محبت کا طلبگار ہی نہیں وہ صرف ضرورتوں کا پجاری ہے۔

محبت کرنے والے کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی اور ضرورت مند کو کسی سے محبت نہیں ہوتی۔

(حافظہ عمیر الیاس)

ذلت

ایک دانا کا قول ہے کہ آٹھ چیزیں ذلت لاتی ہیں

ں انسان کا ایسے دستر خوان پر بیٹھنا جس کی طرف اسے بلایا نہ گیا ہو۔

ں گھر والوں پر بے جا حکم چلانا۔

ں دشمنوں سے احسان کی توقع کرنا۔

ں ایسے لوگوں کی بات میں دخل دینا جو اسے مخاطب کرنا نہیں چاہتے۔

ں بڑوں کی تحقیر کرنا۔

ں اپنے مرتبے سے بلند جگہ بیٹھنا۔

ں ایسے شخص سے باتیں کرنا جو دھیان نہ دے

ں ایسے شخص سے دوستی کی خواہش کرنا جو اس کا اہل نہیں۔

عثمان ریاض قدیر مان

شوہر جذبات میں آگیا دماغ کا صحیح استعمال نہ کیا اور ماں اور بہنوں کی محبت اور ان کی عزت کا خیال کرتے ہوئے سب کے سامنے بیوی کو ذلیل کرنا شروع کر دیا، چاہے بیوی کا قصور نہ ہو اس سے بیوی کی عزتِ نفس مجروح ہو گی اور وہ ایک مایوسی کے سمندر میں اپنے آپ کو ڈوبتے ہوئے محسوس کرے گی۔ اس طرح سے اگر بیوی کے عشق اور محبت میں آکر ماں اور بہنوں کو بُرا بھلا کہا تو ان کی عزت مٹی میں مل جائے گی۔ پھر ماں یہ کہنے پر مجبور ہو جائے گی کہ تو نے آج بیوی کے جھوٹے آنسوؤں کو دیکھ کر ماں اور بہن کو بے عزت کیا ہے میں تجھے کبھی اپنا دودھ نہیں بخشوں گی مجھے تو پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ بیوی نے اس کو الو کا گوشت کھلا کر اپنا غلام بنالیا ہے۔ ایسا شوہر اپنے فرائض کی انجام دہی بھی پوری نہیں کر سکے گا اس لیے آگے چل کر اس گھر کے لیے معاشی مسائل بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس لیے شاہدہ کو چاہیے کہ ایک معمولی سی بات کے پیچھے اپنے شوہر انور کو کسی پریشانی میں نہ ڈالے اور اپنی ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے یا تو ایسے کسی مسلے کو جنم ہی نہ لینے دے اور اگر ہو بھی جائے تو اس کو اپنی انا کا مسئلہ نہ بنائے۔ انور کو بھی چاہیے کہ وہ گھر میں ہر چیز پر نظر رکھے اور جس کا قصور ہو اس کو حقیقت کی نظر سے دیکھتے ہوئے بغیر کسی کی عزتِ نفس کو مجروح کرتے ہوئے مسئلے کو حل کرے۔ ماں اور بہنوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے بیٹے اور بھائی کو کسی پریشانی میں نہ ڈالیں اگر بیٹے نے رات دن ان بلاوجہ کے مسئلوں سے تنگ آکر کوئی غلط فیصلہ کر لیا تو کسی کے لیے بھی اچھا نہیں ہو گا۔ شادی زندگی میں ایک بار ہوتی ہے بار بار کی شادیاں اچھی نہیں ہوتی اور یہ آنے والی نسل پر برا اثر ڈالتی ہے۔ اور اُن میں سے کئی افراد نفسیاتی بھی ہو جاتے ہیں۔ اگر اس نے ایسا کیا تو یہ اس کی زندگی کی پہلی شکست ہو گی اور پھر ہر راستے پر ہر موڑ پر شکست اس کا پیچھا کرتی رہے گی۔ کیوں کہ وہ حالات سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ کھو بیٹھا ہے۔ اور آخر کار تنگ آکر وہ زندگی کے خاتمے کا فیصلہ بھی کر سکتا ہے خدا ایسی نوبت نہ لائے کیوں کہ صرف اسی کے زندگی کا معاملہ نہیں پیچھے اور بہت سے زندگیاں بھی جڑی ہوئی ہیں۔ اس لیے شوہر کو چاہیے کہ وہ حوصلہ، ہمت اور اپنی ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے حالات کا رخ اپنے حق میں موڑنے کی کوشش کرے تاکہ زندگی خوشگوار ہو جائے۔ شاہدہ اب امید سے ہے اور بچے کی آمد ہے۔ ساس نند اور شوہر ویسے ہی اس کے لیے ایک کھچاؤ پیدا کئے ہوئے ہیں۔ شاہدہ کو ڈلیوری کے لیے اسپتال جانا پڑے گا کیوں کہ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ بچہ آپریشن سے پیدا ہو گا۔ شاہدہ اسپتال چلی جاتی ہے اور ان میں سے اس کے ساتھ کوئی نہیں جاتا۔ فلم کا تیسرا ایکٹ کسی زمانے میں انور اپنی تایازاد بہن روبینہ کو چاہتا تھا لیکن ان کی مالی حالت بہتر نہ تھی گھر بھی معمولی سا تھا اور انور کے پاس کوئی موٹر سائکل بھی نہیں تھی۔ اس لیے روبینہ کے والدین نے یہ کہہ کر انکار کر دیا میری بیٹی ایسے گھر میں کیسے گزارہ کریگی جہاں کچھ بھی نہ ہو۔ اب انور کی مالی حالت بہت بہتر ہو گئی تھی بنگلہ بھی آگیا تھا اور کار بھی کیوں کے انور کے والد کے بزنس نے بہت جلد ترقی کر لی تھی۔ بیوی اور شوہر کے درمیان اور ساس اور نند کے درمیان ایسے کھچاؤں بھرے حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے روبینہ کی ماں نے ایک پلان تیار کیا اور اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر انور کے گھر پہنچ گئی اور کہا کیوں کے تمہاری بیوی اسپتال میں ہے اور تمہاری دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے میں روبینہ کو یہاں چھوڑ کر جا رہی ہوں یہ تمہارے کپڑوں کی استری سے لے کر جوتے پالش کرنے تک اور ناشتہ سے لے کر کھانے تک ہر طرح تمہارہ خیال کرے گی۔ روبینہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر نیا میک اپ نئے جوڑے تبدیل کرنا او مختلف قسم کے پرفیوم استعمال کرتے ہوئے انور کے بہت قریب پہنچ گئی اور اپنے حسن کے جلوے اور مختلف پرفیوم کی خوشبو اور نت نئے لباس کا جال بنا کر انور پر کچھ اس طرح سے پھینکا کہ انور اس کے جال میں پھنس گیا۔ یہاں تک کے انور اور روبینہ نے آپس میں شادی کرنے کا بھی فیصلہ کر لیا۔ شاہدہ کو جب ان سب باتوں کا علم ہوا تو اس نے اپنی والدہ کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کیوں کہ مرد اس طرف سے بہت کمزور ثابت ہوا ہے۔ اسی دوران شاہدہ نے ایک خوبصورت بیٹے کو جنم دے دیا۔ شاہدہ کی والدہ یہ سب جان کر تھوڑی بہت پریشان تو ہوئی لیکن اپنی ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے اپنے داماد کے گھر جانے کا فیصلہ کیا جاتے ہوئے اپنے ساتھ سمدھن اس کی بیٹی اور داماد کے لیے بہت سے قیمتی طائف لے کر گئی اور شاہدہ کی ساس سے التجا کی کہ میری بیٹی کا گھر برباد ہونے سے بچالیں اور شاہدہ کی ساس کو یہ بھی کہا کہ تمہارے بھی گھر میں ایک بیٹی ہے جو دوسرے گھر جائے گی کیا تم اس کی تکلیف برداشت کر لو گی۔ داماد سے کہا کہ تمہاری بھی ایک بہن ہے جسے تم بہت چاہتے ہو اگر اس کے ساتھ ایسا ہوا تو کیا تم اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر کانوں میں کپاس ڈال کر کمرہ بند کر کے اندر سو جاؤ گے۔ ان سب درد بھری باتوں کو سُن کر ہر آنکھ اشکبار ہو گئی اور اُن کی آنکھوں سے ندامت کے آنسو جاری ہو گئے اور سب نے ایک آواز ہو کر کہا کہ ہم اپنی غلطی تسلیم کرتے ہیں اور اب آپ کے ساتھ ہم پورا تعاون کریں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی بیٹی کا گھر آباد رہے گا۔ اس کے بعد شاہدہ کی والدہ روبینہ کے گھر گئیں اور اس کی والدہ کو اور روبینہ کو بہت لتھیڑا کہ تمہیں میری ہی بیٹی کا گھر برباد کرنے کو ملا تھا کیا اس کے لیے اور دوسرے رشتے ختم ہو چکے روبینہ کے والد اس وقت گھر میں تھے جنہیں ان باتوں کا علم نہیں تھا وہ ایک دم کمرے سے باہر آئے اور ان باتوں کو سننے کے بعد بیوی اور بیٹی کو بہت برا بھلا کہا اور اس دن سے روبینہ پر چچا کے گھر پر جانے پر پابندی عائد کر دی۔ اب شاہدہ اپنے پیارے بیٹے کے ساتھ گھر آگئی تھی۔ شاہدہ نے اپنی ذہانت سے اپنے پیارے منے کا سہارہ لے کر حالات کو قابو میں کر لیا اور شوہر کے سامنے منے سے کہنے لگی۔

منے تم میرا ایک کام کرو
اپنے پیارے ابو جی کو رام کرو

وہ گھر جو دوزخ بن گیا تھا جس کے در و دوار سے آگ نکل رہی تھی جسم جل رہے تھے اور دماغ ایک بڑی عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھے اب جنت کا نمونہ بن گئے، دونوں میاں بیوی اپنی سمجھ سے کام لیتے ہوئے ایک دوسرے کا خیال کرنے لگے جن لوگوں کو آپ کی خوشیاں پسند نہیں تھیں اور وہ بلاوجہ آپ کی زندگی کو ہر وقت ڈسٹرب کرتے رہتے تھے ان کا گھر میں آنا جانا بند کیا اب یہ دونوں ایک دوسرے سے پیار محبت ماں باپ اور بہن بھائیوں کا خیال کرنے لگے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا تھا اس پر گزارا کرنے لگے اس امید پر اپنے گھر کو بہتر طریقے سے چلانے لگے اور یہی گھر ان سب کے لیے جنت کا ایک نمونہ بن گیا اور ہر شخص خوش رہنے لگا اور پھر دونوں دلوں سے ایک ہی آواز آنے لگی۔

میرا گھر میری جنت یہ میرا آشیانہ

پروفیسر ڈاکٹر عقیل الرحمان راجپوت

آغوش کا پھول

شادی کے معنی ہیں خوشی۔ جب لڑکا اور لڑکی جوان ہو جاتے ہیں تو ماں باپ ان کی شادی کر کے انہیں یہ خوشی دے دیتے ہیں اکثر میرے شاگرد مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ شادی والدین کی منتخب کردہ ہو یا پسند یا محبت کی ہو میرا ان کو یہ ہی جواب ہوتا ہے کہ بہتر تو یہ ہے کے شادی ماں باپ کی منتخب کردہ ہو کیوں کہ وہ دوسری پارٹی کو اپنی عمر اور تجربے کی روشنی میں بہتر طریقے سے پرکھ کر ہر زاویہ سے جانچ کر پھر فیصلہ کرینگے۔ شادی کا فیصلہ یک طرفہ نہ ہو، شادی کے معاملے میں والدین اور اولاد باہمی رضامندی سے فیصلہ کریں تو بہتر ہو گا۔ والدین کو چاہیے کہ وہ یک طرفہ فیصلہ کر کے اولاد پر نہ تھوپیں۔ ورنہ لڑکا یہ ہی کہے گا کہ میں نے چاند اور ستاروں کی تمنا کی تھی مجھ کو راتوں کی سیاہی کے سوا کچھ نہ ملا۔ اور یہ بات اولاد کی ازدواجی زندگی پر خراب اثر ڈال سکتی ہے۔ مذہب اسلام نے بھی اجازت دی ہے کے لڑکا اور لڑکی شادی سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں اور بات چیت بھی کر سکتے ہیں۔ انتخاب کرتے وقت عورت کو اس کے جمال حسب نسب اور دین کو مد نظر رکھ کر انتخاب کیا جائے اور مرد کو اس کے کسب کمال جمال کو دیکھ کر انتخاب ہو۔ اس کے باوجود بھی ایسی کیا وجوہات ہیں کہ نوجوان اپنی پسند اور محبت کی شادی کو ترجیح دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اس کے لیے کسی بھی سمجھوتے کے لیے تیار نہیں۔ اُن کا تو یہ حال کہ ناگن زُلفیں گال گلابی آنکھیں شرابی کیسے کوئی دل کو سنبھالے، دل ہاتھوں سے نکل نکل کر جائے۔ جوانی دیوانی ہوتی ہے، عشق اندھا اور محبت بہری یونانیوں کے عقیدے کے مطابق عشق کا دیوتا کیوپڈ ہے اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے اور اس کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ جب کسی بھی پارٹی میں، لڑکا ہو یا لڑکی عشق ہو جاتا ہے تو وہ نہ خاندان دیکھتا ہے نہ ذات نہ حیثیت اور جس سے عشق کر رہا ہے وہ خود کیا ہے اس وقت وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے دل کی باتیں زیادہ اور دماغ کی بات کم مانتا ہے یا سنتا ہی نہیں۔ جب یہ عشق محبت میں تبدیل ہو جاتا تو وہ کسی کی بات نہیں سنتا۔ اُسے لاکھ سمجھاؤ کہ یہ راستہ ٹھیک نہیں ہے آگے چل کر کے بہت سی دشواریوں اور مشکلات کا سامنا آسکتا ہے۔ مگر اس عشق کے بھوت کے سامنے وہ کسی کی بات سننے کو تیار نہیں۔ عشق کا بھوت ان دونوں پر اتنا حاوی ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی خامیوں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے سامنے بہتر سے بہتر بن کر دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ شادی سے پہلے ان دونوں کے لیے فلم کا یہ سیٹ ایک کھلے اور آزاد ماحول میں ہوتا ہے۔ اور بغیر کسی روک ٹوک کے وہ جب اور جہاں چاہیں ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں۔ محبوب اپنی محبوبہ کی ہر بات آسانی سے مان لیتا ہے اور محبوبہ اپنے محبوب کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر اسے والدین کا گھر بغیر ان کی مرضی کے چھوڑنا پڑا تو وہ بھی کر دکھائے گی۔ اور یہ ہی فیصلہ محبوب کا ہوتا ہے کہ وہ اس کو علیحدہ گھر یا فلیٹ میں لے جائے گا جہاں اُن پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ شادی والدین کی منتخب کردہ ہو یا محبت کی لڑکی کے والدین کا سر اسی دن جھک جاتا ہے جس دن وہ اپنی آغوش کے پھول کے بول ہارتے ہیں۔

کہکشاں کی دستوں میں بکھرے ستاروں کی طرح
بیٹیاں بھی گھر کے آنگن میں چمکتی ہیں موتیوں کی طرح
بیٹیاں ماں کے لیے بھی ایک سہارہ ہیں اور باپ کے دل کا سکون
ماں کی آغوش میں پلتی ہیں چناروں کی طرح
بیٹیاں جگ مگ ستاروں کی طرح
نئے آنگن کو شاداب کرتی ہیں بہاروں کی طرح

آخر زندگی میں ایک دن ایسا بھی آ ہی جاتا ہے کہ بیٹی کو بابل کا گھر چھوڑ کر اپنے شوہر کے گھر جانا پڑتا ہے۔ شادی کے بعد ماں باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اپنی آغوش میں پلے ہوئے اس پھول کو جسے وہ ایک پرندے کی طرح اپنی پروں کے نیچے رکھ کر ٹھنڈی ہوا کے تیز جھونکوں سے بچا کر گرم ہوا کی تپش سے بچا کر ہر بلا اپنے اوپر لی مگر اپنے اس پھول پر آنچ نہیں آنے دی۔ اس نصیحت اور دعاؤں کے ساتھ وداع کرتے ہیں کہ تیرا اصل گھر تو شوہر کا گھر ہے وہاں جا کر ساس اور سسر کی عزت اور احترام کرنا اُن کی خدمت کرنے میں کوئی کمی نہ چھوڑنا چھوٹوں کے سر پر پیار محبت اور شفقت کا ہاتھ رکھنا شوہر کا ہر طرح سے خیال رکھنا اس کو کبھی ناراض نا کرنا اور اگر کبھی ایسا ہو بھی جائے تو خود پہل کر کے اُس کو منالینا۔ اس میں تمہاری عظمت ہے۔ شوہر کے ماں باپ کو اپنے ماں باپ سمجھنا ماں باپ کو تیرے بارے میں سسرال کی طرف سے کوئی شکایت نہ آنے پائے۔ اپنے پروں کے نیچے سے نکال کر دوسروں کے حوالے کر دیتے ہیں سسرال جانے کے بعد فلم کا یہ سیٹ اور کردار بھی بدل جاتے ہیں۔ آزاد اور کھلے ماحول سے نکل کر اب لڑکی ایک دوسرے گھر میں جاتی ہے وہاں لڑکی کے لیے سب لوگ نئے ہوتے ہیں۔ اور اگر ماں باپ کی منتخب کردہ شادی ہے تو لڑکا بھی نیا اگر عشق کی شادی ہے تو صرف شوہر اس کی جان پہچان کا ہوتا ہے۔ یہاں آکر نئی دولہن کے لیے تین سے چھ ماہ کا ایک آزمائشی وقت ہوتا ہے جس کے درمیان وہ ہر چیز کا غور سے جائزہ لیتی ہے سنتی زیادہ ہے اور بولتی کم ہے۔ آنکھیں کھلی رکھتی ہے، شروع میں دو یا تین لفظوں سے کام چلاتی ہے۔ جی ہاں، جی نہیں، جی بہتر ہے۔ اس عرصے میں گھر کے ہر فرد کی عادت سے لے کر پسند ناپسند کا بھی پتہ چل جاتا ہے، رشتے داروں اور دوست احباب کا بھی آنا جانا تو ہوتا ہی ہے۔ اس بارے میں بھی علم ہو جاتا ہے اور شوہر کا نئے مستقبل کے بارے میں پلان کا اصل روپ بھی اس کے سامنے آجاتا ہے اس کے بعد وہ اپنے مستقبل کے بارے میں پلان تیار کرتی ہے کہ اس گھر میں اس کو کس طرح رہنا چاہیے تاکہ اس کی آگے کی زندگی خوش گوار رہے، اس کی زندگی مسائل سے پھر بھی خالی نہیں ہوتی اگر اس گھر میں پہلے کسی بھائی کی شادی ہو چکی ہوتی ہے اور لڑکی جہیز وغیرہ زیادہ لائی ہے تو حسد کا شکار بنتی ہے اور اگر جہیز کم لائی ہے تو تنقید کا نشانا بنتی ہے۔ اگر شادی عشق یا محبت کی ہے تو شادی سے پہلے یہ دونوں ایک آزاد اور کھلے ماحول میں جب چاہتے تھے جہاں چاہتے تھے ملتے جلتے تھے۔ کوئی انھیں روک ٹوک نہیں کرتا تھا شادی کے بعد گھر میں آکر انھیں بہت سی چیزوں کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ یہاں ماں باپ اور بہن بھائی اور گھر کے دوسرے افراد کے ہوتے ہوئے بھی شوہر اپنی بیوی سے اس گلیمر کا آرزومند رہے اور یہ چاہے گا کہ جب وہ کام سے واپس آئے تو اس کی بیوی ایک فلمی ہروئن کی طرح ہنستی مسکراتی دوڑ کر آئے اور ایک دم سے شوہر کے گلے لگ جائے۔ جواب اس کے لیے ممکن نہیں۔ اس طرح سے بیوی چاہتی ہے کہ جس طرح شادی سے پہلے اس کا محبوب اس کی ہر بات مانتا تھا اسی طرح سے اب بھی جب وہ کہے فوراً اس کے ساتھ جانے کو تیار ہو جائے چاہے شوہر کتنا ہی تھکا ہوا ہو جس چیز کی وہ فرمائش کرے فوراً اس کے لیے حاضر کر دے۔ اس بات سے اُن کی شادی شدہ زندگی میں ہلچل مچ سکتی ہے۔ اس کے علاوہ شوہر کو بھی ایک آزمائش سے گزرنا پڑے گا اور وہ ہے ساس بہو اور نندوں کے درمیان کچھ کسی بات پر بد کلامی ہو سکتی ہے یا ساس کو بہو کا کوئی عمل پسند نا آیا ہو اور وہ بہو کو تھوڑی بہت ڈانٹ ڈپٹ کر دے تو یہ بات بہو کے لیے ناقابل برداشت ہو جائے گی۔ اگر ساس یا نند نے بہو سے کوئی فرمائش کی ہو اور وہ پوری نہ کر سکی تو یہ بھی ایک مسئلہ بن سکتا ہے۔ شوہر کے گھر آنے پر بیوی اپنے آنسوؤں کا سہارہ لے کر شوہر کو شکایت لگاتی ہے کہ آج تو اس کی بہت بے عزتی ہوئی ہے۔ اس طرح سے ساس اور نندوں کی طرف سے بھی بیوی کے خلاف شکایت ہو سکتی ہے۔ یہ وقت شوہر کے لیے ایک کڑی آزمائش کا وقت ہو گا۔ اب اس کو ایک جج کے فرائض انجام دینے ہیں اور دونوں پارٹیوں کے حالات اور واقعات سن کر صحیح فیصلہ کرنا ہو گا قصور کسی کا بھی ہو اور اگر

سوئم کی رات

پاپا کی مجھ سے پہلی ملاقات تو یقیناً میری پیدائش کے بعد ہوئی جب انہوں نے مجھے دیکھا ہو گا اور پاپا سے میری شعوری ملاقات کب ہوئی یاد نہیں۔ لیکن جب سے ہوش سنبھالا انکی شفقت میرے ساتھ ساتھ تھی۔ مگر میرا اور انکا پہلا معرکہ اس وقت ہوا جب میں نے گھٹنے چلنا شروع کیا۔ اس وقت وہ FCPS-II کی تیاری کر رہے تھے۔ اور میں (یہ بات مجھے یاد نہیں مگر مجھے بتائی گئی) گھسٹتا ہوا ان تک پہنچ جاتا تھا۔ اُن کی (Harrison) کتاب پر منہ سے بلبلے بناتے ہوئے چُھر کر دیتا تھا۔ وہ مجھے اُٹھا کر پھر دور بٹھا دیتے اور میں یہ کاروائی دُہراتا (اور آخری ملاقات لحد میں اُتارتے وقت ہوئی)۔ پھر وہ وقت آیا جب وہ مجھے پہلی دفعہ اسکول داخل کرانے گئے۔ (آخر میں نے بھی پڑھ لکھ کر کچھ بننا تھا) یہ School Piggott تھا۔ اس زمانے میں پرائمری میں لڑکوں کی بھی کلاس ہوتی تھیں (بعد میں میری بیٹیوں شائستہ اور شگفتہ نے اس اسکول میں پڑھا) مگر میں داخل نہ ہوا۔ مشہوری یہ ہے کہ میں نے پہلے ہی دن ماسٹر صاحب کے وہ پکوڑے کھا لیے تھے جو انہوں نے بڑی چاہ سے منگوائے تھے (اپنے لیے) اور جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو میں پلیٹ میں رہ جانے والا آخری پکوڑا کھا رہا تھا۔

تو صاحبان پاپا پھر مجھے شاہ عبد الطیف اسکول میں لے گئے۔ انھیں میرے آنے کی بہت خوشی ہوئی اس کا پتا مجھے اس بات سے ہوا کہ انہوں نے مجھے فوراً داخلہ دے دیا۔ پاپا ہمیں اسکول کے لیے تیار کرتے ہمارے یونیفارم استری کرتے اسکول چھوڑتے اور اسکول سے لیتے۔ شام کو خود ہمیں پڑھاتے۔ میری زندگی پر انکی شخصیت نے گہرے اثرات چھوڑے۔ میں نے ان سے سب سے زیادہ سیکھا اور بفضل تعالیٰ توقعات پر پورا بھی اُترا۔ وہ بہت محنتی اور جفاکش تھے۔ ہر وقت کام کرتے رہتے تھے۔ انکا بچپن بہت مشقت میں گزرا۔ وہ ہمیں اپنے بچپن اور جوانی کی جدوجہد کی تمام باتیں بتاتے تھے۔

میرے خیال میں انھیں سب سے زیادہ میں جانتا ہوں۔ وہ انتہائی محبت کرنے والے شخص تھے (مگر افسوس کچھ لوگوں نے انکی محبت کی قدر نہ کی)۔

انھیں بہت سارے ہنر آتے تھے۔ بجلی کا کام، درزی کا کام، بڑھئی کا کام، مستری کا کام، اور تو اور باریک بان سے چارپائی بھی بُنتے تھے۔ میں نے انھیں دیکھا۔ انھوں نے گھر بنانے میں شدید جدوجہد کی۔ میں ان کی جدوجہد کو سلام کرتا ہوں۔ وہ ایک بہترین باپ اور ایک نہایت وفادار شوہر تھے۔ تمام مواقع ہونے کے باوجود صراط مستقیم پر قائم رہے۔ اور ایک انتہائی قابل فزیشن تھے۔ زندگی کا ایک ایک قدم مجھے انکی یاد دلاتا رہے گا۔ میں نے کیا کچھ اُن سے نہیں سیکھا۔ ہمارے آپس میں ٹیلی پیتھی کے رابطے تھے۔ (یہ بات کوئی نہیں جانتا)۔ ہم بیک وقت ایک ہی بات ایک ہی طرح سے سوچتے تھے۔ اور مزاج کی انتہائی ہم آہنگی تھی۔ زندگی میں انہوں نے بہت سارے حادثات دیکھے۔ پہلا حادثہ پاکستان بننے سے پہلے ہندوستان میں پیش آیا۔ جب بچپن میں ایک درخت سے گر گئے تھے۔

اسکے بعد لیاقت میڈیکل کالج کے سوئمنگ پول میں حادثہ ہوا، ایک دفعہ ایک بس میں چڑھتے ہوئے۔ اس کے بعد ایک رات اپنی امریکن کواٹرز کی کلینک سے واپس ہوتے وقت شدید زخمی ہوئے۔ اس وقت میں تیسری یا چوتھی کلاس میں تھا۔ پھر جب میں میٹرک میں تھا تو موٹر سائیکل سے اُن کا ایکسیڈنٹ ہوا۔ اور ان کا Fibula کا فریکچر ہوا۔ جب میں MBBS 2nd Year میں تھا اس وقت ایک سنگین حادثے میں ان کی Humerus اور Ulna کا فریکچر ہوا جس میں پلیٹ لگی اور پھر 2007 میں Femur فریکچر ہوا جس میں DHS ہوا۔ 2005 میں M.I کے بعد انکا CABG ہوا زندگی میں انھوں نے بہت دُکھ اُٹھائے۔ مگر کبھی ہمت نہیں ہاری۔ وہ بلند حوصلہ انسان تھے۔

لوگوں نے انھیں بہت دُکھ دیے۔ دُکھ دینے والوں میں اپنے اور غیر دونوں شامل تھے۔ مگر انھوں نے کسی سے شکوہ نہ کیا۔ وہ سراپا محبت تھے۔ انتہائی دین دار آدمی تھے۔ پوری زندگی نماز اور روزے کی پابندی کی۔ بیماری میں بھی کبھی روزے نہیں چھوڑے۔ اپنی ڈیوٹی حیران کن حد تک پابندی اور دیانت داری سے کرتے تھے۔ کاغذات کی فائلیں انتہائی ذمہ داری سے تیار کرتے اور ایک ایک کاغذ سنبھال کر رکھتے تھے اور ہمیں بھی سکھاتے تھے۔ کب ہمارے شناختی کارڈ، ڈومیسائل اور PRC بن گئے ہمیں نہیں معلوم۔ میں اپنا کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اُن سے مشورہ ضرور کرتا تھا۔ مگر اب وہ ذات جن کے سامنے مجھے اپنی کامیابی بتانا سب سے اچھا لگتا تھا۔ اتنی خاموشی سے ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ ہلال احمر کارڈک ہسپتال کے ایمرجنسی روم کے ایک بیڈ پر وہ ساکت لیٹے تھے میں ان کے پاس کھڑا پتھر بنا انھیں دیکھ رہا تھا۔ ان کے چہرے پر وہ اطمینان تھا جو منزل پر پہنچ جانے والوں کے چہروں پر ہوتا ہے۔ مجھے ان پر ایک دم بہت پیار آیا اور میں نے انکے چہرے پر بوسا دیا۔ اب ایک نئی زندگی سامنے کھڑی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ مجھے مضبوط بننا ہے۔ ابھی مزید دکھ سنبھالنے ہیں۔ آگے آنے والے کٹھن مراحل جو میرے لاشعور میں جانے کب سے کلبلا رہے تھے۔ میرے سامنے آکر کھڑے ہو گئے تھے۔

پروفیسر ڈاکٹر جاوید راجپوت

پیش نوشت

پروفیسر عقیل الرحمٰن راجپوت میڈیسن کے پروفیسر اور میرے والد۔ 1963 لیاقت میڈیکل میں کالج سے MBBS کیا۔ 1975 میں MCPS اور پھر 1976 میں میڈیسن میں کیا۔ لیاقت میڈیکل کالج۔ چانڈکا میڈیکل کالج اور نواب شاہ میڈیکل کالج میں میڈیسن پڑھانے کے فرائض انجام دیتے رہے۔ عمر کے آخری دس سال محمد میڈیکل کالج میں میڈیسن کے پروفیسر اور ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ کے فرائض انجام دیے۔

10 نومبر 2010 اذانِ فجر سے کچھ قبل وفات پا گئے۔ اس صبح بھی وہ فائنل ائیر کا لیکچر لینے کو تیار تھے۔ ان کا آخری لیکچر ان کی ٹیبل سے ملا۔ کلاس ان کے لیکچر کے انتظار میں بیٹھی تھی کہ ان کی وفات کی خبر پہنچی درج ذیل تحریر ان کے سوئم کی رات بے اختیاری طور پر مجھ سے لکھی گئی۔ اس کے بعد اس میں ایک لفظ کا بھی اضافہ نہ کر سکا۔

ڈاکٹر جاوید راجپوت۔

لسانیت اور قوم پرستی کے معاندانہ پہلوؤں کو ابھارا جارہا ہے۔ اور یہ سب جاگیر دارانہ نظام کا شاخسانہ ہے جسے یورپ نے پچھلی صدیوں میں جھیلا ہے اور ہم اب جھیل رہے ہیں اور نہ جانے کب تک جھیلیں گے۔

گذشتہ عہد گزرنے ہی میں نہیں آتا
یہ حادثہ بھی لکھو معجزوں کے خانے میں
جو رد ہوئے تھے جہاں میں کئی صدی پہلے
وہ لوگ ہم پہ مسلط ہیں اس زمانے میں

قابل مذمت ہیں وہ لوگ جو شعوری اور غیر شعوری طور پر رجعت پسند طاقتوں کے آلہ کار بن کر انسان کو عقل اور مادی حقیقتوں سے دور لے جاکر توہمات کے سمندر میں غرق کر دیتے ہیں۔ عقل، آزادی، جمہوری شعور، ترقی پسندی اور مادی حقیقتوں کا شعور اور اعتراف ہی وہ راستے ہیں جن پر چل کر انسان حقیقتوں کو پہچان سکتا ہے۔ وطن عزیز میں جاگیر دارانہ نظام کے معاشرتی اور سیاسی اقتدار کو ختم کیے بغیر تبدیلی نہیں آسکتی کیونکہ سارے ریاستی ادارے اقتصادی نظام کے تابع بھی ہوتے ہیں اور ان کے محافظ بھی۔ پاکستان کے محب وطن تعلیم یافتہ اور باشعور افراد (جو قلیل تعداد میں ہیں) کو چاہیے کہ وہ ذاتی عقائد اور لسانیت کے فرق کو وجہ محاربت نہ بنائیں اور دوسروں کے عقائد، نظریات اور ثقافتوں کا احترام کریں۔ ان کے عقیدوں میں آزادی کے حق کو تسلیم کریں۔ اختلاف رائے کو خوش دلی سے تسلیم کریں۔ حقیقی جمہوریت کے لیے جدوجہد کریں جس میں طاقت کا سرچشمہ واقعی عوام ہوں اور گاؤں، قصبوں اور ضلعوں کی حد تک لوگ اپنے نمائندے چنیں - جو عوام کے مفاد کو مد نظر رکھ کر قوانین بنائیں۔ جہاں ذرائع پیداوار اور بڑی ذاتی ملکیتوں پر عوامی مفاد کو سامنے رکھ کر قوانین بنائے جائیں تاکہ مسابقت اور محنت کی روح بھی برقرار رہے اور حد سے زیادہ سرمائے کا ارتکاز بھی ممکن نہ ہو۔ افسوس کہ ہم محض انتخابات کے انعقاد ہی کو کُل جمہوریت سمجھتے ہیں۔ اور وہ بھی محض قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کے لیے۔ بلدیاتی اور یونین کونسلز کے انتخابات نظر انداز کیے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انتخابات جمہوریت کا صرف ایک جزو ہیں۔ ان انتخابات میں بھی ملک کے مسائل کا سائنسی تاریخی تجزیہ کر کے اپنے منشور میں ان کا حل پیش کرنے کے بجائے شخصیت پرستی، لسانیت، برادری، فرقہ پرستی، توہمات اور بے ایمانیوں سے ووٹ لیے جاتے ہیں۔ ملکی وغیر ملکی قوتیں اپنے مفاد کے تحت مخصوص شخصیات اور جماعتوں کو آگے بڑھاتی ہیں۔ ملکی ادارے بھی بے حد کمزور ہو چکے ہیں اور مفاد پرستوں کے زیر اثر ہیں۔ عدالتوں میں انصاف نہیں مل پاتا۔ معصوم بچیوں اور عورتوں پر مظالم نے ساری حدود پار کر لی ہیں۔ نصاب میں ٹھوس سائنسی حقائق کے بجائے توہمات، عدم قتل اور تنگ نظری کو فروغ دیا جاتا ہے۔

ماضی کے اچھے لوگوں نے ماضی کے چیلنجز کا مقابلہ کیا تھا۔ آج کے اچھے لوگوں کو اکیسویں صدی کے علاقائی اور بین الاقوامی چیلنجز کا سامنا ہے جس کا مقابلہ تاریخی، اقتصادی، معاشرتی اور مادی حقائق کو سامنے رکھ کر ہی کیا جاسکتا ہے۔

References:

1. Issac Newton. Mathematical Principal of Natural Philosophy 1687.
2. Charies Darwin. On the Origin of Species 1859.
3. Lewis Morgan. Ancient Society 1877.
4. Frederick Engels. Origin of Family, Private Property and the State- 1884.
5. Michio Kuku: Physics of the Future - 2011.
6. Sharif Razi : Nehjul Blagha - Semons and Sayings of Hazrat Ali. (A.S).
7. St. Luke: Gospel of Luke.
8. Milton Friedman: Capitalism and Freedom - 1962.
9. John Mackay : Corscious Capitalism - 2013.
10. Sheri Berman : The Privacy of Politics : Social Democracy and the Making of the Europe.
11. Kari Max : Marifesto of the Communist Party - 1847

طالب خدا

انسان کو جس چیز میں کمال ہوتا ہے اس پر مرتا ہے۔ چنانچہ ھنتر دید کو سانپ پکڑنے میں کمال تھا، اس کو سانپ نے کاٹا وہ مر گیا۔ ارسطوسل کی بیماری میں مرا، افلاطون فالج میں، لقمان سرسام میں اور جالینوس دستوں کے مرض میں حالانکہ یہ بیماریوں کے علاج میں کمال رکھتے تھے۔ اس طرح جس کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کے خیال میں جان دیتا ہے۔ قارون مال کی محبت میں مرا، مجنون لیلی کی محبت میں، اسی طرح طالبِ خدا کو خدا کی طلبی کی بیماری ہے وہ اسی میں فنا ہو جاتا ہے۔

عزیز میں بھی جو فقہی اور لسانی عصبیتوں کو مصنوعی طور پر زر خرید افراد کے ذریعے فروغ دیا جاتا ہے اس کی بنیادی وجہ بھی استحصالی گروہ بندی پر پردہ ڈالنا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی بقاء آلات پیداوار میں مسلسل بہتری لانے اور نئی منڈیوں کو تلاش کرنے میں ہے۔ ان کوششوں سے سامراجی نظام وجود میں آیا جس کا مقصد آزاد مملکتوں کی ملکیتوں پر قبضہ کرنے اور ان پر زبردستی غیر ہموار اور نامنصفانہ شرائط کاروبار مسلط کرنا ہے۔ سامراجیت چونکہ سرمایہ دارانہ نظام کی آگے کی شکل ہے لہذا اسے سرمایہ داری کے پکے ہوئے پھل کے بجائے گلا سڑا پھل قرار دیا گیا ہے۔ بدقسمتی سے تیسری دنیا، بالخصوص مسلمان ملکوں میں تاحال مروج جاگیر دارانہ نظام سامراجی ملکوں کا آسان شکار ثابت ہوتا ہے جہاں بھی تیل کی پیداوار پر قبضے کیے جاتے ہیں اور کبھی ان کو حقیقی اور غیر حقیقی خطروں سے ڈرا کر ان کو منہ مانگی قیمت پر اسلحہ اور دیگر اشیاء فروخت کی جاتی ہیں۔ غیر مقبول اور کمزور بادشاہتیں ان سامراجی طاقتوں کے آگے آسانی سے گھٹنے ٹیک دیتی ہیں اور اپنے ملک کا کثیر سرمایہ جو در حقیقت عوام کی ملکیت ہوتا ہے، سامراجی ممالک کے سامنے پیش کر دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حقوق انسانی اور جمہوریت کے دعوے دار یہ سامراجی ممالک مسلمان ملکوں میں بادشاہتوں اور آمریتوں کو مضبوط بناتے ہیں اور انہیں فروغ دیتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ کٹھ پتلی بادشاہوں کو خود مختیار مسلمان حکومتوں سے لڑاتے اور ڈراتے ہیں اور اپنا اسلحہ فروخت کرتے رہتے ہیں۔

ذاتی ملکیت میں مستقل اور لامحدود لالچ کے بارے میں مارگن لکھتا ہے۔ "تہذیب (Civilisation) کے آنے کے بعد سے ملکیت کو اتنا زبردست فروغ حاصل ہوا ہے، اس نے اتنی بھانت بھانت کی شکل اختیار کی ہیں۔ اس کے استعمال میں اتنا اضافہ ہوا ہے اور اس کے مالکوں کے حق میں اس کا انتظام اتنی عقلمندی سے کیا گیا ہے کہ لوگوں کے لیے یہ ایک ایسی طاقت بن گئی ہے۔ جس کو قابو میں رکھنا ناممکن ہے۔ انسانی ذہن خود ہی اپنی تخلیق کے سامنے حیرت زدہ کھڑا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایسا وقت ضرور آئے گا جب انسان کی عقل ملکیت پر قابو پائے گی اور اسے اپنے بس میں لانے میں کامیاب ہوگی اور جس ملکیت کی ریاست حفاظت کرتی ہے، اس کے ساتھ اس کے تعلق کو متعین اور مالکوں کے فرائض اور ان کے حقوق کی حد وجہد کو واضع کر دے گی۔ سماج کے مفاد فرد کے مفاد سے بالاتر ہیں اور دونوں میں صحیح تعلق اور ہم آہنگی قائم کرنی چاہیے"۔

جو رعنائی نگاہوں کے لیے سامان جلوہ ہے
لباسِ مفلسی میں کتنی بے قیمت نظر آتی
یہاں تو جاذبیت بھی ہے دولت ہی کی پروردہ
یہ لڑکی فاقہ کش ہوتی تو بدصورت نظر آتی

موجودہ دور میں دنیا پر امریکی سرمایہ دارانہ اور سامراجی نظام کا تسلط ہے جس کا مرکزی نقطہ نوبیل انعام یافتہ ماہر معاشیات ملٹن فرائیڈمین کا نظریہ ہے کہ کاروبار کا اصل مقصد مالکان کے لیے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنا ہے اور حکومت کا کام عوام کی فلاح و بہبود کے بجائے Corporate World کے لیے باقی ماندہ دنیا میں نرم شرطوں پر منڈیاں تلاش کرنا ہے (8)۔ مذکورہ بالا بحث سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ ایسے خود غرضانہ نظریے کی ضمیر انسانی میں زیادہ عرصے تک بقا ممکن نہیں اگرچہ کافی عرصہ سے یہی نظریہ سرمایہ دارانہ دنیا میں چھایا ہوا ہے۔ چنانچہ جان میک کے (John Mackay) نے اس کے مقابلے میں باضمیر سرمایہ داری (Conscious Captialism) کا نظریہ پیش کیا جس میں کاروبار میں سارے حصہ داروں (Stake holder) بالخصوص شیئر ہولڈرز، صارفین اور ملازمین کے مفاد کا خیال رکھنا ہے (9)۔ لیکن اس نظریے میں بھی ساری طاقت مالکان (بورژوازی) کے پاس ہے جن سے امید کی جاتی ہے کہ وہ دیگر حصہ داروں کا خیال رکھیں گے۔

تیسرا ممکنہ نظام سوشل ڈیموکریسی کا ہے جس میں ذرائع پیداوار کی ملکیت کی مشروط اجازت دی جاتی ہے اور بورژوا طبقے پر سخت شرائط اور ٹیکسز عائد کیے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ اسے حتمی نظام مانتے ہیں اور کچھ سوشلزم کی جانب ایک عارضی قدم (10)

چوتھا ممکنہ نظام سوشلزم کا ہے جس میں ذرائع پیداوار ذاتی نہیں بلکہ حکومت کی ملکیت ہوتے ہیں اور پرولتاریہ کی آمریت ہوتی ہے۔ یہ نظام جب پیداوار کے کثیر ذخائر پیدا کرے گا تو کمیونزم آجائے گا۔ جس میں ہر شخص اپنی بساط پر محنت کر کے ضرورت کے مطابق اُجرت حاصل کر سکتا ہے (11)۔

واضع رہے کہ تمام ادوار کے مختلف نظاموں مثلاً قبائلی، جاگیر داری سرمایہ داری اور سامراجی نظام تاریخ میں خود بخود بغیر کسی شعوری کوشش کے وجود میں آئے جب سوشلزم شعوری کوششوں سے بالخصوص سوویت یونین اور چین میں لایا گیا۔ جب تاریخی اصولوں کو دریافت کر کے یہ جان لیا کہ فطرت میں "زندگی میں اور انسانی سماج میں تبدیلیاں کن اصولوں اور طریقوں سے آتی ہیں۔ تو یہاں پر انسان نے پہلی بار اقتصادی نظام میں دخل اندازی کی ایک کوشش کی کہ ان تمام معلومات کو استعمال کر کے اندازہ لگایا جائے کہ اگلے دور میں انسانی معاشیات اور سیاسیات کیا رخ اختیار کریں گی اور ان میں کوشش کر کے انہیں محروم طبقوں کے لیے کیسے مفید بنایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ کارل مارکس اور فریڈرک اینجلز نے سوشلزم (جس میں ذرائع پیداوار کو ذاتی ملکیت میں نہیں لیا جاسکتا) اور کمیونزم (جو سوشلسٹ نظام کی انتہا ہے اور جس میں ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق کام کرتا ہے اور اسے اپنی ضرورت کے مطابق ملتا ہے ذاتی ملکیت وجود میں آنے کے بعد کمیونزم سے ملتا جلتا بھی کوئی نظام رائج نہیں ہو سکا ہے)۔ پر کام شروع کر دیا، ۱۹۱۷ء میں سوویت یونین میں پہلی بار سوشلسٹ انقلاب آیا اور 1948 میں چین میں سوشلسٹ انقلاب آیا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان دونوں کی نوعیت بدل گئی اور چین میں ماؤزے تنگ اور چو این لائی کے بعد ڈینگ زیاؤپنگ نے تبدیلیاں لا کر اسے چینی سوشلزم کا نام دیا۔ اور سوویت یونین کا نظام حکومت عالمی سامراجی سازشوں اور اندرونی تضادات کی بنیاد پر ۱۹۸۸ء میں ختم ہو گیا۔ برطانیہ کے صنعتی انقلاب (۱۸۰۰-۱۷۸۰)، فرانس کے سیاسی انقلاب ۱۷۹۹-۱۷۸۹) اور جرمنی کے فلسفیانہ انقلاب (۱۹۱۸-۱۸۳۱) نے وہاں کے عوام کے حالات اور طرز زندگی میں انقلاب برپا کیا۔ افسوس کہ وطن عزیز میں ہم ابھی تک فرسودہ جاگیر دارانہ، اقتصادی نظام میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ریاست کے تمام ادارے اس نظام کو قائم رکھنے کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ آئین پاکستان، جو ٹیکس چوروں بجلی و دیگر ٹیلیفون بلز کے نادہندگان اور بینک قرضوں کو نہ لوٹانے والوں کو الیکشن لڑنے سے روکتا ہے، اسے پیہم نظر انداز کیا جاتا ہے۔ میڈیا اور بعض بے ضمیر مذہبی رہنما روشن خیالی اور حقیقت پسندی کی جگہ توہمات اور بے بنیاد خیالات کے فروغ میں مصروف ہیں۔ بنیادوں کو نظر انداز کر کے جزویات پر وقت ضائع کیا جارہا ہے۔ فرقہ پرستی

طبقہ پیداوار اور اسکے منافع کے بڑے حصے کو اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔ اس تاجر طبقے نے ذرائع پیداوار کو آپس میں تبدیل کرنے کی جگہ ایک نئی چیز شروع کی اور وہ تھی دھات کی شکل میں زر۔ دوسری جانب اس نے مفت کام لینے کی خاطر انسانوں کو غلام بنانے اور غلاموں کی خرید و فروخت کرنا شروع کیا۔ تیسری جانب اس نے زمین کی بھی خرید و فروخت شروع کی۔ چوتھی جانب اس نے قریب اور دور کے علاقوں میں نئی مارکیٹیں تلاش اور دریافت کرنا شروع کیں۔ دولت کا اجتماع اور ارتکاز کے ساتھ عام آدمی کی غریبی بڑھتی گئی۔ جینز (Gens) اور برادریوں کی اہمیت کم ہوتی گئی اور جغرافیائی ریاستوں اور ریاستی اداروں کی اہمیت بڑھتی گئی۔ ذرائع پیداوار کی تبدیلی نے انسانی سوچ، رہن سہن یہاں تک اخلاقی معیار پر بھی اثرات مرتب کیے۔ ریاست، غلامی، پولیس، فوج، ریاستی ادارے، قوانین، طبقاتی نظام یہاں تک کہ اخلاقی معیار بھی ذاتی ملکیت اور بالخصوص ذرائع پیداوار کی ذاتی ملکیت سے وجود میں آئے ہیں۔ حکمرانی اسی طبقے کی ہوتی ہے جس کے قبضے میں ذرائع پیداوار ہوتے ہیں اور قوانین اسی طبقے کے مفادات کے دفاع کے لیے بنتے ہیں۔

دورِ تمدن کے درمیانی حصے میں بڑی بڑی جاگیریں راجاؤں اور نوابوں نے ہتھیالیں ان جاگیرداروں سے feudelism وجود میں آیا۔ جاگیرداری نظام کے تین بنیادی ستون تھے یعنی ملوکیت نوابیت اور کلیسائیت۔ ان جاگیروں کی حفاظت کے لیے پولیس اور فوج کو ناکافی سمجھتے ہوئے مذہبی پادریوں کو بھی ملایا گیا۔ بکاؤ پادریوں نے خالق کی طرف ایسی باتیں منسوب کیں جن سے لگتا تھا کہ جاگیریں براہ راست خدا کی جانب سے ہیں۔ امیری اور غریبی قسمت کا کھیل ہے۔ ایک غریب کے لیے امیر بننے کی خواہش رکھنا اس کے گناہ گار ہونے کی دلیل بنتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مذہب میں جزویات، توہمات اور فرقہ پرستی کو جتنا فروغ جاگیرداروں نے دیا اتنا کسی نے نہیں دیا۔

امیر شہر غریبوں کو لوٹ لیتا ہے
کبھی بہ حیلہء مذہب، کبھی بنام وطن

دورِ تمدن کے بالائی حصے میں مشینوں نے صنعتی انقلاب برپا کر دیا۔ جن کے نتیجے میں جاگیردارانہ نظام کو شکست دے کر سرمایہ دارانہ نظام آیا اور مغربی یورپ، امریکہ، جاپان اور مشرق بعید کے دیگر ممالک میں چھا گیا۔ مشینوں کی دریافت کے ساتھ ہی صنعتی شہروں میں کارکنان کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ ضرورت ہوئی کہ جن توہمات نے کسان کو زمیندار کے پاؤں سے باندھ رکھا تھا انہیں توڑ دیا جائے۔ جاگیرداروں کے نیچرل حلیف یعنی پادری کی طاقت کم کی جائے۔ ان ضروریات نے enlightment کے فقید المثال نظریے کو جنم دیا اور یورپ کے دانشوروں نے یہ مانا اور منوایا کہ اب سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے کے بجائے انہیں پرکھیں گے اور جو صحیح ثابت ہوں گی انہیں تسلیم کریں گے اور جو غلط ثابت ہوں گی انہیں رد کر دیں گے۔ دوسری جانب کارکنوں کو آزادی دی گئی اور غلامی کے ادارے کو ختم کیا گیا۔ یہ ایک ایسا تاریخی قدم تھا جو پہلے ممکن نہ تھا کیونکہ پہلے رائج اقتصادی نظام (جاگیرداری) کی ضرورت غلام تھے۔ لیکن سرمایہ داری کی ضرورت غلاموں کو آزاد کر کے انہیں پرولتاری بنانا تھا۔ سرمایہ دارانہ نظام کا محنت کش (پرولتاری) جاگیردارانہ نظام کے محنت کش (کسان) کے مقابلے میں کچھ آزاد اور خوشحال تھا۔

اس کے پاس تھوڑی ذاتی ملکیت اور محدود آزادی تھی۔ کارکنوں کی کمی پورا کرنے کے لیے خواتین کو گھروں کے کاموں سے نکال کر انڈسٹری میں کام کرنے کی ترغیب دی گئی ۱۸۵۰ء میں امریکہ میں تین میں سے دو محنت کش کھیتوں میں کام کرتے تھے۔ آج چالیس میں سے صرف ایک محنت کش کھیتوں میں کام کرتا ہے۔ تعلیم سائنس ٹیکنالوجی اور قوانین کو فروغ دیا گیا۔ بورژوا طبقے نے مکمل طور پر دنیا کی باگ دوڑ سنبھال لی۔ ہوائی اور بحری جہازوں، ٹرین، بسوں اور ٹرکوں نے دور دراز کے علاقوں کو قریب کر کے کامرس اور ٹریڈنگ کے لیے دنیا کو ایک یونٹ بنا دیا۔ پیداوار اور پیداوری طاقتوں میں اتنی تیزی پیدا کی کہ سماجی تعلقات میں مسلسل تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ بورژوا طبقے نے دیہاتوں کو شہروں کا دست نگر بنایا۔ جہالت، روایت پسندی، توہمات، مذہب میں جزویات اور فرقہ پرستی کے قدیم بتوں کو توڑ کر عالمی معاشرت اور سائنسی ترقی کی وہ بنیاد رکھی جس کا عشر عشیر بھی ماضی کے نظام نہیں دے سکے تھے۔ آج سائنسی معلومات ہر پانچ سال میں دگنی ہو جاتی ہیں۔ یعنی ابتدائے آفرینش سے آج تک انسان نے جتنا علم حاصل کیا ہے، ۲۰۱۹ء تک اتنا ہی علم اور حاصل کر لے گا۔ ٹیکنالوجی میں یہ رفتار اور بھی تیز ہے۔ ہر اٹھارہ مہینے میں کمپیوٹر کی پراسسنگ کی رفتار دگنی ہو جاتی ہے۔(5)

لیکن سرمایہ دارانہ نظام، جاگیردارانہ نظام کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ نظام ہونے کے باوجود جاگیردارانہ نظام کی طرح طبقاتی نظام ہوتا ہے۔ اس میں بورژوازی (ذرائع پیداوار کے مالک جو کارکن کی قوت محنت کو خریدتے ہیں اور قدر زائد پر مکمل حق جما لیتے ہیں) پرولتاری (محنت کی طاقت بیچنے والے کارکن) پر آمریت اور حاکمیت مسلط کرتے ہیں۔ ہر اقتصادی نظام کی طرح سرمایہ دارانہ نظام کا بھی ایک اپنا پوشیدہ آئین ہوتا ہے۔ جس طرح رحمدل جاگیردار اپنے مزارعوں سے نرمی برتنے کے باوجود اپنی زمینیں ان میں نہیں بانٹ سکتا اور ایک سود خور قرض خواہ اپنا قرض معاف نہیں کر سکتا، اسی طرح ایک بورژوا اپنی ملکیت میں لی ہوئی ذرائع پیداوار (کارخانے) اور اس سے حاصل ہونے والے قدر زائد پر کارکنان (پرولتاریہ) کے حق کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ دراصل کثیر سرمایہ کسی شخص کی ذاتی محنت سے جمع نہیں ہو سکتا بلکہ دوسروں کی محنت کے استحصال سے ہی جمع ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت علی کا قول ہے کہ جہاں کہیں سرمائے کا ارتکاز دیکھو، سمجھ لو کہ کسی کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے(6)۔ اور لوقا باب ۱۸ میں درج ہے کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزر جانا اس سے آسان ہے کہ کثیر دولت رکھنے والا خدا کی بادشاہت میں داخل ہو"(7)۔ اور یہ کہ "تم خدا اور دولت دونوں کی اکٹھے خدمت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان اور چین میں تجارتی استحصال کی ساری حدیں پار کر لیں۔ یہاں تک کہ لارڈ رابرٹ کلائیو (جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان پر قبضے کا ذمہ دار تھا اور جسے متعصب مغربی تاریخ دانوں نے فاتح ہند لکھا ہے) اور وارن ہیسٹنگز (ہندوستان کا پہلا گورنر جنرل ۱۷۷۳-۱۷۸۵) دونوں پر برطانوی پارلیمنٹ کو مقدمے چلانے پڑے۔ انگریز سوداگروں نے لاکھوں افریقی غلام امریکہ کے بازاروں میں فروخت کیے۔ اسپین، پرتگال اور ہالینڈ کی تجارتی کمپنیوں نے اپنے مقبوضات کو لوٹ کر سرمایہ اکٹھا کیا۔ امریکہ سفید فام آبادکاروں نے اصلی امریکی باشندوں کا جانوروں کی طرح شکار کیا اور ان کی زمینوں، چاندی، غلے اور لوہے کی کانوں پر زبردستی قبضہ کیا۔ اور انگریز تاجروں نے خریدے ہوئے سیاہ فام غلاموں سے بلا معاوضہ کام لیا۔

دوسروں کی محنت پر زندہ رہنا اور مزے کرنا صرف سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ نہیں بلکہ طبقاتی نظام کا خاصہ ہے جو ذاتی ملکیت سے جنم لیتا ہے۔ یہ استحصال پچھلے سماجوں میں بھی موجود تھا۔ البتہ اس کی شکل مختلف اور کم ترقی یافتہ تھی۔ مثلاً غلاموں کا استحصال کسانوں کے استحصال سے مختلف تھا۔ اسی طرح کسانوں کا استحصال مزدوروں کے استحصال سے مختلف ہے۔ مگر ہیں یہ سب استحصال ہی کی قسمیں۔ استحصال کرنے والے اور استحصال سہنے والے کے درمیان یہی وہ اصل اور بنیادی تفرقہ ہے جسے چھپانے کے لیے دیگر اختلافات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ وطن

کے تاریخ کو تین ادوار میں تقسیم کیا اور ہر دور کے تین حصے کیے۔ ان ادوار کو مارگن نے دورِ وحشت، دورِ بربریت اور دورِ تہذیب (دورِ تمدن) کا نام دیا۔ ان ادوار کو اس نے نچلے درمیانے اور اوپر کے حصوں میں تقسیم کیا۔ اس طرح نو ادوار بنے کہا جاتا ہے کہ جب (Hominid) تقریباً چالیس-سے ساٹھ لاکھ سال پہلے پچھلے پاؤں پر کھڑا ہوا تو اس کی ترقی کا اہم ترین قدم طے ہوا کیونکہ ہاتھ محنت اور فنکاری کے لیے آزاد ہو گئے۔ اس محنت اور فنکاری نے ایک طرف دماغ کی نشوونما تیز کی تو دوسری جانب ہاتھوں کو اور جلا بخشی۔ اینجلز نے کیا خوب لکھا ہے کہ ہاتھ محنت کا اوزار ہی نہیں، محنت کی پیداوار بھی ہیں " (4)۔ ہاتھوں کے استعمال کے ساتھ دماغ کے حجم، نیورونز کی تعداد اور ان کے درمیان کنکشنز میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا۔

دورِ وحشت ۲۰ سے ۳۰ لاکھ سال پہلے شروع ہوا اور تقریباً پینتالیس ہزار سال پہلے ختم ہوا۔ دورِ وحشت کے نچلے دور میں انسان درختوں پر رہتا اور پھل کھاتا تھا۔ اس نچلے دور کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ انسان نے بولنا سیکھا۔ اس دور کے انسان کا کوئی ریکارڈ دنیا کے کسی حصہ میں نہیں پایا گیا۔ دورِ وحشت کے درمیانے دور میں انسان نے آگ دریافت کی اور مچھلی پکا کر کھانا سیکھا اور تنیجتاً دریاؤں اور سمندر کے کنارے بس کر دنیا کے بڑے حصے میں پھیل گیا۔ یہ دورِ قدیم حجری یا Paleolithic دور تھا جس کا ثبوت دریاؤں اور سمندر کے کنارے ملنے والے کند پتھر کے اوزار ہیں۔ آسٹریلوی ایبورجینز اور پولی نیشنز جب دریافت ہوئے تو ان کی افزائش اور ترقی اسی دور میں رکی ہوئی تھی۔ دورِ وحشت کے بالائی حصے کا آغاز تیر اور کمان کی ایجاد سے ہوا۔ انسان نے گاؤں میں رہنا شروع کیا، لکڑی کی کشتیاں بنائیں، پتھر کے ہتھیاروں کو دھار دینا شروع کیا (اسی لیے اسے نیا حجری یا Neolithic دور بھی کہتے ہیں) مکان بنانا بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ شمالی اور جنوبی امریکہ کے باسی، کولمبیا کی وادی کے قبائل اور ہڈسنز بے کے قبائل جب دریافت ہوئے تو اسی دور میں تھے۔

بربری عہد ۴۵ ہزار سال پہلے شروع ہوا اور ۴۰ ہزار سال تک جاری رہا۔ اس کا نچلا دور ۲۰ ہزار، درمیانی دور ۵ ہزار اور بالائی دور ۵ ہزار سال رہا۔ بربری عہد کا آغاز برتن بنانے سے ہوا۔ اس کے نچلے عہد میں ابتدائی زراعت اور درمیانی دور میں انسان نے جانور سدھانا ان کے دودھ اور گوشت کا استعمال سیکھا۔ بربری عہد کے درمیانے دور میں پتھر اور اینٹ کے مکان بننے شروع ہوئے۔ اسی درمیانی دور میں ایشیائی علاقوں میں آریہ سامی اور تورانی قبیلوں نے فروغ پایا۔ بربری دور کے بالائی حصے میں انسان نے لکھنا سیکھا اور حروفِ ابجد دریافت کیے۔ اور زراعت کو مزید فروغ دیا۔ بربری عہد کے بالائی دور میں لوہے کی دریافت نے زراعت کے اوزاروں اور شکار کے ہتھیاروں کو بہتر بنایا۔ دنیا نے پہلی بار سمندری جہاز اور فصیلوں میں گھرے شہر دیکھے۔

دورِ بربریت میں لوگ قبیلوں میں رہتے تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے محتاط رہتا تھا اور جنگ کی صورت میں فاتح قبیلہ مفتوح قبیلے کا قلع قمع کر دیتا تھا۔ ایک شخص کو بھی زندہ نہیں چھوڑا جاتا تھا کیوں کہ زندہ غلام کسی کام کا نہ تھا۔ ہر انسان اتنا ہی پیدا کر سکتا تھا جس پر وہ اور اس کے لواحقین زندہ رہ سکیں۔ دورِ تمدن کے آغاز میں محنت کی تقسیم کے باعث کارآمد کارکنوں کی ضرورت پیدا ہوئی تو جنگوں میں شکست کھانے والوں کو قتل کرنے کے بجائے غلام بنایا جانے لگا۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ سرزمین حجاز میں مفتوح قبیلے کو مکمل ختم کرنے کی رسم ساتویں صدی عیسوی میں بھی موجود تھی کیونکہ جنگ بدر میں پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللھم تھلک بذہ العصابتہ الیوم لا تعبد فی الارض یعنی اگر یہ میدان جنگ کے مسلمان ہلاک ہو گئے تو روئے زمین پر تیری عبادت نہ ہو گی (طبری جلد ۲ صفحہ ۱۴۹)۔ گویا کفار کا ارادہ میدان جنگ کے مسلمانوں کو قتل کر کے مدینے میں موجود بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور بیمار مسلمانوں کو بھی قتل کرنے کا تھا۔ اس طرح جب فتح مکہ ہوئی تو سارے ساکنانِ مکہ خوفزدہ تھے کہ مسلمان ان کو تہ تیغ کر دیں گے۔ مگر پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے اس رسم کو ختم کرتے ہوئے سب کو معاف کر دیا۔ دورِ بربریت کے درمیان کی ابتداء تک ذاتی ملکیت اور ریاست نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ قبیلے جو کئی برادریوں یعنی Gens یا جینز (گنز) پر مشتمل تھے، موجود تھے۔ ان برادریوں میں رشتے ماؤں سے چلتے تھے۔ لیکن بربریت کے درمیانی دور میں زیادہ مویشیوں کی شکل میں انسان نے ذاتی ملکیت حاصل کی تو اس کو زیادہ جمع کرنے کی ہوس ہوئی اور آخر اس نے ذرائع پیداوار پر قبضہ کرنا شروع کیا مویشیوں کا تبادلہ بھی شروع ہوا۔ گویا مویشیوں سے زیادہ پیداوار کا کام لیا جانے لگا۔ بربریت کے آخری دور میں لوہے کی ایجاد نے جنگل صاف کر کے زراعت اور دستکاری اور ذاتی ملکیت اور تقسیم محنت کو مزید فروغ دیا۔ الگ الگ مال پیدا کرنے والوں میں تبادلہ اجناس بڑھتا گیا۔ شہروں اور دیہاتوں میں فرق پیدا ہوا۔ اس طرح تقسیم محنت کا بھی آغاز ہوا۔ امیر اور غریب طبقے کی بھی تقسیم ہوئی۔ اب ذاتی ملکیت کو بڑھانے کے لیے محنت کشوں کی ضرورت ہوئی تو غلاموں اور کارکنوں کی ضرورت بھی بڑھ گئی۔ مفتوح قبیلوں کے افراد کو قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ غلام بنالیا جاتا تھا۔ اور جب یہ غلام زیادہ ہو جاتے تو ان کو بیچ بھی دیا جاتا تھا۔ گویا غلام بنالینا بھی پچھلے دور کے سارے قبیلے کو قتل کرنے کے مقابلے میں ترقی کی جانب ایک قدم تھا۔ غلامی کا ادارہ اپنے تمام تر گھناونے پن کے باوجود مفتوح قبیلے کے کارآمد افراد کے لیے زندگی کی ضمانت تھی۔ گویا غلام پیداواری عمل میں اضافے کی وجہ سے وجود میں آئے بھی اور ان کی وجہ سے پیداواری عمل کو فروغ بھی ملا۔ غلامی کا یہ ادارہ اس وقت تک جاری رہا جب تک سرمایہ دارانہ نظام اس قابل نہیں ہو گیا کہ جاگیرداری کے لیے کام کرنے والے غلاموں کو پرولتاری کارکن بنانے کے لیے آزاد نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ڈیڑھ سو سال قبل یکم جنوری ۱۸۶۳ میں ابراہام لنکن نے غلامی کو غیر قانونی قرار دے کر اس کا خاتمہ کر دیا اور اپنے اس قدم کو انیسویں صدی کا سب سے اہم قدم قرار دیا۔ انسان کی نئی دریافت شدہ ذاتی دولت اور غلاموں کی ضرورت نے آبادیوں کو اور بھی غیر محفوظ بنا دیا اور نتیجتاً فصیلوں سے گھرے شہر وجود میں آ گئے۔ حفاظت کے لیے فوج کا ادارہ وجود میں آیا۔ گن نظام جو دورِ وحشت کے درمیانے عہد سے شروع ہوا تھا، اب کمزور پڑنا شروع ہوا۔ اس کی جگہ موجودہ شکل کے خاندان، ریاست اور ریاستی اداروں نے لینی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ دورِ بربریت کے خاتمے کے ساتھ گن کا نظام بھی ختم ہو گیا۔ اب تک عورتیں گھروں کے کام اور محدود باہر کے کام کرتی تھیں۔ مگر چونکہ املاک مشترکہ تھیں لہٰذا مرد کو ان پر بالادستی تھی بلکہ گن میں رشتے ناطے ماں سے چلتے تھے۔ ماموں زاد اور خالہ زاد رشتوں کی چاچا زاد اور پھوپھی زاد سے زیادہ اہمیت اور قربت تھی۔ محنت کی تقسیم اور ذاتی ملکیت سے براہ راست صرف مرد کو فائدہ ملا کیونکہ وہ محنت جو ذاتی ملکیت میں اضافہ کراتی تھی، مرد کے حصہ میں تھی۔ چنانچہ ملکیت بھی مرد کی قرار پائی اور عورت اس کے زیر دست آ گئی۔ گن کا نظام ختم ہونے سے خاندان کا نظام آ گیا اور بچے باپ کے نام سے پہچانے جانے لگے۔ نیز موروثیت بھی وجود میں آ گئی اور خصوصاً لڑکوں کا ورثہ لڑکیوں سے زیادہ قرار پایا۔ ذاتی ملکیت کے آغاز سے عورتوں کو جو معاشرے کے نچلے حصے میں دھکیلا گیا تو آج تک وہ اپنا مقام حاصل نہیں کر سکی ہیں۔

۵ ہزار سال پہلے دورِ تمدن کے آغاز میں ہی ریاست، بادشاہت، اسمبلی، خاندان، مرد کی بالادستی اور وراثت نے اپنے قدم جما لیے۔ اس کے ساتھ ہی ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا جو جاگیردار، کسان، گلہ بان اور دست کار کے برخلاف عمل پیداوار میں کوئی حصہ نہیں لیتا اور محض پیداوار کا تبادلہ کرتا ہے۔ یہ تاجروں کا طبقہ ہے۔ یہ

اطلاع دی۔ پھر بھائی جان نے ہمت کر کے قریبی رشتہ داروں کو فون کرنے شروع کیے۔ کس طرح یہ الفاظ اپنی زبان ادا کر پائے کہ امی کا انتقال ہو گیا ہے"۔ یہ منظر دیکھنے کی ہمت میرے اندر نہیں کہ یاسر کو کس طرح بتاتے ہیں۔ میں نے یاسر کا فون نمبر اپنے موبائل فون سے ملایا اور موبائل اس طرح بھائی جان کے ہاتھ میں جلدی سے منتقل کر دیا جیسے جلتا ہوا انگارہ ہو۔ اور گویا بھائی جان کے ہاتھ تو fire proof ہیں! میں سنتا ضرور رہا لیکن، نہیں کہہ سکتا کہ بھائی جان نے کیا الفاظ استعمال کیے اور یاسر نے کیسے سنا اور کیا کہا، بے چینی لیکن واضح تھی کہ اگلے ہی دن قمر نے Sponsorship letter تیار کروا کر یاسر کو کوریئر سے بھیج دیئے۔ یاسر اور عروج سنگاپور سے ویزہ لے کر امی کے چہلم میں شرکت کرنے انگلینڈ پہنچ گئے۔ اب تو امی کو اٹھا کر تابوت میں لٹا کر اسٹینمور کی مسجد و امام بارگاہ میں جا رہے ہیں۔ اب امی کو غسل کے کمرے میں لے گئے ہیں۔ وہاں کے مہربان لوگ غم زدہ فیملی کی تسلی کے لیے مسلسل آگے پیچھے موجود ہیں۔ خود اولاد اور ان کی اولاد ایک دوسرے سے تعزیت اور دلاسے دے رہی ہیں۔ بچوں میں فاطمہ، امی کی گریجویٹ ڈاکٹر پوتی، ہر بڑے اور چھوٹے کے آس پاس گھوم پھر کر دلاسہ دیتی رہی۔ غسل اور کفن کے بعد امی کو ایک ہال میں لے آئے۔ لوگوں کے جانے کے بعد بھائی جان اور بتول، قمر، رضوانہ، اسماء، میں اور ہمارے بچے ہیں۔ عون بھی ہے۔ بتول نے امی کے پسندیدہ ونوحوں سے چند کا انتخاب کر کے دل فگار آواز میں پڑھنا شروع کیا۔ دل ہے کہ پھٹا جاتا ہے۔ 17 فروری صبح کے آغاز میں بھائی جان، بتول اور عون کو امی کے پاس چھوڑ کر ہم واپس گھر آئے۔ بھیا کے دل چیر دینے والے SMS پڑھے "کیسے ہو؟ کیا کہیں، کیا بتائیں اور کیا پوچھیں کہ کیسے ہو! لیکن اب ہم سب ہی ایک دوسرے کی طاقت و ہمت ہیں۔ بھیا کا فون آ گیا۔ نہ جانے کتنی بار کس کس کو پہلے بھی آ چکا تھا۔ رات جب امی غنودگی میں تھیں، تب بھی آیا تھا۔ امی بات کریں۔ کل بھی فون کیا تھا آپ نے بات نہ کی "بھیا، امی نے ہم سے بھی بات نہیں کی۔ بھیا، امی اب کسی سے بھی بات نہیں کر رہیں۔ بھیا، امی کے کمرے میں قمر نے مستقل روشنی کی ہوئی ہے۔ مگر بھیا لائٹ جل تو رہی ہے، لیکن کمرے میں اس قدر اندھیرا کیوں ہے؟ اس قدر اندھیرا!" 9 بجتے ہی چلمسفورڈ کے مسلمان قبرستان لان "G" کے پلاٹ 18 کا انتظام ہو گیا۔ امی کو قمر کے گھر لایا گیا۔ وہاں نماز جنازہ قمر کے گھر کا لان لوگوں سے بھر گیا۔ پھر تابوت گاڑی میں امی کو قبرستان لے گئے۔ چلمسفورڈ کی 17 فروری کی سرد سہ پہر جب ہم نے امی کو ان کی آخری آرام گاہ میں اتارا کس طرح یہ ہمت کی معلوم نہیں۔ یاسر سے مستقل موبائل کے ذریعے خاموش رابطہ تمام وقت جاری رہا۔ اور جب لوگوں نے میری آنکھوں کے سامنے مٹی ڈالنی شروع کر دی۔ کس طرح انہیں یہ کرنے دوں اور کس طرح انہیں روکوں؟ زمین گھومتی محسوس ہوئی۔ نیو کاسل سے آئے ہوئے دوست علی اصغر نے بروقت بازو ڈال کر سہارا دیا۔ اس ناقابل فراموش سرد دوپہر میں بتول کی آواز ذہن میں ایک بار پھر گونجتی معلوم ہوئی۔

"گرم ریتی پہ میں گرتا ہوں سنبھالو اماں!"

سید ظفر عباس
شب آخر کی خود کلامی

انسانی تاریخ کے بدلتے ادوار

سید رضی محمد

اس بکھری ہوئی کائنات میں پھیلے ہوئے مواد، توانائی اور زندگی میں عمل پذیر واقعات اور ان کے پیچھے تعلق کو سنجیدگی سے کھوج نکالنے میں انسان نے بہت لاپرواہی برتی۔ یونان کے فلسفیوں کے rationalism کو چھوڑ کر زیادہ تر زور عقیدوں پر رہا اور دنیا میں انسان کی حیثیت زیادہ تر ایک مقلد ہی کی رہی۔ لاکھوں سالوں پر پھیلی ہوئی انسانی تاریخ میں مادہ اور توانائی کے درمیان فطرت کے طے کردہ اصول حیرت انگیز طور پر انسان کی نظر سے اوجھل ہے۔ یہاں تک کہ قرآن مجید میں غور و فکر کرنے کی تلقین بھی سوائے چند استثناء کے زیادہ تر نظر انداز ہی کی جاتی رہی۔ اگرچہ ہر دور میں سوچنے سمجھنے والوں کی ایک قلیل اقلیت موجود رہی مگر پچھلے چند سو سالوں میں مفکروں نے بہت اہم نتائج اخذ کیے۔ خصوصاً پچھلی تین چار صدیوں میں تین مفکرین نے غور و فکر کر کے کائنات کے بظاہر انتشار اور بے ترتیبی میں ایک نظام تلاش کیا اور فطرت کے قوانین کو دریافت کرنے اور ان کی مدد سے مزید پیش رفت کرنے کا آغاز کیا۔ فزکس میں اسحاق نیوٹن، حیاتیات میں چارلس ڈارون اور تاریخ میں لیوس مارگن نے اصولوں کو دریافت کیا اور فہم انسانی میں انقلاب برپا کر دیا۔ ان تینوں نے پہلے اپنے اپنے میدانوں میں جتنی معلومات فراہم ہو سکیں کر لیں، پھر ان کا معروضی مطالعہ کیا پھر ان کے نتائج مرتب کیے اور آخر میں مشترکہ اور ہر بار ابھر کر آنے والے نتائج کو اصولوں کی شکل دے دی۔

پہلے اسحاق نیوٹن نے ۱۶۸۷ء میں اپنی کتاب طبعی فلسفے کے ریاضی اصول یا "Principles of Natural Philosophy" "Mathematical" شائع کی (1)۔ اس کتاب میں نیوٹن نے طبعیات کا پہلا اصول کششِ ثقل کی صورت میں اور پھر تین قوانین حرکت دریافت کر کے یہ ثابت کیا کہ اگر کائنات پر غور کیا جائے تو اس میں پھیلی ہوئی بے ترتیبی اور بے نظمی میں ایک ترتیب اور نظم و ضبط نظر آنے لگتا ہے۔ دو سو سال سے کم عرصے میں ۱۸۵۹ء میں انگریز سائنس دان چارلس ڈارون نے "On the Origin of Species" لکھی (2)۔ اور جانوروں اور پودوں کی حیثیت اور بناوٹ میں ایک ارتقائی کیفیت دریافت کر لی اور یہ ثابت کیا کہ مکمل پیدائش اور تبدیلی حیات میں بھی ترتیب اور ارتقائی نظم وضبط کا عنصر شامل ہے۔ لگ بھگ اسی زمانے میں امریکی تاریخ دان لیوس مارگن (Lewis Morgan) نے تاریخ کی بظاہر بے ترتیبی اور تبدیلی پر غور کرنا شروع کیا۔ اس کی سوچ کو بعد میں مارکس اور اینجلز نے آگے بڑھایا، لیوس مارگن نے تاریخ کے بغور مطالعہ اور تجزیے سے نتیجہ نکالا کہ تاریخ مستقل متحرک اور آگے کی طرف بڑھنے والی چیز ہے جو ایک دور سے دوسرے دور تک جانے میں ایک مخصوص وقت لگاتی ہے۔ معاشرے کے اندر موجود تضادات (جدلیت) معاشرے کو آگے کی طرف لے جاتے ہیں اور ان تضادات کا تعلق اس دور کے ذرائع پیداوار سے ہوتا ہے۔ ہر دور اپنے اقتصادی نظام کے مطابق ہی اپنے سیاسی اور معاشرتی نظام کی تشکیل کرتا ہے۔ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، ہیرو یا بہادر افراد نئے معاشرے اور نظام کو جنم نہیں دیتے بلکہ معاشرے کے بڑھتے ہوئے تضادات اور ضروریات کے نتیجے میں ایسے افراد پیدا ہوتے ہیں جو تبدیلی میں اپنے حصے کا کام کرتے ہیں اور معاشرے کو تیزی سے آگے کی طرف لے جاتے ہیں۔ انسان اور نظریات باہر سے آ کر معاشرے کو نہیں بدلتے بلکہ معاشرے میں موجود تضادات ہی کی وجہ سے معاشرے کو بدلنے کے لیے ضروری افراد اور نظریے جنم لیتے ہیں۔ کوئی انسان اپنے دور کی معاشرتی اور معاشی حقائق سے الگ ہو کر نہیں جی سکتا ہے۔ ایک انسان یا بہت سے لوگ مل کر معاشرے کی ترقی کو تیز یا آہستہ تو کر سکتے ہیں مگر تاریخ کے پہیے کو روکنا یا اسے الٹا چلانا کسی کے بس میں نہیں۔ مارگن کی مارکتہ الا آرا کتاب Ancient Society ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی (3)۔ مارگن نے تاریخ کے روایتی دور حجر (Stone age)، دورِ کانسی (Cooper age) اور دورِ آہن (Iron age) کو رد کر

ان دونوں سے کرنے کا کہہ دیا۔ وہ ایک فیصلہ کن انداز میں امی کے کمرے میں آئیں اور ان سے بھی امی نے یہی یقین دہانی کرائی وہ اس پر خوش تو ہوئیں مگر اب ایک اور پریشانی نے انہیں گھیر لیا۔ دادی ہم سب یہاں ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ آپ کو انگلینڈ میں بھی ہمارے ساتھ ہی رہنا ہو گا"۔ امی نے اس بات پر اتفاق کیا کہ واقعی ہم سب ایک دوسرے کے ساتھ میر پور خاص میں رہنے کے عادی ہو چکے ہیں، اور اس گول مول جواب پر بچیاں مطمئن ہو کر انگلینڈ واپس آنے پر راضی ہو گئیں۔ بھائی جان انہیں پہلے ہی سمجھا چکے تھے کہ وہ کسی بھی طرح پاکستان نہیں چھوڑ سکتے لیکن انگلینڈ آتے جاتے رہیں گے۔

صبح کے 4 بج چکے تھے۔ امی مکمل طور پر پُر سکون نیند میں نظر آ رہی تھیں۔ دل بے طرح چاہا کہ ان ان کی گود میں اسی طرح پاؤں پر سر رکھ کر لیٹ جاؤں جیسی عادت مجھے تھی۔ ہر اولاد سے ماں کا تعلق انوکھا اور منفرد ہی ہوتا ہے۔ اور اس کے مظاہر بھی مختلف ہی ہوتے ہیں۔ بھائی جان کا امی کے پیر ہر رات اصرار سے دبانے کا انداز چاہے ان میں درد ہو یا نہیں، "میں آپ کے لیے نہیں، میں تو اپنے لیے آپ کے پیر دباتا ہوں"۔ امی کا بھائی جان پر بھرپور اعتماد بھروسہ۔ بھیا پر یہ اعتماد کہ بھائی جان کی خصوصاً اور پورے خاندان کی عموماً دیکھ بھال اور معاملات پر نظر رکھنا۔ ان جیسا کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ قمر کا گھر بھر کی دل جمعی کا تر و تازہ اور با آواز بلند سر و پا احساس یاسر کی فکریں اور اس کے "لا ابالی پن" کے باوجود اس کی اپنے دوستوں میں صاحب رائے و مشورہ ہونے پر فخریہ تعجب! بتول کی ہر طرح کی خداداد صلاحیتوں پر فخر اور خوشی اور اس کے مستقبل کی مستقل فکر۔ خصوصاً رباب کو اپنی جسمانی کمزوری کے باوجود محبت سے گود میں لینا۔ اس وقت ان کے چہرے کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ پھر اپنی ہر بہو کے بارے میں ان کا یہ اظہار اطمینان کہ اپنی اپنی جگہ ہر ایک خوب رول ادا کر رہی ہے۔ اور اپنے اکلوتے داماد کے بارے میں خدا کا مستقل شکر ادا کرنا کہ کس قدر نیک فطرت ہے۔ غرض اپنے خاندان میں ان کو جب کوئی چیز نظر آئی اس کا ذکر اچھا ہی کیا۔ "امی آپ کس قدر درگزر کرنے والی اور صرف اچھی باتوں ہی کو یاد کرنے والی خاتون ہیں۔ میری تمام تر غلطیاں در گزر کر دیں۔ اور اپنی ہر ہر عنایت کا شکریہ وصول کریں۔ میں آپ کا معمولی سا بھی حق ادا نہ کر سکا۔ پھر بھی آپ کی محبتیں بھرپور ہی رہیں"۔

میں شرک سے ڈرتا ہوں، مگر تیری کریمی
اور ماں کی محبت میں تسلسل کا سماں ہے

(ڈاکٹر رضی)

اب 5 بج رہے ہیں۔ امی بے حد پر سکون نظر آ رہی ہیں۔ میں ان کے سرہانے سے اٹھ کر نیچے گدے پر لیٹ گیا۔ ساڑھے پانچ بجے اسماء نے کمرے میں جھانکا تو اٹھ بیٹھا۔ خیالات کا سلسلہ ہے کہ رکنے کا نام نہیں لیتا۔ نماز پڑھی۔ رب کریم سے ماں کے حق میں دعائیں پھر مانگیں۔ پھر سرہانے بیٹھ کر مسلسل چہرے کی زیارت۔ "جی بھر کی دیکھ لو کہ زیارت کی رات ہے"۔ یا اللہ 6 بج رہے ہیں یہ کیا ہونے لگا ہے؟ یہ امی کی سانسیں اچانک یوں بے طرح کیوں ہو گئیں؟ یا الٰہی رحم۔ کیا وقت آخر آن پہنچا؟ میں نے دوڑ کر قمر اور بتول کے دروازے کھٹکھٹائے۔ "جلدی آؤ"۔ میری آواز سن کر اسماء جو پہلے ہی جاگ رہی تھیں وہ بھی کمرے سے نکل آئیں "یا اللہ خیر! کیا ہوا"؟ واپس امی کے پاس۔ کچھ بتانے کی ضرورت ہے مجھ کو، نہ کسی کو سننے کی۔ سب جانتے ہیں کیا ہو رہا ہے۔ "بھائی جان جلدی آجائیں"۔

سانس ہے کہ اکھڑتی معلوم ہو رہی ہے۔ امی! امی!" بتول اور دیگر کی بے تابانہ آوازیں۔ اسماء نے سورہ یٰسین آواز کے ساتھ تلاوت کرنا شروع کر دی۔ 10 منٹ، 15 منٹ، نہیں۔ ابھی نہیں۔ ابھی امی نہیں جا سکتیں۔ ابھی بھائی جان ہی کچھ نہ کچھ قرآنی تلاوت کر رہے ہیں۔ پھر بھائی جان بھی آ گئے۔ امی کے دائیں سرہانے بیٹھ گئے۔ امی آپ پریشان ہر گز نہ ہوں۔ انشاء اللہ سب کچھ آسان اور بہت اچھا ہو گا۔ بتول چہرے کے مقابل۔ قمر بے تابانہ کبھی ادھر کبھی ادھر۔ اسماء امی کے بالکل سامنے تلاوت میں مشغول۔ امی آپ خوش خوش جائیں، کسی سے ناراض ہو کر نہ جائیں۔ ہم سب کی چھوٹی بڑی خطائیں معاف کر کے جائیں۔ رضوانہ قریب کھڑی ہیں۔ میں نے ان خدمتوں کو یاد کیا جو رضوانہ نے امی کے آخر چند برسوں میں اولاد سے بڑھ کر کیں اور جن کا مجھ سے ہر ملاقات میں امی نے تفصیلی ذکر کیا۔ امی کا بایاں سرہانہ میں نے رضوانہ کے لیے خالی کر دیا اور مریم اور آمنہ کے پاس آ گیا جو امی کا ایک ایک پیر پکڑ کر جو قرآنی سورتیں انہیں یاد تھیں، پڑھ رہی تھیں۔ میں نے ایک بار امی کے دونوں تلوں سے اپنے بھیگے ہوئے رخسار خشک کئے۔ میری یہ جنت اب خود جنت کی طرف روانہ ہو رہی تھی۔ حمزہ اور عمار بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ امی کے قریب آ کر انہیں خدا حافظ کہنے لگے۔ ہانی اور ہادی کو قریب بلا کر وداع کرایا۔ بھائی جان گومگو میں نظر آئے تو میں نے مشورہ دیا کہ جس طرح بھی ہو نماز فجر پڑھو ادہیں۔ بھائی جان نے امی کو تیمم کرایا اور رقت آمیز آواز میں امی کو ان کی آخری نماز پڑھوائی۔ از کار نماز کی ادائیگی با آواز کی تھی، گویا صورِ قیامت تھا۔ امی کی آنکھیں کبھی کھلتی اور کبھی بند نظر آئیں۔ جیسے کسی کا انتظار ہو۔ یا کچھ لوگوں کو آتے دیکھا۔ کیا ڈیڈی آئے ہیں؟ لیکن اللہ کے تمام برگزیدہ بندے سنا ہے کہ وقت آخر نیک مومن و مومنات کے استقبال کو آتے ہیں۔ میں نے تمام زیارات اور دعائیں جو لکھی نظر آئیں، پڑھ ڈالیں۔ محمد و آل محمد صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے اللہ اپنی اس کنیزِ خاص کو بھرپور شان و شوکت سے اپنے پاس بلائے۔ 7 بج رہے تھے۔ بھابھی اور دیگر بچے بھی نہ جانے کس وقت آ چکے تھے فاطمہ، سیدہ ایلیا، عون اور سکینہ موجود تھے۔ چار اولادیں اور ان کے تمام بچے ان کو وداع کرنے موجود تھے۔

اک شمع کے گرد حلقہ کیے بیٹھے رہو یارو
کچھ روشنی باقی تو ہے، ہر چند کہ کم ہے

ساڑھے سات بج رہے ہیں۔ صاف نظر آ رہا ہے کہ اب جتنی بھی سانسیں باقی ہیں غنیمت ہے۔ نورانی ماتا بھرا چہرہ اب بھی مکمل طور پر پر سکون ہے۔ زندگی بھرپور گزارنے کا اطمینان۔ اپنی ذمہ داریاں اچھی طرح مکمل کرنے کا اطمینان۔ وقت آخر اچھا ہونے کا اطمینان۔ ساتھ لے جانے کے لیے آنے والوں کے ساتھ آخری سفر پر خوش خوش جانے کا اطمینان۔

اے موت آ ضرور، مگر احترام سے

امی آپ انشاء اللہ بہت اچھی جگہ جا رہی ہیں۔ تمام مراحل انشاء اللہ بہت اچھے ہو جائیں گے۔ آپ بہت اچھے لوگوں میں جا رہی ہیں۔ بھائی جان نے ایک بار پھر امی کے کم اور غالباً اپنے اور ہمارے اطمینان کے لیے زیادہ با آواز بلند خود کلامی کی۔

مگر پیچھے رہ جانے والے مضطرب قلوب! میرا امی سے 50 برس کا ساتھ اک نصف صدی کا قصہ ہے، دو چار برس کی بات نہیں۔ لیکن سیری نہیں ہوتی۔ کیسے ہو؟ دو چار برس ہی تو معلوم ہوتے ہیں۔ میری انگلیاں اب امی کی carotid پر پہنچ گئیں۔ دل کی دھڑکن مترشح ہو کر موجود۔ اب بھی strong، مگر پھر یہ کیا ہوا؟ اچانک ایسا لگا کہ انگلیوں کے نیچے سے شریان نکل گئی۔ گویا پیروں تلے زمین نکل گئی۔ بے تابی سے گردن ٹٹولی۔ بھائی جان کی طرف نظر اٹھ گئی۔ وہ بھی میری ہی جانب دیکھ رہے تھے۔ ہم دونوں نے سر ہلایا کہ الفاظ یہاں ممکن نہ تھے۔ مضبوط اور مطمئن لوگوں کی بے تابیاں ناقابل نہیں پہنچے۔ سب دید تھیں۔

"Death. The only certainty in life" اور قرآن فرماتا ہے۔ کُل نفس ذَائِقَۃُ المَوتِ (Every Soul Will Taste Death, Quran 3:185) بھیا۔ آپ کہاں ہیں۔ یاسر آجاؤ۔ ہم، قمر اور بھائی جان نے کچھ لوگوں کو SMS کر کے

تو کچھ اور ہی قسم کی دعاؤں کا وقت تھا۔ سب موجود لوگ یہ جانتے تھے لیکن گفتگو میں براہِ راست اس کا ذکر کرنے سے سب گریزاں۔ پھر بڑوں کے سونے کا وقت بھی آگیا۔ آدھی رات تو گزر ہی چکی تھی۔ بھائی جان کی فیملی کے بعد خود بھائی جان بھی پورے دن کی تھکن کم کرنے اور کمر سیدھی کرنے اس ہدایت کے ساتھ چلے گئے کہ کوئی بھی بات ہو ("کوئی بھی بات"؟) تو مجھے فوراً بلا لینا۔ قمر اور رضوانہ کو میں نے اپنے کمرے میں جا کر آرام کرنے کا کہہ دیا کہ وہ لوگ کئی دن اور رات مستقل امی کی خدمت میں موجود تھے۔ اسماء سے بھی کہا کہ آرام کرنے جائیں۔ پھر وہی بات ہوئی جو میرے آخری وقت تک میری پسندیدہ ترین نعمتوں میں سے ایک رہے گی اور جس کے لیے میں قدرت اور بتول کا احسانمند رہوں گا۔ میں تو امی کے کمرے ہی میں سوتا تھا جب قمر کے گھر آتا تھا۔ ہاں اگر بھائی جان یا بتول موجود ہوں اور ان میں سے کوئی وہاں سونا چاہے تو میں راستے میں نہیں آتا تھا۔ بھائی جان تو جا ہی چکے تھے۔ بتول سے میں نے پوچھا تو اس نے بڑی آسانی سے مجھے امی کی کمرے میں سونے کے لیے کہہ دیا۔ صبح ایک بجے تک ماں کے چہرے کی زیارت کرتا رہا۔ سانس نسبتاً تیز چل رہا تھا، لیکن چہرہ پر سکون ظاہر تھا نانی اماں کا چہرہ ایک بار پھر یاد آگیا۔ کچھ دیر بستر کے قریب فرش پر گدے پر لیٹ کر بہت کچھ سوچتا رہا۔ پھر اٹھ کر امی کے چہرے کے قریب بیٹھ کر انہیں مسلسل دیکھتا ہی رہا۔ کیا کیا خیالات نہ دل میں آئے۔ خود اپنی خود کلامی یاد آئی۔ "رات گزارنا مشکل ہے"۔

اے رات نہ ڈھلنا کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

2001ء کی گرمیوں میں جب ڈیڈی انگلینڈ آئے تو ہم سے کہہ دیا تھا کہ یہ ان کا انگلینڈ کا آخری سفر ہے۔ "اب اس کے بعد تمہاری امی اگر چاہیں تو آتی رہیں ہم اب نہیں آئیں گے"۔ وہ فیصلے کے اٹل ثابت ہوئے۔ 2002ء کی گرمیوں میں پاکستان گئے تو ان سے آخری ملاقات ہوئی 6 ستمبر 2002ء کو وہ امی اور بتول کو "خدا حافظ" کہہ کر آخری سفر کو روانہ ہوگئے۔ ان کی رفاقت امی کی قوت تھی۔ لیکن ان کے بعد بھی ساڑھے گیارہ سال امی نے اپنی فیملی کے لیے طاقت ہی بن کر گزارے۔ ان کے اعصاب قوی تھے۔ ہم نے 2004ء کی مارچ میں جب قمر اور فیملی کو ان کے حج سے واپسی پر ہیتھرو ایئرپورٹ پر ریسیو کر کے پاکستان واپسی کا سفر کیا تو تمام مقاصد میں سب سے زیادہ امی اور بتول کو ڈیڈی کے بعد کی تنہائی سے نکالنا یا بچانا تھا۔ یہ بات سمجھنے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ جو سپورٹ ہمیں امی اور بتول کو ڈیڈی کے بعد کی تنہائی سے نکالنا یا بچانا تھا۔ یہ بات سمجھنے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ جو سپورٹ ہمیں امی نے میر پور خاص منتقل ہونے پر مہیا کی وہ اس سے کہیں زیادہ تھی جو ہم انھیں دے سکتے تھے! ہمارے بحیثیت فیملی کے فیصلے پر بھائی جان نے بھی سمجھایا تھا کہ اچھی طرح سوچ سمجھ لیں۔ انگلینڈ میں پیدا ہوئی بچیاں پاکستان میں اور وہ بھی میر پور خاص کے ماحول میں! نہ تفریحی مواقع، اسکول کا معیار وغیرہ۔ رشتہ دار بھی تقریباً سب کراچی میں۔ لیکن ساڑھے سات سال جو ہم نے میر پور خاص میں امی کے ساتھ گزارے وہ زندگی کا بے حد قیمتی اثاثہ ثابت ہوئے بچیوں کی دادی کے ساتھ ٹریننگ، ہادی کا اپنی پیدائش کے فوراً بعد ہی "اماں" سے خصوصی تعلق قائم کر لینا۔ یہاں تک کہ بھائی جان اور بھیا سے بھی "اماں" کی قربت حاصل کرنے کے لیے اپنے ننھے سے وجود کے باوجود کھل کر مقابلہ کرتا تھا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کہاں سے اور کس طرح سب بچوں کی "دادی" "ہادی کے لیے شروع ہی سے "اماں" بن گئیں! اس بات کا انھیں ہمیشہ کی طرح بہت خیال رہا کہ ان کی وجہ سے ہم میں سے کسی کو کسی "زحمت" کا سامنا نہ کرنا پڑے یا ان کی وجہ سے ہم اپنی ترقی کا کوئی موقع کھو دیں۔

2009 کے موسم سرما میں ہم انگلینڈ سے چھٹیاں گزار کر واپس پاکستان آئے تو معلوم ہوا امی کو Ascites کی شکایت ہوگئی ہے۔ جو کچھ مراحل سے گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ Cancer Ovarain کی وجہ سے تھا۔ بھائی جان کے گھر میں امی کو دیکھا تو دھچکا سا لگا۔ بہت کمزور ہوگئی تھیں۔ لیکن انہوں نے ہمت نہ ہاری Chemotherapy کے تکلیف دہ مراحل سے گزار کر بھائی جان انہیں انگلینڈ لے گئے۔ وہاں قمر کی Speciality کینسر کے ماہر ڈاکٹروں سے قمر کے قریبی تعلق کا باعث تھی۔ وقت ضائع ہوئے بغیر قمر کی کوششوں سے فوراً ہی مزید chemo شروع ہوئی۔ امی کا اب بھی اصرار تھا کہ کیوں اس قدر وقت اور رقم ان پر استعمال کی جا رہی ہے۔ بھائی جان سمیت ہم سب کی منت سماجت کے بعد جب وہ chemo کے تکلیف دہ مراحل سے گزریں تو اللہ کے فضل سے chemo کے اچھے نتائج سامنے آئے۔ امی واپس میر پور خاص آگئیں۔ ہاسٹل میں مقیم میڈیکل اسٹوڈنٹس لڑکیاں، ملازمین اور بہت سے ملنے والے جوق در جوق ملنے آئے اور اپنی خوشیوں کا اظہار کرتے رہے۔ اکتوبر 2010ء کو بتول کی ڈاکٹر سید ہادی امام سے شادی میر پور خاص ہی میں اپنی نگرانی میں کروائی۔ بتول کی شادی سے اس کہاوت پر یقین تازہ ہوگیا کہ رشتے آسمانوں پر طے پاتے ہیں! امی کی خوشیاں دیکھنے والی تھیں۔ لیکن ان کے ظاہر نہ کرنے کے باوجود ڈیڈی کی کمی ان کی زندگی کے اس حصے میں واضح اور نمایاں تھی۔ وہ وقت قابلِ دید اور بیک وقت غم اندوہ اور خوش کن تھا جب بتول اپنے "ابو" کے گھر سے اپنی امی کے سامنے پیا دیس سدھار گئیں۔

صبح کے 3 بج چکے تھے۔ امی کی سانس میں کچھ تیزی آگئی۔ میں نے ان کو کروٹ بدلوائی۔ چمچے سے کچھ پانی ان کے منہ میں ڈالا اتنا کہ خشک منہ گیلا ہو جائے۔ ان کا سانس کچھ مخصوص طریقے سے بدلا جو میں نے اپنی میڈیسن کی پریکٹس میں کبھی پہلے نہ دیکھا تھا۔ بعد میں قمر سے ذکر کیا تو اس نے بتایا کہ ایسا کبھی کبھار دیکھنے میں آتا ہے قمر کی Speciality (Palliative Medicine) میں مریضوں کا آخری وقت دیکھنے کا تجربہ بہت عام ہے۔ کچھ دیر بعد امی کی سانس میں پھر ترتیب آگئی۔ لیکن سانس کی کچھ بے ترتیبی کے باوجود ان کے چہرے پر وہی سکون اور آرام کے آثار تھے۔ "ہم ٹھیک ہیں بیٹا۔ تم آرام کرو"۔ یہ ہمیشہ کے سنے الفاظ تھے جو لاشعور سے میری ذہن میں نمودار ہوگئے تھے۔ "نہیں امی۔ میں بالکل آرام سے ہی ہوں۔ بس آپ آرام سے سوتی رہیں۔ میں یہیں بیٹھا ہوں۔ امی مجھے معلوم ہے کہ میں آپ کی زیادہ اچھی اور قابلِ فخر اولاد ہوں لیکن آپ کے پاس بیٹھنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ مجھے اپنے پاس ہی بیٹھے رہنے دیں"۔

ہمارے آرام ہی کی طرح ہماری سیفٹی بھی امی کو بے حد عزیز تھی۔ پاکستان کے بگڑتے ہوئے حالات کی آنچ جب میر پور خاص جیسے پر امن شہر میں بھی آنے لگی تو امی اور بھائی جان کا اصرار بڑھتا گیا کہ ہم سنجیدگی سے انگلینڈ واپس جانے کے بارے میں سوچیں۔ اور پھر جب ہمارے دور کے چند رشتے دار پاکستان میں اس بھیانک اور دل شکستہ حالت کی بھینٹ چڑھ گئے تو اس اصرار میں مزید شدت آگئی۔ "مگر امی آپ کو اور باقی سب کو یہاں چھوڑ کر ہم کیسے واپس چلے جائیں"؟ اس کے جواب میں آہستہ آہستہ امی نے بالآخر اس بات پر ہامی بھر لی کہ وہ سنجیدگی سے اس بارے میں سوچیں گی۔ پھر جب مجھے اپنے پچھلے اسپتال ہیکسم سے دوبارہ جاب کے لیے انٹرویو کی آفر آگئی تو میں امی کے کمرے میں گیا۔ "امی اب فیصلے کا وقت آگیا ہے۔ اگر آپ انگلینڈ اور وہاں رہنے پر تیار ہوں تو میں انٹرویو دینے جاؤں ورنہ جہاں آپ وہاں میں"! میرا آج بھی یہی خیال ہے کہ صرف مجھے پاکستان کے بگڑتے ہوئے حالت سے نکالنے کے لیے امی نے کہا کہ ہاں ہم بھی تمہارے پاس کچھ عرصے بعد ہی انگلینڈ آجائیں گے۔ وہ حالات جن میں اب بالواسطہ سے ہوتے ہوتے اب براہِ راست آمنے سامنے دھمکیاں ملنے لگی تھیں۔ یہ حالات کی ستم ظریفی اور ہماری بد قسمتی ہے جبکہ جس جگہ بے شمار اور بے تحاشہ محبت کرنے والے دوست احباب ہر طرف ہوں، اسی جگہ چند عاقبت نا اندیش اور ملک و قوم کے بدخواہ، طبیب اور اساتذہ تک کی جانوں کے درپے ہوگئے ہیں اور اپنی ان حرکتوں کے باوجود ملک بھر میں آزادانہ دندناتے پھرتے ہیں۔ جن اداروں کی ذمہ داری میں ملک اور قوم کی سلامتی ہے، وہ ایک دوسرے پر الزامات ڈال کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ مریم اور آمنہ بھی ہمارے تمام حالات اور خیالات کے ساتھ ساتھ اس پروگرام سے بھی اپنے کم عمری کے باوجود مکمل طور پر باخبر بھی تھیں اور صاحب رائے بھی تھیں۔ جب انہوں نے اس بات پر بے اطمینانی ظاہر کی کہ بڑے ڈیڈی (رضی بھائی) اور دادی کو یہاں چھوڑ کر ہم کیسے واپس چلے جائیں تو میں نے ان سے یہ ہی بات

اے رات نہ ڈھلنا کہ اجڑ جائے گی۔۔۔۔۔۔

مسز رضیہ علی محمد کے ایامِ آخری پر ان کے بیٹے ڈاکٹر سید ظفر عباس کی ایک پر سوز تحریر

"گرم ریتی پہ میں گرتا ہوں سنبھالو اماں"

بتول کی مرتعش اور گلوگیر آواز میں امی کا یہ پسندیدہ نوحہ رات کے خاموش لمحات میں مضطرب دلوں کو چیرے ڈال رہا تھا۔

15 فروری 2014ء کی صبح ہم، میکسم کی حدود سے نکل کر چیلمسفورڈ کی جانب A1 (M) پر اس رفتار سے سفر کر رہے تھے جو بیک وقت تیز بھی تھی اور آہستہ بھی۔ امی گزشتہ تقریباً 5 برسوں سے کینسر جیسے موذی مرض سے انتہائی بہادری کے ساتھ مقابلہ کر رہی تھیں۔ ان پانچ برسوں میں کئی نشیب و فراز آئے۔ کئی پریشان کن مراحل آئے۔ میری قابل فخر فیملی ہر طرح سے ان میں امی کو سپورٹ مہیا کرتی رہی۔ لیکن ہم سب سے زیادہ خود ہماری خاطر یہ امی کی ذات تھی جو ہر طرح کی تکلیفوں کو برداشت کرتے ہوئے بار بار پاکستان اور انگلینڈ کے درمیان سفر کرتے ہوئے مختلف طرح کے معالجوں سے مختلف انداز کے مشکل علاج کرانے پر ہماری، خصوصاً بھائی جان کی استدعا قبول کر لیتی تھیں۔ لیکن گزشتہ تقریباً دس دنوں سے ان کے جسم نے، جو زندگی کی صعوبتوں سے گزرتے ہوئے اب بے تحاشہ ٹوٹ پھوٹ سے گزر چکا تھا، مزید بوجھ اٹھانے سے انکار کرنا شروع کر دیا تھا۔

A1 (M) پر دوڑتی بھاگتی گاڑیوں کے درمیان نظریں کچھ اور ہی مناظر دیکھنے لگیں۔ صبح سویرے بغیر الارم کے اٹھ کر نماز اور دعاؤں سے فارغ ہو کر نہ جانے کون سی دعائیں پڑھ کر دم کرتے ہوئے مجھے جگانا۔ زندگی کے ہر مرحلے پر خصوصاً نصابی امتحانوں میں طرح طرح سے ہمت دلانا۔ عید الفطر کی سوئیوں کا خاص ذائقہ بقر عید کے دن کا ناشتہ، عید زہراء کے شاہی ٹکڑے، محرم کی مجالس کا اہتمام، شب برات میں چراغوں اور موم بتیوں سے گھر میں چراغاں امی کی مستقل یادوں میں سے ہیں۔ ان کا زندگی کو انجوائے کرنا، خالہ جان اور ماموں جان کی فیملی کے ساتھ ہمارا لاہور سے پاک پتن کا روڈ کا سفر، ان کا ڈیڈی کے ساتھ اور پھر بعد میں بھی ہمارے اور دیگر بھائیوں اور بہن کے ساتھ حج، عمرہ اور زیارات کے سفر اور پھر انگلینڈ میں ان کی ڈیڈی کے ساتھ سالانہ آمد۔ لندن اور دیگر علاقوں کی ہمارے ساتھ سیر۔ ہمارا بھی یہ طریقہ تھا کہ جب بھی کسی نئی جگہ جاب ملتی وہاں کی سیر اسی وقت کرتے جب اس کی اگلی گرمیوں میں امی اور ڈیڈی آتے۔ امی کا مجالس اور محفل میلاد کا سننے اور خود خطاب کرنے کا شوق۔ ان میں حاضری۔ میرپور خاص سے کراچی آتے جاتے اور پھر یہاں انگلینڈ میں ہونے والے روڈ کے سفر میں کار میں کیسٹس اور سی ڈی پر مختلف علماء، ذاکرین اور نوحہ خوانوں کو سننے کا شوق۔ ہمارے گھر میں گزشتہ چند سالوں میں وہ جب بھی ہمارے گھر میں آئیں اور میں ہسپتال اور بچے اسکول جاتے تو اسماء سے فرمائش کر کے اسمارٹ ٹی وی پر یوٹیوب کے ذریعے اپنے پسندیدہ علماء کی مجالس سننا۔ ان کا غرباء کی امداد کا رجحان۔ ڈیڈی کے انتقال کے بعد کئی دھوکے بازی کے ذریعے بھی طالب امداد ہوئے۔ امی کیونکہ لوگوں میں خاصہ آنا جانا رکھتی تھی ان کے پاس صحیح مستحق افراد کو پہچاننے کا اپنا ایک طریقہ تھا جس کو وہ خوب استعمال کرتی تھیں۔ گزشتہ کچھ برسوں میں جب ان کو علاج کے سلسلے میں پہلے کراچی اور بعد میں انگلینڈ اکثر رہنا پڑا تو بھیا (تقی صاحب) اور اسماء ان کو فون کر کے ہدایت لیا کرتے تھے۔ ان کی ایک اور ہمیشہ یاد رہنے والی عادت ان کا ذوق مطالعہ تھا۔ میرپور خاص کے گھر میں خصوصی طور پر بنوائی ہوئی الماریاں اور شیلفس ان کی خریدی اور پڑھی ہوئی کتابوں سے بھری ہوئی ہیں۔ قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر، احادیث مبارک کی کتب، تاریخ، ناول، ڈائجسٹ، سوانح عمری، رسائل، میگزین، اخبار غرض ہر طرح کی قابلِ مطالعہ اشیاء ان کے پاس وافر مقدار و تعداد میں موجود رہتے تھے۔

امی کی شکل ان کی بہنوں سے خاصی مشابہت رکھتی تھی۔ عجیب بات تھی کہ مختلف اوقات میں وہ کبھی ایک اور کبھی دوسری بہن سے زیادہ ملتی جلتی لگتی تھیں۔ اپنے آخری چند برسوں میں البتہ ان میں نانی اماں کی بہت زیادہ مشابہت آ گئی تھی۔ امی کے انتقال کے اگلے دن اپنے کزن فرح (کرنل علمدار رضا) سے فون پر بات ہوئی تو وہ بھی امی میں اپنی والدہ کی مشابہت کا ذکر کر رہے تھے۔

امی سے ان کے آخری چار ماہ میں کھل کر دو مرتبہ ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک مرتبہ جب وہ نومبر 2013ء میں ایک ماہ سے کچھ اوپر ہمارے ساتھ رہنے، ہیکسم آئیں۔ میرے اور میری فیملی کے لیے وہ ناقابل فراموش سرمایہ ہے۔ ذاتی طور پر مجھے ایک قابلِ قدر موقع اس وقت ملا جب 26-25 جنوری 2014ء کے ویک اینڈ میں امی سے ملنے قمر کے گھر چیلمسفورڈ گیا۔ اس سے چند ہی روز قبل امی کو بڑا موذی قسم کا انفیکشن ہوا تھا جس سے وہ صحت یاب تو ہو گئی تھیں لیکن ان دنوں آن کال ہونے کے سبب میں چونکہ ان سے ملنے نہ جا سکا تھا اس لیے ان کو دیکھنے کی بے چینی تھی۔ وہ ڈیڑھ دن میں نے تقریباً مستقل امی کے ساتھ گزارے۔ بہت پرانی اور کچھ نئی باتیں ہوتی رہیں۔ ڈیڈی، پھوا، چچا جان، آنٹی (ہماری چھوٹی پھوپھی جن کا امی سے کچھ روز قبل انتقال ہو گیا) کی صحت کی فکر مندی، ماموں جان اور خالہ اپنی اور پھر بینا باجی اور ان کی بڑی بیٹی زین کی ہونے والی شادی وغیرہ۔ اس بات پر انہوں نے بار بار خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا کہ محبت محمد و آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خود انہوں نے اپنی زندگی میں اپنی 5 نسلوں میں پھلتی پھولتی دیکھ لی۔

ع پانچویں پشت ہے شبیرؑ کی مداحی میں

بالآخر ساڑھے پانچ گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد ہم قمر کے گھر پہنچ گئے۔ سیدھے اوپر کی منزل میں امی کے کمرے میں پہنچے۔ بھائی جان اور قمر کے اترے ہوئے چہرے دیکھے اور پھر جب امی کو دیکھا تو دل ڈوبتا محسوس ہوا۔ ایک دو مرتبہ آنکھیں ضرور کھولیں لیکن کسی بات کا جواب ملانہ ایسا لگا کہ کسی کو بھی پہچان رہی ہوں۔ کچھ دیر بعد بڑی بھابی آئی تو ان کے سلام کرنے پر ایسا لگا جیسے پہچان اور سمجھ کر جواباً سر ہلایا۔ بعد میں بھائی جان نے بتایا کی ان کی بیٹی ایلیا جس کی پچھلے ہی ہفتے شادی امی کے سامنے ہوئی تھی، ملنے آئی تو اس کے سلام کے جواب میں مسکرا کے آنکھیں کھول کے دعا دی "خوش رہو"۔ ایک دادی کا دنیا چھوڑتے ہوئے پوتی کو شادی کا نہایت قیمتی تحفہ۔ پھر معلوم ہوا کہ صبح ہی سے طبیعت ایسی ہے۔ بتول اور ہادی بھی رباب سمیت راستے میں ہیں کہ بھائی جان نے انہیں فون کر کے آنے کے لیے کہہ دیا تھا۔ پھر بتول بھی آ گئیں۔ بچے مستقل کمرے میں آتے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ سونے کا وقت ہو گیا۔ بچے سلام کر کے جاتے رہے اور امی مستقل غنودگی ہی میں رہیں۔ آخر میں امی کا سب سے چھوٹا پوتا اور میرا بیٹا ہادی آیا اور خدا حافظ کہہ کر چہرے پر چہرہ رکھ دیا۔ امی نے آنکھیں کھولیں۔ مسکرا کر اس کے گلے میں بازو ڈال کر اس کے رخسار پر پیار کیا۔ بس پورے دن میں یہ دوسرا وقت تھا جب امی نے ہوش و حواس کے ساتھ کوئی کام کیا۔ میری بہت پہلے سے ہی یہ پختہ رائے ہے کہ یوں تو ہم سب ہی کا امی سے الگ الگ مخصوص تعلق تھا، لیکن چار لوگ امی کی زندگی میں حد سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔ ڈیڈی، بھائی جان، بتول اور ہادی۔ شاید یہ آخری واقعہ اس بات کا سرٹیفکیٹ تھا۔

شام کے بعد رات آ گئی۔ رضوانہ نے سب کو کچھ نہ کچھ کھانا کھلا ہی دیا۔ امی کی کیفیت سب کے سامنے تھی۔ امی کے کمرے میں اس وقت ہم 7-6 ڈاکٹر موجود تھے۔ لیکن سچ پوچھیں تو صرف ایک ماں تھی اور اس کے بچے۔ ہاں کچھ باتیں اضطراب میں "ڈاکٹرانہ" بھی نکل جاتی تھیں۔ میں نے گویا اپنے اسپتال کے ایک مریض کے رشتہ دار کو خود سے پوچھتے پایا " Doctor! how long do we have"؟ اور خود کو جواب دیتے سنا "Most people in this situation will not be alive next day" یہ سنتے ہی دل بری طرح دھڑکا۔ لیکن وقت کا ظالم ہاتھ سب کچھ اپنے ہی پاس رکھنے پر مصر تھا۔ نہ دوا دیتے کچھ بنتی تھی، نہ زندگی کی دعا دینے میں کچھ اثر معلوم ہو رہا تھا۔ اب

ڈاکٹر سید رضی محمد کی کتاب

"سرد لہو کے دیس میں" کی افتتاحی تقریب کے موقع پر پڑھا گیا مضمون

مسز رضیہ علی محمد

سب سے پہلے تو میں "سرد لہو کے دیس میں" کے اجراء پر محمد میڈیکل کالج کے اسٹوڈینٹس اور میرپور خاص کے لوگوں کو مبارکباد پیش کرنا چاہوں گی۔ میرے پیارے بیٹے ڈاکٹر سید رضی محمد کی کتاب "سرد لہو کے دیس میں" اور کالج میگزین "مسیحا" پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے جہاں انتہائی فخر محسوس ہو رہا ہے وہیں بے انتہا مسرت بھی ہو رہی ہے۔ فخر اس لیے کہ شاید ہی کسی اور ماں کو اپنے ہی بیٹے کی کتاب کی رونمائی اور اور اس پر لکھنے کا موقعہ ملا ہو۔ اور مسرت اس بات پر کہ دنیا کی ہر ماں کا اپنی اولاد کی کامیابیوں پر خوش ہونا بالکل فطری بات ہے۔ صاحب کتاب سے واقفیت دنیا بھر میں سب سے زیادہ میری ہے۔ اگر اسے یوں کہا جائے کہ میں انہیں اس وقت سے جانتی ہوں جب یہ اپنے آپ کو بھی نہیں جانتے تھے۔ اس لیے جب ان کی کتاب میرے ہاتھوں میں آئی تو بے ساختہ خیال آیا کہ بات کرنی بھی نہ آئی تھی تمھیں۔ یہ ہمارے سامنے کی بات ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا جب مجھے انتہائی حسرت ہوتی تھی کہ کب یہ اس قابل ہو گا کہ کچھ میری سُنے اور کچھ اپنی سنائے اور اللہ کے فضل و کرم سے اب وہ وقت آچکا ہے کہ وہی ننھا سا بچہ دنیا کو اپنی سوچ اور اپنے خیالات سے آگاہ کر رہا ہے۔ رضی نے اپنے بچپن کی بالکل صحیح تصویر کھینچی ہے یہ کہہ کر کہ

بھیجتی شمع بکھرے کاغذ بے ترتیبی کپڑوں کی
ہم نے اپنے کمرے کا بھی اپنا سا انجام کیا

یہ تو ان کے لڑکپن اور بچپن کی بات تھی۔ مجھے بھی دیکھنا پڑتا تھا کہ یہ کس حال میں ہیں۔ آج اللہ نے انہیں اس قابل کیا ہے کہ وہ شعر اور ادب کو سنبھال رہے ہیں ویسے تو یہ آپس کی بات ہے۔ سنا ہے، پتہ نہیں کہاں تک سچ ہے کہ بڑے بڑے ادیبوں کے کمروں کا بھی یہ ہی حال ہوتا ہے۔ میں رضی کی حرکات، سکنات، افکار و گفتار اور کردار سے واقف ہوں۔ ان کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جو میری نظروں سے اوجھل ہو۔ ان کی جو کتاب سامنے آئی ہے اس میں اپنے رشتوں سے محبت کا اظہار اور اپنے وطن کی تڑپ اور اسے اقوام عالم میں سربلند دیکھنے کا اظہار بھی ہے!

یہ میری قوم ہے مجمع نہیں ہے
یہ ارضِ پاک ہے جنگل نہیں ہے

اس شعر پر جتنا بھی غور کریں اتنے ہی معانی کھلتے جاتے ہیں اپنے لوگوں اور اپنے ملک کی محبت کی انتہائی گہرائی سمجھ میں آتی ہے۔ 2005 میں شمالی علاقوں میں آنے والے زلزلے کو اس دردمند شاعر نے جس قدر گہرائی سے سمجھا ہے وہ اس نظم کو پڑھ کر ہی سمجھ میں آتا ہے یہ نظم "کس کا خون کس کلاس روم میں ہے" کے عنوان سے انھوں نے لکھی ہے۔ اس نظم سے لگتا ہے کہ حادثے کے وقت شاعر خود وہیں موجود تھا۔

ننھی لاشوں کے ہاتھوں میں اب بھی
اپنے ہی خوں سے لال بستے ہیں

اس شعر میں اتنا درد ہے کہ ہر پڑھنے والے کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ آج کے زمانے میں ہمارے ملک پر جو دہشت اور خوف کا عالم ہے ہر طرف شورش و بدامنی میں گھرا ہوا ہے اس کو شاعر نے کس طرح محسوس کیا ہے۔ یہ بتانے کے لیے ان کا شعر

خوف کے مارے، آنگن پر بھی چھت تعمیر کرالی ہے
سورج، چاند، ہوا اور بارش، سب کچھ مجھ سے چھوٹا سائیں

اس شعر میں کتنی حسرتیں اور محرومیاں چھپی ہوئی ہیں وہ وہی محسوس کر سکتے ہیں جو ایسے حالات سے گزر چکے ہیں۔ شاعر کی یہ سوچ کتنے ہی ہم وطنوں کے دل کی پکار ہے۔ ان ساری بے چینیوں اور عالم ابتری میں بھی شاعر کو اپنے معبود پر کتنا مان اور بھروسہ ہے وہ جابجا نظر آتا ہے۔

مجھے عدم سے تعلق نہیں کہ میرا وجود
نمود ذات سے پہلے بھی رب کے دھیان میں تھا
نکل چکا تھا میں جب حلقہ اطاعت سے
میں اس گھڑی بھی ترے حلقہء امان میں تھا

رضی شاعر ہیں مگر بے عملی کے بالکل قائل نہیں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہر شخص اپنی بساط کے مطابق اپنے وطن کی ترقی، خوشحالی اور نیک نامی میں اپنا حصہ ڈالے۔ جو کچھ اس کے ذہن میں ہے وہ حاصل کرنے کی جدوجہد کرے۔

میں شاعر ہوں مگر بس، خواب ہی دیکھا نہیں کرتا
جفاکش بھی ہوں، اپنے خواب کو تعبیر کرتا ہوں

اپنے رب پر بھروسہ ڈاکٹر رضی کو مایوس ہونے نہیں دیتا۔ ان سارے اندھیروں کے باوجود وہ پر اُمید ہیں۔

جھوٹ تو جھوٹ ہے
سچ کے آگے کہاں تک ٹھہر پائے گا
چند لمحوں میں یہ رات کٹ جائے گی
چند لمحوں میں سورج نکل آئے گا
دنیا دیکھے گی جھوٹوں کے انجام کو
سچ کے پیغام کو
چند لمحوں میں نقشہ بدل جائے گا

ان سچی باتوں کو سامنے رکھ کر رضی نے کالج کی بنیاد ڈالی۔ ہزار مشکلات کے باوجود ہزار رکاوٹوں کے باوجود، اپنے پرایوں کی حوصلہ شکنی کے باوجود رضی نے اس کالج کو کھڑا کر کے ہی دم لیا۔ آپ سب کی مہربانیوں سے ملک کے اچھے نامور اساتذہ محمد میڈیکل کالج میں اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ یہاں کے طلباو طالبات محمد میڈیکل کالج سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد پورے پاکستان میں انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں۔ وہ اسلام آباد ہو، لاہور، راولپنڈی، سیالکوٹ، حیدرآباد یا کراچی ہو، ان شہروں میں ہمارے لیے کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ UK اور امریکہ میں بھی ہمارے طلباء وطالبات کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں۔

مسز رضیہ علی محمد
چیئرپرسن محمد فاؤنڈیشن ٹرسٹ

حمد

درونِ ذات کہیں ڈھونڈتا ہوں میں تجھ کو
جہاں تلاش کروں دیکھتا ہوں میں تجھ کو
دل و دماغ پہ آنکھوں میں نور تیرا ہے
میں اے خدا جہاں دیکھوں ظہور تیرا ہے
تیرے کلام سے یہ صبح میری روشن ہے
تیرے ہی نام سے جاری یہ دل کی دھڑکن ہے
یہ رنگ و روپ یہ پھولوں میں تازگی تیری
چمک رہی ہے جو تاروں میں روشنی تیری
ترے خیال سے کیا ہے کوئی جو عاری ہے
کہ ہر زبان پہ تیرا ہی ذکر جاری ہے
ترے کرم کا میں ادراک کیا کروں کیسے
شمار کیا کروں منہا بھلا کروں کیسے
چمن چمن میں یہاں رنگوں کے ڈیرے ہیں
ہر ایک ذات میں للہ رنگ تیرے ہیں
تُو ہی حیات کا مالک وُجود تیرے ہیں
مرے قیام بھی تیرے سُجود تیرے ہیں
درونِ دل کہیں بجتے یہ ساز تیرے ہیں
چھپے ہیں جو کہیں اندر وہ راز تیرے ہیں
تری پناہ میں آکر حیات ملتی ہے
نہیں جو ماں میں کسی بھی وہ بات ملتی ہے
کسے ملا ہوں نجانے کہاں چلا ہوں میں
نہ جستجو ہے کسی کی بھٹک رہا ہوں میں
سفر کٹھن ہے میرا دور ہے مری منزل
مگر ہے آسرا تیرا تو کچھ نہیں مشکل
کبھی جو خود کو اکیلا سمجھ کے گھبرایا
میں خوش نصیب فقط آسرا ترا پایا
مرے خدا تُو مجھے اذنِ آگہی دیدے
جسے میں مانگ نہ پاؤں مجھے وہی دیدے
میں دو جہان میں کرتا رہوں ثنا تیری
کہ اس گمان میں مضمر ہے اب بقا میری
ترے حبیبؐ کے قدموں کی دھول ہو جاؤں
کہ بس خدا میں غلامِ رسول ہو جاؤں
حبیب میں کہاں یہ رب دو جہاں تُو ہے
جہانِ عظمت و توقیر میں عیاں تُو ہے

ڈاکٹر حبیب الرحمان چوہان

نعت رسول مقبولؐ

لکھیں گے کیسے شان یہ شایانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم
جب ہے مرا خدا بھی ثناخوانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم
قدموں سے آپ کے جو منوّر ہے عرش پاک
کتنی ہے سربلند یہ پہچان مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم
بھٹکے ہوئے جہان سے باطل فنا ہوا
جلوہ قدم قدم پہ ہے فیضانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم
رسوا تھی دربدر تھی یہ انسانیت کہیں
رستے پہ لے کے آ گیا قرآنِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم
سب پاش پاش ہوگئے دنیا کے بتکدے
بگڑوں نے راہ لی در دامان مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم
میں اہل بیت کے جنت کو جائیں گے
اُٹھیں گے مر کے جب یہ غلامانِ مصطفی صلی اللہ وسلم
یہ روپ یہ نکھار یہ خوشبو بھری ہوا
دنیا میں ہے حبیب جو، احسانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر حبیب الرحمان چوہان

شان حضرت سیدہ فاطمہ الزہرہؑ

کیا لکھوں ہے کیا مقام فاطمہ زہرہ بتولؑ
خالق و مخلوق کے مابین ہے پردہ بتولؑ
ہے نبوت اور امامت کا بھی دروازہ بتولؑ
از ازل تا با ابد کونین کی ملکہ بتولؑ
پرورش ہوتی ہے بالآخر جہاں حسنینؑ کی
عظمتوں کی انتہا پر ہے وہ ماں حسنینؑ کی
عظمتوں کی رفعتوں کی جو علم پردار ہے
عالمیں کی عورتوں کی بی بیؑ جو سردار ہے
پر تو ے علم نبوتؐ جس کا ہر کردار ہے
جس کے در کا دیکھ کہ جبریلؑ پہریدار ہے
حالتِ اُمت سے ہے نالاں وہ بیچاری بتولؑ
قبر میں بھی بے سکوں ہے درد کی ماری بتولؑ

حاصلِ مطالعہ عذرا پروین

منقبت

ظلمت کدوں کو نور سے روشن بنائے گا
شبیر کا لہو ہے یہ رستہ دکھائے گا
مظلومیت کا ہے فقط اتنا سا فلسفہ
باطل جہاں اُٹھا وہاں شبیر پائے گا
خونِ رسول ہے یہ جگر گوشۂ بتول
سن لے یہ ہر یزید کہ کربل سجائے گا
عشقِ حسین ہی تو خدا کا ہے راستہ
جو آشنا ہوا وہی جنت میں جائے گا
جس اہتمام میں مِرا شبیر گر نہ ہو
خالق تو وہ جہاں بھلا کیسے بنائے گا
سوز و غمِ حسین ہی زادِ حیات ہے
جس میں ہو یہ حبیب وہ مومن کہائے گا

ڈاکٹر حبیب الرحمان چوہان

مضامین	مصنف	صفحہ نمبر
حمد	ڈاکٹر حبیب الرحمٰن	01
نعت	ڈاکٹر حبیب الرحمٰن	01
منقبت	ڈاکٹر حبیب الرحمٰن	01
شان حضرت سیدہ فاطمہ الزہرہؑ	غذرا پروین	01
ڈاکٹر سید رضی محمد کی کتاب	مسز رضیہ علی محمد	02
اے رات نہ ڈھلنا کے اجڑ جائے گی	ڈاکٹر سید ظفر عباس	03
انسانی تاریخ کے بدلتے ادوار	ڈاکٹر سید رضی محمد	06
طالب خدا		10
سوئم کی رات	ڈاکٹر جاوید راجپوت	11
پیش لفظ	ڈاکٹر جاوید راجپوت	11
آغوش کے پھول	پروفیسر عقیل الرحمٰن راجپوت	12
مرغ مسلم	ڈاکٹر جاوید راجپوت	14
اقوال زریں	حافظ عبیر الیاس	14
ذلت	حافظ ریاض قدیر مان	14
پرچہ سیاست	ارتضی احمد	15
میں پاکستانی ہوں	زاہد اقبال	16
شکاری عورت	حافظ محمد یوسف	16
ایک دن آپریشن تھیٹر میں	محمد مزمل جاوید	17
پتھر کی دنیا	اظہر علی شاہ	18
اقوال زریں		19
چند اہم سوالات	حافظ محمد یوسف	20
سنہری گڑیا	انعم اشرف	20
طوفان میں دستک (افسانہ)	حافظ محمد یوسف	21
ڈاکٹر سید رضی محمد میری نظر میں	ڈاکٹر عقیل الرحمٰن راجپوت	21
ماں	خالد جمال	22
کیا وہ پاگل تھا؟	محمد شہزاد اکرم	23
ڈائیر محبوبہ	محمد شہزاد اکرم	23
حضرت علی المرتضیٰ علی السلام	محمد صادق دریشک	24
طالب خدا	میاں فیض رسول	24
اسپرین (فارماکالوجی)	سید گل بادشاہ	24
بوگس بل بنوایا ہے	حافظ محمد یوسف	25
راجڑ صاحب کے نام	محمد زاہد سرفراز	25
غزل	افسر خان	25
غزل	زاہد فخری اینڈ انتخاب سمعیہ	25
اسٹوڈینٹ غزل	علی رضا	25
غزل	حافظ قادر حسین	25
خام خیالی	عابد اسلم	25
غزل	احمد خان عباسی	26
غزل	فیضان عباسی	26
غزل	ارتضی احمد خاکی	26
غزل	رانا جمشید اقبال	26
تلاش خدا		26
غزل	رانا ابتسام	26
غزل	صائم نعمان	27
بڑی دیر ہوگئی	خالد نواز راجپوت	27
غزل	سمعیہ مقصود	27
میں اور صحت	موثر نوید	27
غزل	محمد مزمل جاوید	27
بچپن کی یادیں	محمد ارسلان حیدر	27

IBN-E-SINA UNIVERSITY

MUHAMMAD MEDICAL & DENTAL COLLEGE

سلور جوبلی ایڈیشن

مسیحا

ابنِ سینا یونیورسٹی میرپور خاص کے طلباء کا میگزین

ایچ ای سی سے ریکگنائز کردہ میرپور خاص ڈویژن کی پہلی یونیورسٹی



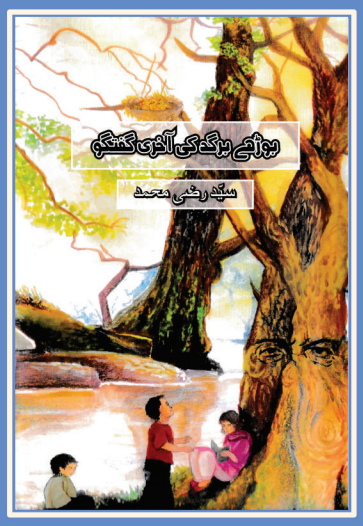

میرپور خاص کے لوگوں کے نام انتساب (جو کبھی یہاں رہ چکے ہیں)